# محمود المواعظ

(جلد چہارم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

## مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی
مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

## ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمودنگر، ڈابھیل

# تفصیلات

کتاب کا نام:............................................ محمود المواعظ (جلد چہارم)

افادات:.................. حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:.............. مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات:...................................................... ۴۰۰

ناشر:.................. مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:

www.muftiahmedkhanpuri.com

## ملنے کے پتے

- ادارۃ الصدیق ڈابھیل، نزد جامعہ ڈابھیل، Mo:99133,19190
- ادارۃ الصدیق دیوبند، نزد عیدگاہ، دیوبند Mo:9997953255
- شعبۂ فیض محمود، سورت، Mo: 99988,31838
- مکتبۂ انور (مفتی عبدالقیوم راجکوٹی) ڈابھیل Mo:99246,93470
- مکتبہ محمدیہ (مفتی سلیمان شاہوی) ترکیسر Mo:88666,21229
- مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ Mo: 9925652499
- مکتبۃ الاتحاد دیوبند Mo:98972,96985
- مولانا رحمت اللہ صاحب مدظلہ (دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ، کشمیر)

# اجمالی فہرست مضامین...... جلد چہارم

# تفصیلی فہرست مضامین...... جلد چہارم

## بندوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی بارش اوران نعمتوں کے بارے بندوں کا حال

## پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو!



## ذکر کے فضائل وفوائد

# ہماری بدحالی کے اسباب

# اور اس کا حل

# اقتباس

یہاں تو زلزلہ آتا ہے، تب بھی ہمارے آنکھیں نہیں کھلتیں اور نبیٔ کریم ﷺ کا حال تو یہ تھا کہ بادل دیکھتے تھے یا ہوا ذرا سی تیز ہوجاتی تھی تو آپ کے چہرۂ انور کے اوپر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہونے لگتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ: نبیٔ کریم ﷺ سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! کیا بات ہے، لوگ تو جب بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش آئے گی اور آپ کو دیکھا جاتا ہے کہ بادل کو آتا ہوا دیکھ کر آپ پر گھبراہٹ کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا معلوم کہ وہ بادل کیا لے کر آیا ہے؟۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ. (الروم: ۴۱)

وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضي الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلاءُ فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ وَكَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ وَشُرِبَتِ الْخُمُورُ وَلُبِسَ الْحَرِيرُ وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا[1]. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

(۱) سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلامَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالْخَسْفِ.

## آیت کا ترجمہ

لوگوں کے اور انسانوں کے کرتوتوں کی وجہ سے زمین اور سمندروں میں خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا، خرابیاں ظاہر اور نمایاں ہوگئیں؛ یہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے بعض کرتوتوں کا مزہ چکھایا؛ شاید کہ وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آ جائیں۔

## اعمال کی بھی خاصیتیں ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح چیزوں میں خاصیتیں رکھی ہیں، ہر چیز کا ایک الگ خاص اثر ہوتا ہے۔ کوئی آدمی زہر کھالے گا تو اس کی وجہ سے اس کی موت واقع ہو جائے گی، اور اسی طرح سے مختلف چیزیں جو ہم استعمال کرتے ہیں، ڈاکٹروں، حکیموں اور طبیبوں نے ہمیں بتا رکھا ہے کہ فلاں چیز کے کھانے سے فائدہ یا نقصان کی شکل میں یہ اثر ظاہر ہوتا ہے، ان چیزوں کے خواص تو وہ ہیں جو اطباء اور ڈاکٹروں نے اپنی تحقیق کے بعد بتلائے ہیں، ہوسکتا ہے کہ اس میں ان کی غلطی ہوئی ہو اور جو خواص انھوں نے بتلائے ہیں وہ کسی موقع پر وجود میں نہ آئیں۔ لیکن اعمال کے جو خواص حضرات انبیاء علیہم السلام بتلایا کرتے ہیں ان میں غلطی کا امکان ہی نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرات انبیاء کی بعثت ہی اس لیے فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو بتلائیں کہ کون سے اعمال کرنے ہیں اور کن سے بچنا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ نے جن اعمال کو کرنا پسند فرمایا ہے لوگ ان کو کریں، اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے لوگ ان سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اور حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا مشن، ان کی پوری زندگی کا مقصد

یہی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے کر ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم کریں اور جوڑیں اور ان کو بتلائیں کہ بھائی دیکھو! تم اللہ تبارک تعالیٰ کی نافرمانیوں سے باز آجاؤ۔

## چھوٹے سے چھوٹا گناہ ایٹم بم سے زیادہ خطرناک ہے

نافرمانی اور گناہ یہ بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اتنا خطرناک نہیں؛ جتنا کہ چھوٹے سے چھوٹا گناہ خطرناک ہے۔ اس لیے کہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے زیادہ سے زیادہ نقصان اگر ہوگا تو دنیوی اعتبار سے ہوگا لیکن گناہ کے نتیجے میں آدمی اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس کے غضب کا مورد بن جاتا ہے۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے بچائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی امت کو اسی کی طرف متوجہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالایا جائے اور نواہی سے بچا جائے۔ اگر ایسا نہیں ہوگا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہوگی۔

## دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں

یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزاء نہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں بدلہ نہیں دیں گے، بدلہ تو آخرت ہی میں دیں گے۔ آخرت اسی لیے رکھی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بندوں کی طرف سے جب کسی گناہ کا ارتکاب کثرت سے ہونے لگتا ہے تو تنبیہ کے طور پر اور ان کی آنکھیں کھولنے کے لیے عبرت کے واسطے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کبھی اس کا تھوڑا

سا اثر بتلا دیا جاتا ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو وہاں پیش آنے والا ہے اس کا ہم اور آپ اندازہ و تصور نہیں کر سکتے، وہ اصل بدلہ ہوگا۔ کسی بھی نیک کام کا اچھا بدلہ اور کسی بھی گناہ کی اصل سزا جو بھی ہونے والی ہے، وہ وہاں ہوگی۔ یہاں دنیا میں اللہ تعالیٰ بدلہ نہیں دیتے البتہ عبرت کے لیے تنبیہ کے طور پر کبھی کبھی اس کی طرف سے لوگوں کو متوجہ کر دیا جاتا ہے؛ تاکہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں۔ بھائی! جیسے بیٹا جب نافرمانی کرنے پر اتر آتا ہے تو باپ بھی کبھی کبھی تنبیہ کے لیے کچھ کر دیتا ہے؛ تاکہ وہ پھر اطاعت و فرماں برداری کی طرف لوٹ آئے۔ آج جو زلزلہ پیش آیا جس کے بہت نقصانات سن رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے واقعات تنبیہ کے لیے رونما کئے جاتے ہیں۔ اور یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

## زلزلے کا ایک سبب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب زنا کی کثرت ہوتی ہے اور شراب نوشی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں اور زمین کو کہتے ہیں کہ لوگوں کو ہلا ڈال۔ زلزلے کے اور بھی اسباب ہیں۔ گناہوں کے نتیجے میں ایسے مصائب آتے ہیں۔

## عمومی عذاب کب آتا ہے؟

گناہوں کے یہ کام اگر انفرادی اور شخصی طور پر اِکا دُکا آدمی کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب عمومی شکل میں آیا نہیں کرتا۔ عمومی طور پر گرفت اسی

وقت ہوتی ہے جب کہ یہ گناہ کثرت سے ہونے لگیں اور اجتماعی شکل میں ہونے لگیں اور ایسے عام اور کھلے بندوں اس کو کیا جائے کہ کوئی اس کو روکنے والا، اس پر تنبیہ کرنے والا اور ٹوکنے والا موجود نہ ہو، اگر روک ٹوک کا یہ سلسلہ بند ہو جائے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دنیا میں بھی اس طرح کے عذاب لاگو کئے جاتے ہیں۔

## مسلمانوں کے اجتماعی اموال میں احتیاط برتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد جو میں نے آپ کے سامنے پڑھا، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: میری امت جب پندرہ کام کرے گی تو وہ آزمائش میں گرفتار ہو جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! وہ پندرہ کام کیا ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اذا کان المغنم دولاً“ جب اسلامی اصول کے مطابق جہاد کا سلسلہ جاری ہو اور دشمن کے مقابلے میں کامیابی ہو اور اس کے بعد دشمنوں کا جو مال حاصل ہوا کرتا ہے وہ مالِ غنیمت قرار دیا جاتا ہے اور اس کو بیت المال میں جمع کر دیا جاتا ہے، چناں چہ جو مال اجتماعی طور پر مسلمانوں کی ملک ہوا کرتا ہے یہ بھی اسی کا حکم رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت جب ذاتی ملک کی طرح ہو جائے یعنی ایسے اموال جو لوگوں کے تصرف میں دئے گئے ہیں، حکمران کے پاس بیت المال کا تصرف ہے اور اس پر وہ کنٹرول کئے ہوئے ہیں، عوام کا مال ہے لیکن وہ اس کو ذاتی مال کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دے گا۔ اسی میں مساجد اور مدارس کے اموال اور اسی طرح گاؤں کے اجتماعی کاموں کے لیے جمع کیا

ہوا مال جو ذمہ داروں کے پاس رکھا جاتا ہے؛ ان سب کا یہی حکم ہے۔ وہ بڑی ذمہ داری کی چیز ہے اور آدمی کو اس میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، اپنے آپ کو بہت ہی زیادہ بچائے۔

## عمومی اموال میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک صاحب ان سے ملنے کے لیے گئے حضرت کچھ حساب کتاب لکھ رہے تھے۔ جب حساب کتاب سے فارغ ہو گئے تو رات کا وقت تھا پھر بھی چراغ بجھا دیا اور دوسرا چراغ روشن کیا۔ ان صاحب نے پوچھا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: میں سرکاری حساب کتاب لکھ رہا تھا اور یہ چراغ جو جل رہا تھا اس میں تیل بیت المال کا تھا، جب وہ کام ختم ہو گیا تو میں نے سرکاری چراغ بجھا دیا اور اب ہم دوستانہ نجی گفتگو کرنے جا رہے ہیں اس لیے اب اس چراغ کو جلانے کی میرے لیے گنجائش نہیں ہے۔ اور یہ دوسرا چراغ جو جلایا اس میں میرا ذاتی تیل ہے۔ ہمیں بہت زیادہ احتیاط برتنے کی ضرورت ہے، آج کل اس میں بڑی بے احتیاطیاں ہوتی جا رہی ہیں، یہ سب اسی وعید میں داخل ہو جائے گا۔

## مالِ امانت کو غنیمت مت سمجھو

دوسری چیز بیان فرمائی "والأمانة مغنما" امانت کو لوگ مالِ غنیمت کی طرح سمجھیں۔ امانت کا مفہوم بہت عام ہے، ایک تو امانت وہ ہے جس کو ہم لوگ عام طور پر امانت سمجھتے ہیں کہ آپ کو کسی نے کوئی چیز رکھنے کے واسطے دی، اسی طریقہ سے تجارت

کے واسطے کسی کو رقم دی جاتی ہے۔عام طور پر آج کل ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے پاس پیسے ہیں، دوسرے کے پاس پیسے نہیں ہے، اور وہ کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہے، تو پیسے والا کہتا ہے: بھائی! میرا پیسہ لو اور کام کرو، نفع میں ہم دونوں شریک رہیں گے، مضاربت کے طور پر کام کرو۔اب جو آدمی کاروبار کر رہا ہے، اس کے پاس وہ رقم امانت کے طور پر ہوا کرتی ہے لیکن پھر وہ اس کے اندر خیانت کرتا ہے۔منافع ہوتے ہیں تب بھی بتلائے نہیں جاتے اور اس کو ہضم کرنے کی تدبیریں کی جاتی ہیں اور بھی مختلف چیزیں ہیں۔ اسی طرح کسی کے پاس مسجد یا مدرسہ کی رقمیں رکھی ہوئی ہیں تو وہ اس کے پاس صرف حفاظت کے لیے رکھی گئی ہیں، اس میں اس کو تصرف کا حق نہیں دیا گیا، اس کے باوجود اس کو مالِ غنیمت قرار دے کر تصرف کرنے لگتا ہے۔

## زکوٰۃ ٹیکس نہیں

تیسری چیز ہے: ''والزکوٰۃ مغرماً'' اور زکوٰۃ کو ٹیکس سمجھا جانے لگے۔آج کل عام طور پر جو اصحابِ ثروت ہیں، جن کے پاس مال و دولت ہے اور ان پر زکوٰۃ فرض ہے۔ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کرتے اور ان کو زکوٰۃ کے لیے مال نکالنا ایسا گراں گذرتا ہے جیسے ٹیکس ہو، حالانکہ ڈھائی فی صد، چالیسواں حصہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، معمولی سی چیز ہے۔آدمی اگر رضا و رغبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتے ہوئے اس کو ادا کرے گا، تو بڑی برکت کا ذریعہ بنتا ہے۔اب لوگوں کا مزاج ایسا بنتا جا رہا ہے کہ فضول خرچی ہزاروں اور لاکھوں کی کر

لیں گے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فریضہ کو ادا کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اس کی طرف بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

## بیوی کا غلام اور ماں کا نافرمان

”وأطاع الرجل زوجتہٗ وعق اُمّہٗ“ آدمی اپنی بیوی کی فرمانبرداری کرے اور ماں کی نافرمانی کرے۔ بیوی کی بات مانتا ہے اور ماں کی بات نہیں مانتا۔ آج کل ماحول ایسا ہی ہوتا جارہا ہے۔

## دوستوں پر سخاوت اور باپ کے ساتھ عداوت

”وبرّ صدیقہٗ وجفاأ باہٗ“ اپنے دوست کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے، اچھائی اور حسن سلوک کا معاملہ کرے اور باپ کے ساتھ بے رغبتی کا معاملہ اور بدسلوکی کرے۔ آج کل یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ دوستوں کی دعوتیں ہورہی ہیں، پارٹیاں ہورہی ہیں اور باپ ضرورت منداور محتاج ہے لیکن اس کی طرف بیٹا توجہ نہیں کرتا۔ یہ باتیں عام ہوتی جارہی ہیں۔

## مسجدوں کا احترام ملحوظ رکھو

”وارتفعت الأصوات فی المساجد“ اور مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، یہ برائی بھی عام ہوتی جارہی ہے، لوگ نمازوں سے فارغ ہوکر مسجد میں ہی بیٹھ جاتے ہیں اور باتیں کرنا شروع کردیتے ہیں، اگر کوئی دینی ضروری بات ہے تو ٹھیک ہے۔ اپنی دنیوی باتوں کے لیے مسجدوں میں نہ بیٹھیں، باہر چلے جائیں۔ اگر کوئی

معاملہ پیش آیا ہو اس وقت بھی مسجد ہی میں شور وشغب ہونے لگتا ہے۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ آدمی کی نیکیوں کو برباد کرنے والی چیز ہے۔

## تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

آج کل لوگ موبائل فون آن (ON) رکھ کر آتے ہیں اور وہ نماز کے درمیان میں بجنے لگتا ہے۔ آج سے کچھ زمانہ پہلے اگر کوئی آدمی یہ کہتا کہ مسجد میں میوزک (MUSIC) بجے گا تو یہ بات لوگوں کو سمجھ میں بھی نہ آتی، کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، لیکن آج ہو رہا ہے۔ لوگ موبائل فون آن (ON) رکھ کر آتے ہیں اور نماز کے درمیان بجنے لگتا ہے اور پوری مسجد کے نمازیوں کی نماز غارت ہو جاتی ہے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنا سخت معاملہ ہوسکتا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

## نمازی کی توجہ ہٹانے کا وبال، زمانۂ نبوی کا ایک واقعہ

ایک صاحب نے ایک اپاہج آدمی کو دیکھا جو چلنے سے معذور تھا، انھوں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ اس نے کہا: ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے، میں سامنے سے گذر گیا، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قَطَعَ عَلَيْنَا صَلٰوتَنَا قَطَعَ اللّٰہُ أَثَرَہٗ ہماری نماز کو کاٹ دیا یعنی نماز کی توجہ ختم کردی، اللہ تعالیٰ اس کے نقشِ پا کو کاٹے، اس وقت سے میں چلنے سے معذور ہو گیا[1]۔

---

(۱) مسندِ احمد، عَنْ يَزِيدَ بْنِ نِمْرَانَ، حَدِيثُ رَجُلٍ مُقْعَدٍ، رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ.

## زمانۂ نبوی کا دوسرا واقعہ

ایک موقع پر نبی کریم ﷺ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرمارہے تھے، ایک کتا آگے سے گذرنا چاہتا تھا، جماعت میں جو حضرات شریک تھے ان میں سے کسی نے دعا کی کہ اے اللہ! اس کو روک دے، وہ کتا اسی وقت مرگیا۔ نماز کے بعد حضور ﷺ نے پوچھا: یہ کون تھا؟ کس نے کیا کہا؟ ان صاحب نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہ سامنے سے گذرنا چاہتا تھا تو میں نے یہ کہا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر کتوں کی پوری نسل کے لیے یہ جملہ استعمال کرتا تو وہ بھی ختم ہوجاتی (۱)۔ اللہ اکبر!!!

## نمازی کے سامنے سے گذرنے کی ممانعت کی وجہ

بہرحال! نمازی کی نماز میں خلل ڈالنا بڑی سخت چیز ہے۔ نمازی کے آگے سے گذرنے سے اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ آگے سے گذرنے کے نتیجے میں نمازی کی توجہ ہٹ جاتی ہے۔ آپ موبائل فون اون (ON) رکھ کر مسجد میں آئیں گے اور بجے گا تو ساری مسجد کی توجہ نماز سے ہٹے گی، اس پر کتنا سخت گناہ ہوسکتا ہے، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

## آج انسان ہوا جاتا ہے ابلیس صفت

”وأكرم الرجل مخافة شرّه“ اور کسی آدمی کا اکرام اور اس کی عزت اس کے

---

[۲] مصنف عبد الرزاق، عن رجل من أهل الطائف، باب المار بين يدي المصلي.

شر اور برائی سے بچنے کے لیے کی جائے۔ مثلاً ایک بدمعاش آدمی ہے، آپ اس کو سلام نہیں کریں گے تو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہ چیز عام ہو گئی ہے، شرفاء اپنا منہ چھپا کر اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور بدمعاش قسم کے لوگ دندناتے پھر رہے ہیں اور لوگ انہیں کو سلام کر رہے ہیں، اس لیے کہ یہ جانتے ہیں کہ اگر اس کو سلام نہیں کریں گے تو ہمارے اوپر آفت آئے گی۔

## کمینہ سردار

"وکان زعیم القوم أرذلهم" اور لوگوں کا سردار اور لیڈر کمینہ آدمی ہوگا۔ یعنی قوم کا کمینہ آدمی سردار اور لیڈر رہے گا۔ یہ چیز بھی عام ہو گئی ہے۔ ویسے بھی ہمارے یہاں تو او بی سی (o.b.c) والوں کے لیے سیٹیں مخصوص کی جارہی ہیں اور وہی بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

## مسلمانوں کے نئے شوق

"ولبس الحریر و شربت الخمور" ریشم پہنا جائے، یعنی لباس میں حلال و حرام کی تمیز نہ رہے۔ جن چیزوں کو پہننا حرام قرار دیا ہے اس کو بھی آدمی استعمال کر رہا ہے اور شراب پی جائے یعنی کھانے پینے کے معاملے میں بھی حلال و حرام کی تمیز نہ رہے۔ آج کل بڑے بڑے ریسٹورنٹس بنتے جا رہے ہیں اور لوگ دھوم سے وہاں جا رہے ہیں اور کھا رہے ہیں۔ وہاں کیا کھلایا جا رہا ہے وہ کوئی نہیں دیکھتا، شوق سے وہاں جا رہے ہیں۔ بس صرف نمائش مقصود ہے، اپنے پیسوں کو حرام طریقہ سے خرچ کر رہے

ہیں، اگر حلال جگہ بھی خرچ کرے تواس میں بھی شریعت کی طرف سے یہ چھوٹ نہیں ہے کہ آدمی نمائش کے طور پراس کو خرچ کرے۔لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ فلاں ریسٹورنٹ میں جاکر کھائیں گےتواس سے ہماراایک مقام بنے گااور وہاں حرام کھلایا جارہا ہےاس کی کوئی تحقیق نہیں کرتا۔

## لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

"واتخذت القینات والمعازف" گانے بجانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے آلات کو لوگ عام طور پر استعمال کرنے لگیں۔اب آج کل گھروں میں ٹی وی آ گیا، اس میں یہ سب چیزیں موجود ہیں اور لوگوں کے مزاجوں پر خصوصاً نوجوانوں کے دل ودماغ پر سینما وفلموں میں کام کرنے والی عورتیں چھائی رہتی ہیں اور چوبیس گھنٹے انہیں کے تصور میں کھوئے رہتے ہیں، انہیں کے ساتھ دل لگا ہوا ہے اوران کی زیارت کواپنے لیے باعثِ شرف سمجھتے ہیں۔نعوذ باللہ

## ٹی وی: اسلامی معاشرے کا سب سے بڑا ناسور

اس ٹی وی نے تو ہمارے معاشرے کو بالکل ختم کر کے رکھ دیا ہےاور حیاوشرم جوایک بنیادی حیثیت رکھتی تھی، وہ ختم ہوگئی ہے۔حدیثِ پاک میں آتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ایمان وحیا دونوں جڑواں ہیں، جب ایک جاتا ہےتو دوسرا بھی جاتا ہے۔دشمنان اسلام کی اسکیم ہی یہ ہے کہ ٹی وی کے ذریعہ سے حیا کو بالکل ختم ہی کر دیا جائے۔

## اسلاف پر تنقید

ولعن آخر ھٰذہ الأمۃ أولھا **بعد میں آنے والے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا** کہیں گے۔ آج یہی ہو رہا ہے۔ صحابہ پر تنقیدیں ہو رہی ہیں، ائمہ کو بُرا بھلا کہا جا رہا ہے۔ اگلے لوگوں کے متعلق برائی کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ یہ سب بھی عام ہوتا جا رہا ہے۔ اسلاف کے متعلق ایسے ایسے مضامین آ رہے ہیں اور ایسے ایسے جملے لوگوں کی زبانوں سے نکل رہے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کل کے یہ لوگ ہی عقلِ کامل رکھتے ہیں، وہ تو بیچارے یوں ہی نادان تھے۔

## تو اللہ تعالیٰ کے غضب کا انتظار کرو

بہر حال! یہ ساری چیزیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائیں اور پھر آگے فرماتے ہیں کہ جب یہ سب ہونے لگے گا تو فلیر تقبوا عند ذلک ریحا حمراء أو خسفا أو مسخا تو لوگوں کو چاہیے کہ انتظار کریں سرخ آندھیوں کا یا زمین میں دھنسا دئے جانے کا یا شکل وصورتوں کے بگاڑ دئے جانے کا۔ یعنی یہ سارے عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں گے۔

## اللہ تعالیٰ کا عذاب اور ہم مسلمانوں کا طرز و انداز

یہاں تو زلزلہ آتا ہے، تب بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں اور نبیٔ کریم ﷺ کا حال تو یہ تھا کہ بادل دیکھتے تھے یا ہوا ذرا سی تیز ہو جاتی تھی تو آپ کے چہرۂ انور کے اوپر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہونے لگتے تھے۔ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! کیا بات ہے، لوگ تو جب بادل کو دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں کہ بارش آئے گی اور آپ کو دیکھا جاتا ہے کہ بادل کو آتا ہوا دیکھ کر آپ پر گھبراہٹ کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا معلوم کہ وہ بادل کیا لے کر آیا ہے۔ ایک قوم کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے باری تعالیٰ نے آگ کے عذاب میں مبتلا کیا، آٹھ روز تک سخت گرمی پڑی، یہاں تک کہ ان کے تالاب، ندیاں، کنویں سب خشک ہو گئے بلکہ بھانپ بن کر اُڑ گئے اور سب لوگ بے چین ہو گئے، اسی حال میں تھے کہ ایک بادل نظر آیا، اس کو آتا دیکھ کر سب خوش ہو گئے اور کہنے لگے ھذا عارض ممطرنا یہ بارش برسائے گا اور گرمی سے نجات ملے گی، لہٰذا اس بادل کے نیچے چلو۔ جب سب اس بادل کے نیچے آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آگ برسائی اور سب ہلاک ہو گئے (۱)۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لوگ تو بادل کو دیکھ کر یوں سمجھتے ہیں کہ بارش برسائے گا، لیکن کیا گارنٹی ہے کہ وہ بادل بارش ہی لے کر کے آیا ہے؟ ہوسکتا ہے عذاب لے کر آیا ہو۔

## ہماری غفلت کی انتہا کیا، ہماری پستی کا کیا ٹھکانہ

آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے معاملے میں بہت زیادہ چوکنا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، معلوم نہیں کہ کب کس معاملے پر پکڑ ہو جائے۔ ہمیں اپنے اعمال کا جائزہ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهَا، باب {فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ}.

لیتے رہنا چاہیے۔ اپنے حالات کا رونا تو روتے رہتے ہیں کہ یوں ہو رہا ہے، ہماری جان محفوظ نہیں، ہمارے مال محفوظ نہیں، ہمارے ساتھ حکومتی پیمانے پر اور اجتماعی طور پر بے انصافیاں کی جا رہی ہیں۔ ہم لوگ جب حالات کا تذکرہ کرنے بیٹھتے ہیں تو گھنٹوں نکل جاتے ہیں، لیکن کبھی ہمیں اپنے اعمال کا تذکرہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

## تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: أعمالکم عمّالکم تمہارے اعمال ہی تمہارے حکمراں ہیں، لہٰذا حکمرانوں کو برا بھلا کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، اگر ہم اپنے اعمال کو سدھاریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کا فیصلہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# پندرہ کاموں پر عذاب کی وعید
# حدیث کی روشنی میں

حضرت دامت برکاتہم العالیہ حدیثِ نبوی ”إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً“ الحدیث کو سامنے رکھ کر امت کو گراں قدر نصائح اور قیمتی مواعظ سے سات جمعہ تک مستفید فرماتے رہے، ان سات بیانات کو یہاں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ پوری امت کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى الله بإذنه وسراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تعالىٰ عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا البَلاءُ فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً، وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا، وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا، وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ، وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ، وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَكَانَ زَعِيمُ القَوْمِ أَرْذَلَهُمْ، وَأُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ، وَشُرِبَتِ الخُمُورُ، وَلُبِسَ الحَرِيرُ، وَاتُّخِذَتِ القَيْنَاتُ وَالمَعَازِفُ، وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا، فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا(۱). أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## حدیث کی تشریح

محترم حضرات! ابھی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد، ایک حدیث

(۱) سنن الترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي عَلاَمَةِ حُلُولِ الْمَسْخِ وَالخَسْفِ.

پاک آپ کے سامنے پڑھی، یہ ترمذی شریف کی روایت ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِذَا فَعَلَتْ أُمَّتِي خَمْسَ عَشْرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ: کہ میری امت جب ''۱۵'' کام کرنے لگے گی تو وہ مصائب، آزمائشوں اور آفات میں مبتلا ہو جائے گی، اس پر مصائب، آزمائشیں اور آفات اتر آئیں گی، فَقِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا رَسُولَ اللهِ؟: پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول! وہ ''۱۵'' کام جن کے کرنے پر امت آزمائشوں میں گرفتار ہو سکتی ہے، وہ کون سے ہیں؟

## مالِ غنیمت کی حقیقت، حکم
## اور اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کی پیشین گوئی

تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: إِذَا كَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلاً: پہلی بات: مالِ غنیمت ذاتی دولت اور ثروت کی طرح ہو جائے گا۔ شریعتِ مطہرہ کی طرف سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے، اس میں دشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے جو مال ان سے حاصل ہوتا ہے، اس کو مالِ غنیمت کہا جاتا ہے، اس میں سے پانچواں حصہ الگ کر کے بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اور اس میں بھی جو حق دار ہیں، ان کی فہرست اللہ تبارک وتعالیٰ نے دسویں پارے کی پہلی آیت میں بتلادی ہے اور باقی جو مال ہے، وہ مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتا ہے تو یہ جو مالِ غنیمت کا خُمس جو بیت المال میں آیا اور جس کے مصارف اور مستحقین کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قرآنِ کریم میں صاف اور واضح کر کے بتلا دیا گیا، ضروری تھا کہ اس مال کو وہیں پر خرچ کیا جاتا لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں

کہ ایک زمانہ آئے گا کہ یہ جو مال ہے، جو سب کا مشترکہ ہے، اس میں سب حق داروں کا حق ہے تو جو حکمران طبقہ ہے، جو لوگ کہ برسرِ اقتدار ہیں، جن کے ہاتھوں میں اس مال کو استعمال کرنے کے اختیارات اور اس مال کو مستحقین تک پہنچانے کی ذمہ داری ہے، وہ اس کو اپنا ذاتی مال بنالیں گے، جیسے اپنا ذاتی مال ہو، اپنی ذاتی ملک ہو، پرائیویٹ (private) پراپرٹی (property) ہو، اس طرح وہ اس کو استعمال کریں گے۔

## وہ دور جس میں مالِ غنیمت اپنے مصرف میں خرچ ہوتا رہا

چناں چہ ایک زمانے تک تو یہ رہا کہ جو طبقہ برسرِ اقتدار آتا تھا، جو حکمران تھے وہ اس مال کو جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا تھا، خرچ کیا کرتے تھے: جو لوگ ملک کی حفاظت میں لگے ہوئے ہوتے ہیں، ان کی، ان کے ماتحتوں کی، ان کے اہل وعیال کی کفالت کے لیے ان کے وظیفے مقرر ہوتے تھے۔ جو لوگ دین کی نشر واشاعت میں لگے ہوئے ہیں، تعلیم وتعلُّم میں لگے ہوئے ہیں، ان کے لیے وظیفے بھی اس میں سے مقرر کیے جاتے تھے اور بھی دوسرے مصارف تھے، یہ سلسلہ جاری رہا لیکن پھر دھیرے دھیرے جو حکمران طبقہ تھا، اس نے اس کے اندر خیانت کرنا شروع کیا اور اس کو ذاتی مال کی طرح استعمال کرنے لگے، بیت المال کے اندر جو مختلف شعبے ہوا کرتے تھے، ان میں انھوں نے اپنے طور پر، اپنی مرضی سے تصرف کرنا شروع کیا، حالاں کہ خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد حضراتِ خلفاءِ راشدین اور ان کے بعد آنے والے حضرات نے جو خیر القرون کے تھے، جن کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

خیر اور بھلائی کی پیشن گوئی فرمائی تھی کہ: خیر القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الـذين يلونهم (١): کہ بہترین زمانہ اور بہترین صدی میری صدی ہے اور اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو اس کے بعد آئیں گے، پھر اس کے بعد وہ لوگ ہیں جو اس کے بعد آئیں گے۔ ان زمانوں میں یہ سلسلہ برابر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق جاری رہا۔

## تختِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد حضرت صدیقِ اکبرؓ کا فکرِ معاش

خلفاءِ راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اولین خلیفۂ راشد ہیں، جب وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کے جانشین مقرر کیے گئے تو جانشینی کے دوسرے روز ان کی کپڑے کی جو تجارت تھی تو کپڑوں کی گٹھری لے کر کے نکلے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کہاں چلے؟ تو فرمایا کہ کاروبار کے لیے، میرا یہ بزنیس (business) ہے، اگر میں یہ نہیں کروں گا تو میں اپنے بال بچوں کی کفالت کیسے کروں گا؟ کھلاؤں گا، پلاؤں گا کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آپ اس کام میں مشغول ہو جائیں گے تو یہ سلطنت کے کام جو آپ کے حوالے کیے گئے ہیں وہ سنبھالے گا کون؟ ان کو کون انجام دے گا؟ پھر کہا کہ آیئے! ہم حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں، جن کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کا امین قرار دیا ہے (٢)، وہ آپ کے لیے بیت المال میں

---

(١) مسند بزار ج ٢ ص ١٤٩، عن أبي برزة رضي الله عنه.

(٢) إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَإِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الأُمَّةُ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ (صحيح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، باب مَنَاقِبِ أَبِي عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

سے جو وظیفہ مقرر کریں گے، اس کو آپ اپنے اور اپنے ماتحتوں کی ضروریات میں صرف کریں۔

## بیت المال سے ملنے والے حضرت صدیقِ اکبرؓ کے وظیفے کی مقدار

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے پاس لے گئے اور انھوں نے ایک عام مہاجر کو بیت المال سے جو وظیفہ دیا جاتا تھا، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے مقرر کیا اور اس کے ذریعہ آپ اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورتیں پوری کرتے رہے اور امورِ سلطنت کو انجام دینے کی مشغولی کی وجہ سے اپنے کاروبار کو چھوڑ دیا۔

## حضرت صدیقِ اکبرؓ کی امانت داری کا بے مثال جذبہ

کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے گھر والوں نے درخواست کی کہ یہ جو ہمیں وظیفہ ملتا ہے، اس میں تو بڑی مشکل سے اور گویا بڑی ''کفایت شعاری'' کے ساتھ گذران ہو جاتا ہے، بچوں کی خواہش ہے کہ کوئی میٹھی چیز پکا کر کھائی جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا تو یہی وظیفہ ہے اور میرے پاس اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اگر بچوں کو میٹھا کھانے کا شوق ہے تو یہ جو وظیفہ ملتا ہے، اسی میں سے کچھ بچت کر کے تم اس کا انتظام کر سکتی ہو۔ چنانچہ انھوں نے جب دیکھا کہ یہ الگ سے کوئی رقم فراہم کر کے دیں گے نہیں تو انھوں نے بڑی مشکل سے بچت کرنا، کٹوتی کرنا شروع کیا اور تھوڑا تھوڑا کر کے بچا کر اس سے میٹھا بنالیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی پیش کیا تو انھوں نے پوچھا کہ یہ کہاں سے آیا؟ تو انھوں نے بتایا کہ میں اس طرح روزانہ

کٹوتی کر کے بچاتی تھی اور اسی بچت سے یہ میٹھا پکایا ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر کم رقم سے بھی ہمارا گذارا ہوسکتا ہے تو آپ نے کہا کہ بیت المال سے ملنے والے وظیفے سے اس قدر رقم کم کر دی جائے۔

## امت میں سب سے پہلا بگاڑ

بہر حال! یہ جو امانت داری کا جذبہ تھا، وہ بعد میں نہیں رہا، اسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی بات کے اندر بیان فرمایا ہے، یوں سمجھئے کہ سب سے پہلے امت میں اسی میں بگاڑ آیا جو نمبر اول کے اندر بیان کیا گیا ہے۔

## امانت کی حقیقت

وَالأَمَانَةُ مَغْنَمًا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ امانت کو لوگ مالِ غنیمت سمجھنے لگیں۔ امانت جتنی بھی اور جو بھی چیز ہے، اس میں ہمارا کام صرف اتنا ہے کہ ہم اس کی حفاظت کریں، اس میں کسی بھی قسم کا تصرف کرنا یا اس سے خود کوئی فائدہ اٹھانا، اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اب یہ امانت چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی ہو: ایک آدمی نے دوسرے شخص کو انفرادی طور پر اپنی چیز، اپنا مال یا اپنی کوئی جائداد حفاظت کے لیے دی ہو، جیسے جو لوگ دوسرے ممالک میں رہتے ہیں، وہ یہاں اپنے مکانات، اپنی زمین جائداد بطورِ امانت اپنے رشتہ داروں کے حوالے کرتے ہیں یا یہاں کسی نے اپنا پیسہ آپ کو حفاظت کے لیے دیا، یہ تو انفرادی امانت ہے۔ یا کوئی اجتماعی چیز ہے، قوم کی چیز ہے: کوئی آدمی مسجد کا ذمہ دار ہے اور مسجد کی رقم امانت کے طور پر اس کے پاس جمع

ہے، یا کوئی شخص مدرسے کا ذمہ دار ہے اور مدرسے کی رقم امانت کے طور پر اس کے پاس جمع ہے یا کسی انجمن، کسی سوسائٹی کا ذمہ دار ہے یا ایسے ہی کسی رفاہی ادارے کا ذمہ دار ہے، جیسے کسی ٹرسٹ (trust) کا ٹرسٹی (trustee) ہے، اس کی رقم اس کے پاس جمع ہے، وہ ان اموال میں ذرّہ برابر بھی تصرف کر سکتا نہیں ہے، یہاں تک کہ اس کی نوٹوں کو بدلنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

## امانت میں خیانت کیا ہے؟

لیکن اب یہ ہوا کہ لوگ اس کو اپنا مالِ غنیمت سمجھ کر اپنے استعمال میں لا رہے ہیں، بہت سے لوگ اس رقم کو تجارت میں لگاتے ہیں اور اس سے نفع حاصل کرتے ہیں پھر اصل رقم اس میں رکھ دیتے ہیں، یہ جو امانت کے اموال سے اس طرح نفع حاصل کیا جاتا ہے، وہ حرام ہے، اس کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، امانت یہ ہے کہ کسی نے آپ کے پاس اپنی کوئی رقم بطورِ امانت جمع کرائی، اس میں آپ کو تصرف نہیں کرنا ہے، اس نے جس طرح آپ کے پاس جمع کرائی ہے، اسی طرح لوٹانا ہے، اس میں نوٹ کا بدلنا بھی جائز نہیں ہے، ہاں اگر اس میں آپ کو تصرف کرنا ہے تو اس کی اجازت لے لیجیے کہ بھائی! میں اس کو اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتا ہوں تو اس صورت میں یہ امانت نہیں رہے گی، اس وقت یہ آپ کے حق میں قرض بن جائے گا۔

## امانت کا حکم

امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر آپ نے اس کی اپنی طرف سے پوری حفاظت کی

اور خدانہ کرے، وہ کسی وجہ سے ضائع ہوگئی، آپ کے گھر میں چوری ہوئی اور آپ کے مال کے ساتھ یہ امانت بھی چوری ہوگئی۔ خدا بچائے! آپ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ کی جائداد کے ساتھ ساتھ وہ بھی جل گئی یا سیلاب آیا، جس میں آپ کے سامان کے ساتھ ساتھ وہ بھی بہہ گیا تو اس صورت میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی لیکن اگر آپ نے ذرّہ برابر اس کے اندر تصرف کیا اور اس کی وجہ سے وہ ضائع ہوگئی، مثلاً آپ نے اس کو کاروبار کے اندر لگادیا یا کسی اور طریقے سے استعمال کیا اور ضائع ہوگئی تو اب آپ کو اس کا ضمان ادا کرنا پڑے گا تو بہرحال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ امانت کو مالِ غنیمت کی طرح سمجھا جائے گا کہ گویا اس میں میرا بھی کوئی حصہ لگتا ہے، آج کل یہ سلسلہ بہت عام ہوتا جارہا ہے۔

## زکوۃ نہ ہر مال میں فرض ہے، نہ ہر شخص پر فرض ہے

وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا: اور زکوۃ کو تاوان سمجھا جائے گا یعنی زکوۃ کی ادائگی کو لوگ ایسا بھاری اور مشکل سمجھیں جیسے ٹیکس (tax) کی ادائگی کو، تاوان کی ادائگی کو مشکل اور بھاری سمجھا جاتا ہے، حالاں کہ یہ مال اللہ ہی کا دیا ہوا ہے، اللہ نے اپنے فضل سے جو کچھ بھی دیا ہے، لاکھوں کروڑوں، اربوں ہو یا مختصر ہو، کم ہو۔ بہرحال! اگر اتنا ہے کہ جس میں شریعتِ مطہرہ نے زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے تو زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔ شریعت ہر مال میں زکوۃ کو واجب نہیں کرتی اور نہ ہر ایک پر فرض کرتی ہے، مال کا ایک خاص معیار ہے، مقدار ہے، اتنا مال ہو، تھوڑی سی چاندی، تھوڑا سا سونا یا مالِ تجارت ہے تو اس پر زکوۃ

فرض نہیں ہے، اگر نصاب کی مقدار ہو تو فرض ہے۔ شریعت نے زکوۃ کو فرض قرار دینے کے لیے بھی ایک حد اور مقدار مقرر کی ہے، اس سے کم پر نہیں، ہر ایک پر نہیں، اس سے کم ہو تو ایسا شخص غریب کہلاتا ہے۔

## مال داری کا معیار شریعت کی نظر میں

جیسے ہمارے یہاں حکومتوں نے غریبی کی ایک ''ریکھا'' مقرر کی ہے کہ ''غریبی ریکھا'' کے نیچے فلاں آدمی زندگی گذار رہا ہے، یہ حکومت کی طرف سے ''غریبی ریکھا'' ہے اور ایک ''غریبی ریکھا'' شریعت نے بھی مقرر کی ہے تو بہر حال! یہ نصاب جس کے پاس ہے، وہ شریعت کی نگاہ میں غنی ہے، غِنا اور مال داری کی ریکھا ہے، اس سے نیچے والا غریب سمجھا جائے گا تو نصاب کے مالک پر زکوۃ واجب اور وہ بھی بہت کم، ڈھائی فی صد یعنی ''۱۰۰'' میں ڈھائی روپیہ۔

## شریعتِ مطہرہ کا زکوۃ واجب کرنا بندوں پر احسان ہے

آج تو دیکھیں گے کہ مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت اور شہر کی جو کارپوریشن (corporation) ہے، ان کی طرف سے جو مقرر کیا جاتا ہے، اس کی مقدار کئی کئی پرسنٹیج (percentage) ہوتی ہے، آدمی کی جو کمائی ہوتی ہے، اس میں سے ۴۵، ۵۰، ۶۰ پرسنٹ (percent) تو اسی میں نکل جاتا ہے لیکن شریعتِ مطہرہ نے زکوۃ کی جو مقدار مقرر کی ہے، وہ انتہائی کم ہے پھر حکومت کی مقدار بھی کیسی ہے! جیسے اِنکم ٹیکس (incometax) ہے کہ جوں جوں کمائی بڑھتی جائے گی، اس کے

اعتبار سے اس کے پرسنٹیج بھی بڑھتے جائیں گے، جب کہ شریعتِ مطہرہ کوئی پرسنٹیج نہیں بڑھاتی، آپ کے پاس ایک لاکھ روپیہ ہے، تب بھی ڈھائی پرسنٹ ہے اور دس کروڑ اور ارب روپیے ہیں، تب بھی آپ پر ڈھائی پرسنٹ ہیں۔ دیکھئے کتنی آسانی ہے! یعنی ایک معمولی سی مقدار اور مانگنے والا بھی کون؟ اللہ! جس نے ہمیں یہ مال دیا ہے۔

## ٹیکس وصول کرنے کا سبب اور اس میں حکومت کا ظالمانہ رویہ

حکومت مانگ رہی ہے تو حکومت نے ہمیں دیا ہے یا ہم کمار ہے ہیں؟ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ حکومت کی طرف سے حفاظت کے انتظامات ہمارے لیے کیے جاتے ہیں، حکومت کی طرف سے ہمیں ایسا ماحول فراہم کیا جاتا ہے کہ جس ماحول میں ہم امن وامان کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی گذارتے ہیں، اپنا کاروبار کرتے ہیں، جن ملکوں میں، جن علاقوں میں یہ ماحول میسر نہیں آتا، وہاں امن واطمینان کے ساتھ کاروبار نہیں کر سکتے، چورا چکوں کی طرف سے خطرہ ہمہ وقت لگا رہتا ہے اور حکومت اور اربابِ ملک کو بھی حکومت کا انتظام سنبھالنے کے لیے وسائل کی ضرورت پڑتی ہے، اب ہمارے اس دور میں ان وسائل کی مقدار اور ان کی تعداد اتنی بڑھ گئی کہ اس کی وجہ سے حکومتوں کو بھی ٹیکس بہت بڑھانا پڑا لیکن اسلامی شریعت اس حد تک ٹیکس وصول کرنے کی اجازت نہیں دیتی، یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔

## بندوں ہی کے منافع کے لیے زکوۃ فرض کی گئی ہے

تو بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلامی زکوۃ فقط ڈھائی پرسنٹ ہے اور وہ

بھی کون مانگ رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کہ جس نے ہمیں یہ دولت دی ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ جو مانگ رہا ہے، اس کو اپنی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس سے جو لیا جاتا ہے، کیا- نعوذ باللہ - اللہ تعالیٰ اس کو اپنے کام میں استعمال کرتے ہیں؟ نہیں، اللہ تعالیٰ نے تو قرآنِ پاک کے اندر اس کے مصارف بیان کر دئے ہیں: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِينِ وَالْعٰمِلِينَ عَلَيْهَا﴾ [التوبة:٦٠] اور حدیث شریف کے اندر آتا ہے: تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ (١). انہی کے مال داروں سے لو اور انہی کے فقیروں کو پہنچاؤ، گویا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا نظام قائم کیا گیا ہے جس میں اقتصادی اعتبار سے پورا سماج عدمِ توازن کا شکار نہ ہونے پائے؛ کیوں کہ اقتصادی اعتبار سے معاشرہ اگر عدمِ توازن کا شکار ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں بڑے بڑے فتنے اٹھتے ہیں اور بڑی بڑی تحریکیں رونما ہوتی ہیں، کمیونزم اور اس جیسی تحریکیں آخر کس کی وجہ سے ظاہر ہوئیں؟ اسی اقتصادی عدمِ توازن کی وجہ سے۔ تو بہر حال! یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے معاشرے میں اقتصادی توازن کو برقرار رکھنے کے لیے اموال میں زکوۃ فرض کر کے مال داروں سے لے کر غریبوں کو دلوائی۔

## میری عطا بھی تیرے کرم کا صدقہ ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ جس نے دیا، وہ ہم سے مانگ رہا ہے اور کتنا مانگ رہا ہے؟ معمولی سا، صرف ڈھائی پرسنٹ، یہ گویا ایسا ہی ہے جیسے باپ اپنے چھوٹے بچے کو

---

(١) صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، باب وُجُوبِ الزَّكَاةِ.

دس روپے دیتا ہے پھر کہتا ہے کہ بیٹا! مجھے ایک روپیہ دو نا! باپ نے اپنے اس چھوٹے بچے کو مٹھائی کا پورا ڈبہ دے دیا اور پھر کہتا ہے کہ بیٹا! اس میں سے ایک ٹکڑا مجھے بھی دو، اب جو سمجھ دار ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ باپ جو اپنے بیٹے سے مٹھائی کا ایک ٹکڑا مانگ رہا ہے، وہ اس لیے نہیں کہ اس کو ضرورت ہے بلکہ وہ تو محض آزمانے کے لیے مانگتا ہے کہ جس بیٹے کو میں نے یہ نعمت لا کر دی، اس کے دل میں میرے لیے کتنی محبت ہے، کتنا احترام ہے، وہ مجھے اس میں سے کتنا دیتا ہے، یہاں تک کہ اگر بیٹا اس کو دے گا تو باپ اس کو لے کر کے اسی کو واپس دے دے گا، اللہ تعالیٰ بھی ہم سے لے کر ہمارے ہی بھائیوں کو لوٹا رہے ہیں، وہاں پر ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے لے کر کے اس کو اپنے یہاں جمع کرتے ہوں۔

## یہ قدم اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

پھر زکوۃ کی ادائگی پر اجر بھی دیتے ہیں اور حفاظت کی گارنٹی بھی دیتے ہیں کہ جس مال میں سے زکوۃ ادا کی جاتی ہے، وہ مال کبھی ہلاک نہیں ہوتا اور اس مال میں برکت ہوتی ہے، جو مال کی زکوۃ ادا کرتے ہیں، ان سے پوچھو! تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ زکوۃ کا مطالبہ بھی ہماری بھلائی کے لیے ہے اور اللہ کی طرف سے اور شریعت کی طرف سے مطالبے پر اگر ہم کچھ دے رہے ہیں تو - نعوذ باللہ - دل میں کبھی یہ خیال نہ آوے کہ ہم کوئی احسان کر رہے ہیں بلکہ اللہ کے حکم کو پورا کر رہے ہیں۔

## حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾

’’ہمارے دئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں‘‘ کے تحت لکھتے ہیں۔ جو لوگ عربی زبان سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ لفظِ مِنْ جو آتا ہے، وہ کسی چیز کی معمولی مقدار بتلانے کے لیے آتا ہے تو فرماتے ہیں کہ یہاں لفظِ مِنْ لا کر باری تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں اشارہ کر دیا کہ تم سے جو لیا جا رہا ہے، وہ بہت اقلّ قلیل ہے، تھوڑی سی مقدار ہے اور وہ بھی ہمارا دیا ہوا ہے، ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ ’’ہمارے دئے ہوئے میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں‘‘

| جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی |
| --- |
| حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا |

اللہ کے نام پر اگر کچھ دیا جائے گا تو اس سے اللہ کا پورا حق ادا ہو جائے، ایسا نہیں ہے، ہم تو جان بھی دے دیں، سب کچھ اس کے لیے لٹا دیں، تب بھی حق ادا ہونے والا نہیں ہے۔

## سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو ہمیں زکوۃ کا حکم دیا گیا ہے، اس کو پوری خوش دلی کے ساتھ، پوری رغبت کے ساتھ، شوق اور ذوق کے ساتھ پورا کرنا چاہیے، کون مانگ رہا ہے؟ جس وقت زکوۃ نکال رہا ہو تو اس کا استحضار کیا جائے کہ میں اللہ کے لیے نکال رہا ہوں، میں اللہ کو دے رہا ہوں۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ جب کوئی آدمی اپنی زکوۃ کا مال کسی غریب کو دیتا ہے تو وہ مال پہلے اللہ کے ہاتھ میں جاتا

ہے پھر وہ مال غریب کے ہاتھ میں پہنچتا ہے(۱)، بہت سے لوگ زکوۃ کی ادائگی کے وقت اپنا چہرہ بگاڑتے ہیں اور جن کو دیا جارہا ہے، ان کی طرف سے ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔ **نعوذ باللہ**۔ یہ تو بڑی خطرناک چیز ہے۔ یہ کوئی احسان نہیں ہے، آپ تو اللہ کا حکم پورا کررہے ہیں، بھائی! کسی کا ہم پر مطالبہ ہے، کسی کے ہم پر سو روپے ہیں، اس نے ہم پہ کہلوایا کہ میرے تم سے جو سو روپے لینے کے ہیں، وہ فلانے کو دے دو تو کیا اس کو ناگوار سمجھیں گے، اپنے ماتھے پر کوئی شِکن ڈالیں گے؟ نہیں ڈالیں گے نا! ''وہ دیکھے گا تو کیا سمجھے گا'' اتنا تو خیال رکھیں گے نا!

## زکوۃ نکالنے میں احتیاط کا پہلو پیشِ نظر رہے

تو بہر حال! اس حکم کو بڑی خوش دلی کے ساتھ پورا کرنا ہے اور شریعت نے اس سلسلے میں جو شرائط مقرر کی ہیں، جو ہدایات دی ہیں ان پر پورے طور پر عمل کرنا چاہیے۔ آج کل تو جن پر زکوۃ فرض ہے، ان میں بہت سے تو وہ ہیں کہ جو زکوۃ ہی نہیں نکالتے، بہت سے وہ ہیں جو اس کے لیے حساب کرنا نہیں چاہتے ہیں، زکوۃ کا باقاعدہ حساب کیا جاتا ہے، آدمی اندازے سے نہ نکالے، ہاں جہاں صحیح طور پر حساب نکالنا مشکل ہو تو وہاں بڑی احتیاط کے ساتھ اندازے سے زکوۃ نکالنے کی اجازت دی گئی ہے، ورنہ پورے طریقے سے حساب کر کے پوری پوری زکوۃ نکالنے کا حکم ہے، جیسے

---

(۱) وَلَا مَدَّ عَبْدٌ يَدَهُ بِصَدَقَةٍ قَطُّ إِلَّا وَقَعَتْ فِي يَدَيِ اللهِ قَبْلَ أَنْ تَقَعَ فِي يَدِ السَّائِلِ (شعب الإيمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، فَصْلٌ فِي الِاسْتِعْفَافِ عَنِ الْمَسْأَلَةِ)

چاہے زکوۃ نکال نہیں سکتے، بعض وہ ہیں جو گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے فقیر کو روپیہ دے دیتے ہیں۔

## ہم جن پیشہ ور بھکاریوں کو مالِ زکوۃ دیتے ہیں، ان کا حال

اب تو فقیر دروازے پر بیٹھے ہوئے مل جاتے ہیں اور رمضان میں تو یہ سلسلہ اور بڑھ جاتا ہے، جو پیشہ ور اور پروفیشنل (professional) فقیر ہوتے ہیں اور ان کی ٹولیوں کی ٹولیاں رمضان میں میدان میں اتر آتی ہیں اور اب تو آپ نے دیکھا ہوگا کہ با قاعدہ گاڑی لے کر کے اور لاؤڈ اسپیکر (loudspeaker) کے ساتھ اعلان ہو رہا ہے کہ ہم فقیر آئے ہیں آپ کے دروازے پر۔ اب ان کے اندرونی حالات کے بارے میں ہم اور آپ سب بخوبی جانتے ہیں، اخباروں میں روزانہ ان کی خبریں آتی رہتی ہیں کہ فلاں مسجد کے دروازے کے پاس جو فقیر بھیک مانگنے کے لیے بیٹھا کرتا تھا، جب اس کا انتقال ہوا تو اس کے بینک (bank) کے اکاؤنٹ (account) میں سے ایک لاکھ روپیے نکلے، ایسی خبریں ہم آئے دن پڑھتے رہتے ہیں۔ آج کل تو بھیک مانگنے کی جگہ، اس کی آمدنی کی جو مقدار، اس کی جو ویلیو (value) ہوتی ہے تو وہ جگہ با قاعدہ بکتی ہے، ایک بھکاری دوسرے بھکاری کو وہ جگہ دیتا ہے تو با قاعدہ شرط رکھتا ہے کہ بھائی! اگر تم اس جگہ بیٹھو گے تو مجھے روزانہ اتنے روپیے دو گے، جیسے مکان کا کرایہ دار مکان خالی کرتا ہے اور ''پگھڑی'' وصول کرتا ہے، اس میں بھی پگھڑیاں مانگتے ہیں۔ ہم اور آپ تو یہ سب جانتے ہیں کہ اس کا یہ حال ہے تو کیا ان کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا

ہوگی؟ نہیں ہوگی، ہرگز نہیں ہوگی، ایسوں کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔

## مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو دینا دونوں گناہ کے کام ہیں

ویسے تو مانگنے والا جو مسجد میں مانگ رہا ہے تو مسجد میں سوال کرنے والے کو دینا بھی جائز نہیں ہے، مسجد میں مانگنا بھی جائز نہیں اور دینا بھی جائز نہیں ہے، جو اپنی ذات کے لیے سوال کرتا ہے، اس کے لیے مسجد میں سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے اور اس کو دینے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ایک مولانا متعلق تھے اور قریبی آدمی تھے، حضرت جمعہ کے روز جب نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو مسجد سے باہر نہیں آتے تھے، جمعہ کے دن عصر کے بعد مغرب تک کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بیٹھا ہوا تھا کہ کوئی مانگنے والا حرم میں آیا اور میں نے ایک ریال نکال کر کے دے دیا۔ بس! حضرت بعد میں اتنا غصہ ہوئے، اتنا غصہ ہوئے اور فرمایا کہ مسجد کس کو کہتے ہیں، وہ بھی تمھیں معلوم نہیں! حرم میں رہ کر گناہ کا ارتکاب کر رہے ہو، مانگنے والا مانگ رہا ہے، وہ تو گناہ گار ہے ہی، دینے والا دے کر بھی گناہ گار ہے۔ حج پڑھنے کے لیے جانے والے وہاں جو دیتے ہیں مانگنے والوں کو یہ ناجائز ہے، مانگنا بھی ناجائز ہے، دینا بھی ناجائز ہے۔

## زکوۃ ادا کرنے والے کے لیے حق دار کی تحقیق و تفتیش ضروری ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ آپ جب اپنے مال کی زکوۃ ادا کر رہے ہیں تو آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ تحقیق کریں کہ جہاں میں اپنا مال دے رہا ہوں، وہاں حق داروں

تک پہنچ بھی رہا ہے یا نہیں، خالی اپنے سر سے بوجھ اتارنا نہیں ہے، جیسے لینے والا حق دار نہیں تو لینا جائز نہیں، دینے والے کے لیے بھی ناحق دار کو دینا جائز نہیں ہے، اس کی بھی ذمہ داری ہے۔ اربابِ اموال: جو لوگ مال والے ہیں، وہ اگر زکوۃ کی ادائگی کے وقت شریعت کے اصولوں کا لحاظ کریں تو اس سے بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

## حدیث میں مذکور دوسرے چار گناہ

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ: چار چیزیں ایک ساتھ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائیں: کہ آدمی جب اپنی بیوی کی فرماں برداری کرنے لگے اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے اور وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ: اپنے دوستوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرنے لگے اور اپنے باپ سے بے رخی کا معاملہ کرے، یہ چار چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ساتھ بتلائی ہیں۔

## ماں باپ کے حقوق

اس میں خاص طور پر ماں باپ کے حقوق کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متوجہ فرمایا، ویسے ماں باپ کے حقوق کا معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے متعلق ایسی تاکید فرمائی کہ کسی اور چیز کے متعلق قرآنِ پاک میں ایسی تاکید نہیں ہے، سورۂ بنی اسرائیل میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا، وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا.

## ماں باپ کے حقوق کی بجاآوری کی قرآنی تاکید

باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ: تیرے پروردگار کا یہ حکم ہے کہ تم اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو، وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا: اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی اور حسنِ سلوک کا معاملہ کرو۔ علامہ قرطبیؒ جن کی تفسیر مشہور ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ، ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا حکم دیا، جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم دیا، وہیں یہ حکم دیا کہ ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا سلوک کیا جائے، جیسے سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ماں باپ کے شکر کو جوڑا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ: کہ تم میرا شکر ادا کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کرو[1]۔ دیکھو اس سورۂ لقمان کی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ ساتھ ماں باپ کی شکرگزاری کو بھی ضروری قرار دیا، یہ اس کی اہمیت کو بتلاتا ہے۔

## والدین کو معمولی تکلیف پہنچانا بھی شریعت گوارا نہیں کرتی

آگے باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا: اگر تمھارے سامنے وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں، ان میں سے ایک یا دونوں، فَلَا تَقُلْ

(۱) وجعل بر الوالدین مقرونا بذلك، كما قرن شكرهما بشكره الخ (قرطبی ۱۰/ ۲۳۸)

لَّهُمَآ اُفٍّ: تو ان کو اُف بھی مت کہو۔ حضراتِ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر اس سے کم درجے کی کوئی بات ہوتی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ارشاد فرماتے یعنی ماں باپ کے سامنے اپنے منہ سے ''ہوں'' نکالنا، اس انداز سے کہ جس سے ان کے دل کو تکلیف پہنچے، ٹھیس پہنچے، اللہ تعالیٰ اس کی بھی اجازت نہیں دیتے، وَلَا تَنْهَرْ هُمَا: اور ان کو جھڑکو مت، وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا: اور بھلائی اور شرافت کی بات ان سے کرو۔

## راحت رسانی کے ساتھ والدین کے لیے دعا بھی کرتے رہنا چاہیے

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ: اور مہربانی کے ساتھ اپنی ذلت کا پہلو ان کے سامنے جھکاؤ، یعنی ان کے سامنے عاجزی سے، انکساری سے، محبت کے ساتھ پیش آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا بھی کرتے رہو، وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا کہ اے باری تعالیٰ! یہ میرے ماں باپ ہیں جنھوں نے بچپن میں مجھے پالا، میری تربیت کی، میری پرورش کی، اے اللہ! تو ان کے ساتھ مہربانی کا معاملہ فرما، ان پر شفقت کا معاملہ فرما۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے حقوق کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن میں اور بھی جگہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید آئی ہے۔

## اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو

اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے ارشادات کے ذریعہ سے خاص طور پر اس کی طرف متوجہ کیا ہے، اس سلسلے میں مسلم شریف کے اندر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رَغِمَ أَنْفُه ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُه ثُمَّ

رَغِمَ أَنْفُه: اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، ذلیل ہو، رسوا ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو، صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کون؟ کس کی ناک خاک آلود ہو؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَيْهِمَا فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ کہ: جس نے اپنے ماں باپ میں سے دونوں یا کسی ایک کو بوڑھاپے میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہیں کی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے بددعا فرماتے ہیں (۱)۔

## وہ شخص ہلاک ہو

بلکہ ایک روایت میں تو یہاں تک ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دینے کے لیے منبر پر چڑھ رہے ہیں، تشریف لے جا رہے ہیں، جب پہلے زینے پر قدم رکھا تو آپ نے فرمایا: آمین، دوسرے زینے پر جب قدم رکھا تو آپ نے فرمایا: آمین اور تیسرے زینے پر جب قدم رکھا تو پھر آپ نے فرمایا: آمین۔ خطبے کے بعد حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! آج ہم نے ایک عجیب چیز دیکھی! جب آپ خطبے کے لیے منبر پر تشریف لے جا رہے تھے تو ہر زینے پر آپ نے آمین کہی؟ تو اس کے جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور انھوں نے تین بددعائیں دیں:

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب رَغِمَ أَنْفُ مَنْ أَدْرَكَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدَهُمَا عِنْدَ الْكِبَرِ فَلَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ.

ایک تو یہ کہ جس نے رمضان کا مبارک مہینہ پایا اور اس کے باوجود اپنی مغفرت نہیں کروائی، وہ ہلاک ہو اور ہلاک ہو وہ شخص جس کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامِ مبارک آیا اور اس نے آپ پر درود نہیں پڑھا، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کہا اور ہلاک ہوجیو وہ آدمی جس نے اپنے ماں باپ کو پایا، یا ان میں سے کسی ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہیں ہوا(۱)۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام دعا کر رہے ہیں اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آمین فرما رہے ہیں، اندازہ لگائیے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دعا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمین اور وہ دعا بھی کہاں؟ مسجدِ نبوی میں، منبرِ نبوی کے اوپر! ایسی جگہ یہ دعا ہو رہی ہے، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ خود حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تاکید فرمائی کہ آپ آمین کہیے، اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کے والدین کے حقوق کی کتنی زیادہ تاکید ہے۔

## والدین کے ساتھ سب سے بڑا حسنِ سلوک اور نیکی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے مسلم شریف کے اندر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةُ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ (۲) کہ سب سے بڑی نیکی ماں باپ کے ساتھ اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک یہ ہے کہ باپ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ان کے ساتھ محبت رکھنے والے، ان کے دوست احباب

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین، عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی اللہ عنہ، كِتَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ.

(۲) صحیح مسلم، باب فَضْلِ صِلَةِ أَصْدِقَاءِ الأَبِ وَالأُمِّ وَنَحْوِهِمَا.

کے ساتھ آدمی اچھائی کا سلوک کرے۔

## روایتِ حدیث کا پس منظر

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جہاں یہ روایت نقل فرمائی ہے، وہاں ایک واقعہ پیش آیا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج کے لیے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ تشریف لے جا رہے تھے، راستے میں ایک دیہاتی ملا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی سواری کا گدھا اور عمامہ اتار کر اس دیہاتی کو دے دیا، یہ منظر دیکھ کر جو رفقاءِ سفر تھے، انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضرت! یہ تو دیہات کا رہنے والا تھا، اگر معمولی سی چیز بھی دے دیتے تو خوش ہو جاتا، آپ نے تو اس کے ساتھ بہت بڑا سلوک کیا کہ اپنی سواری کا گدھا بھی دے دیا اور عمامہ بھی اتار کر کے اس کو دے دیا، تو اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا باپ میرے باپ کا دوست تھا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ باپ کے انتقال کر جانے کے بعد اس کے ساتھ محبت اور دوستی کا تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرنا یہ بہت بڑی نیکی اور ماں باپ کے ساتھ بہت بڑا احسنِ سلوک ہے۔ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو عملی جامہ پہنانے کا کیسا جذبہ پایا جاتا تھا۔

## عمر بھر کی خدمت گزاری بھی حقوقِ والدین کی ادائگی میں ناکافی ہے

روایتوں میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیت اللہ کا طواف

کررہے تھے، اس طواف کے دوران دیکھا کہ ایک آدمی اپنی پیٹھ پر اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کرارہا ہے، اس نے دیکھا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو، کسی نے بتلایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو اس نے کہا کہ میں یمن کا رہنے والا ہوں اور یمن سے یہاں اپنی ماں کو پیٹھ پر لاد کر حج کرانے کے لیے لایا ہوں اور اپنے کندھے پر اس کو سوار کرا کر کے اس کو طواف کرارہا ہوں، کیا ایسا کر کے میں نے اپنی ماں کا حق ادا کر دیا؟ یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب میں ارشاد فرمایا: تیری پیدائش کے وقت تیری ماں نے جو تکلیف اٹھائی ہے اور ''آہ آہ'' کی ہے، تیری یہ ساری محنت وکاوش اس وقت کی ایک ''آہ'' کا بدلہ بھی نہیں بن سکتی۔ ذرا اندازہ لگایئے۔

## والدین کو شفقت کی نظر سے دیکھنے پر حجِّ مبرور کا ثواب

بہر حال! ماں باپ کے حقوق بہت بڑے اور زیادہ ہیں اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید ہے، ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ إِلىٰ والديه نَظْرَةَ رَحْمَةٍ إِلَّا كَتَبَ اللهُ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَبْرُورَةً(۱)

کہ جو فرماں بردار بیٹا اپنے ماں باپ کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کی ہر ایک نظر کے بدلے میں اللہ تعالیٰ حجِّ مبرور کا ثواب اس کے نامۂ اعمال کے اندر لکھ دیتے ہیں۔ یہ ارشاد سن کر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! وَإِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ؟: اگر کوئی آدمی دن میں ''۱۰۰'' مرتبہ اس طرح محبت کی نظر سے

(۱) شعب الإيمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنهما، بَابٌ فِي بِرِّ الْوَالِدَيْنِ.

دیکھے تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو ہر نظر کے بدلے میں حجِّ مبرور کا ثواب عطا فرمائیں گے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: نَعَمْ اللهُ أَكْبَرُ وَ أَطْيَبُ: جی ہاں! اللہ کی شان تو بہت بڑی ہے، اس کی ذات تو بڑی پاکیزہ ہے، اس کے خزانے میں کوئی کمی تھوڑی ہے، انسانوں کے پاس جو ہے وہ ختم ہو جاتا ہے، اللہ کے خزانے تو ایسے وسیع ہیں کہ جب سے کائنات پیدا کی ہے، تب سے اپنی مخلوق کی ضرورت کو پورا کر رہا ہے اور اس کی داد و دہش کا سلسلہ جاری ہے اور اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں۔

## دورِ جدید میں والدین کا حالِ بد

تو بہر حال کہنے کا حاصل یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک بڑی اہمیت کا حامل ہے، لوگ دوسری نیکیوں کی طرف بڑھتے ہیں، بڑھنا چاہیے اور دوسرے نیکی کے کام بھی کرنے چاہئیں لیکن ماں باپ کے معاملے میں آج کل غفلت بہت زیادہ ہو گئی ہے، نوجوان طبقہ کا جو حال ہے، اس کی وجہ سے ماں باپ کی حالت ابتر ہوتی جا رہی ہے، بڑھاپے کی عمر کے اندر ان بے چاروں کی کوئی خیر خبر لینے والا نہیں، جیسے یورپ اور امریکہ کے ممالک میں بوڑھوں کے واسطے اولڈ ہاؤس (oldhouse) ہوا کرتے ہیں ''بوڑھا گھر'' اب تو لوگ یہاں پر بنانے کا سوچ رہے ہیں، سورت میں پارسیوں کا تو ہے ہی، آپ لوگ جانتے ہیں، بہت پرانی چیز ہے، بہر حال! اب یہ ہوتا ہے کہ بڑھاپے میں ماں باپ کو وہاں پہنچا دیا جاتا ہے اور فیس (fees) بھر دی جاتی ہے۔

## اس دور میں والدین کی نمازِ جنازہ کے لیے بھی اولاد کے پاس وقت نہیں ہے

ایک صاحب نے واقعہ بیان کیا ایک آدمی کے باپ کا کہ اسی طرح کے اولڈ ہاؤس (oldhouse) کے اندر داخل کر دیا تھا، وہاں اس کا انتقال ہو گیا تو ذمہ داروں نے اس کو فون کیا کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا ہے، آپ آ جائیے! تو اس نے کہا کہ میرے پاس فرصت نہیں ہے، آپ اس کی تجہیز و تکفین کرالیں، میں اس کا علیحدہ خرچ دے دوں گا، اندازہ لگائیے، یہ حال ہے۔ بہر حال یہ ضرورت ہے کہ ماں باپ کے حقوق کی طرف خاص طور پر توجہ کی جائے۔ ان کی اطاعت وفرماں برداری کا اہتمام کیا جائے۔

## والدین کی راحت رسانی جنت کے دروازے کھولنے والی چابی ہے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے ماں باپ کی اللہ کو خوش کرنے کے لیے اطاعت اور فرماں برداری کی، خدمت کی تو اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور اگر اس نے ان کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کے دو دروازے کھول دئے جاتے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک زندہ ہے اور اس ایک کی وہ خدمت کر رہا ہے اور اللہ کو خوش کرنے کے لیے اس ایک کی اطاعت اور فرماں برداری کرتا ہے تو اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا اور اگر وہ اس کی نافرمانی کرتا ہے تو جہنم کا ایک دروازہ کھول دیا جائے گا۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: وَإِنْ

ظَلَمَاهُ: اے اللہ کے رسول! ماں باپ ہم پر ظلم و زیادتی کریں اور اس صورت میں ہم ان کی نافرمانی کریں، کیا تب بھی ہم پر جہنم کے دروازے کھل جائیں گے؟ تو اس پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَإِنْ ظَلَمَاهُ وَإِنْ ظَلَمَاهُ وَإِنْ ظَلَمَاهُ: چاہے ماں باپ ظلم کرتے ہوں، چاہے ماں باپ ظلم کرتے ہوں، چاہے ماں باپ ظلم کرتے ہوں، تب بھی اگر ان کی نافرمانی کرو گے اور ان کے ساتھ برا سلوک کرو گے تو جہنم کے دروازے کھول دئے جائیں گے(۱)۔

## ماں باپ سے بدلہ لینے کی شریعت نے اولاد کو اجازت نہیں دی

اولاد کو شریعت نے یہ حق دیا نہیں کہ وہ ماں باپ سے انتقام اور بدلے کی کاروائی کرے، بعض ماں باپ ظلم و زیادتی کرتے ہیں، ان کو بھی اللہ کے یہاں جانا ہے اور وہاں اس کا جواب دینا ہے لیکن اس کی وجہ سے شریعت اولاد کو ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی کسی بھی حال میں اجازت نہیں دیتی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔

## والدین کو ناراض کرنے سے متعلق زمانۂ نبوی کا ایک عبرت ناک واقعہ

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک نوجوان صحابی تھے علقمہ رضی اللہ عنہ، ان کی موت کا وقت قریب آ گیا، لوگ انھیں کلمہ تلقین کر رہے ہیں لیکن زبان پر کلمہ چڑھ نہیں

(۱) شعب الإیمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فصل فی حق الوالدین بعد موتهما.

رہا ہے، ان کی بیوی نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر کسی کے ذریعہ کہلوایا کہ یہ آپ کے صحابی ہیں اوران کی موت کا وقت قریب ہے، کلمہ زبان پر چڑھتا نہیں ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا کہ ان کے والدین زندہ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا گیا کہ اس کی ماں زندہ ہے اور وہ ناراض ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی ماں پر کہلوایا کہ مجھے تم سے بات کرنی ہے، تم یہاں میرے پاس آتی ہو یا میں تمھارے پاس آجاؤں؟ تو اس نے کہلوایا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں آپ کو کیسے زحمت دے سکتی ہو؟ میں خود حاضر ہوتی ہوں۔ چنانچہ وہ بڑھیا آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے اس کے بیٹے کے متعلق پوچھا کہ کیسا ہے؟ تو جواب دیا کہ ویسے تو نماز روزہ کا بڑا ہی پابند ہے، صدقے دینے والا، پابندی سے نماز پڑھنے والا، روزے رکھنے والا، تہجد پڑھنے والا، لیکن اپنی بیوی کے معاملے میں وہ میری نافرمانی کرتا ہے؛ اس لیے میں اس سے ناراض ہوں۔

تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر راضی ہو جاؤ تو بہت بہتر ہے، معاف کردو تو اچھی بات ہے، بڑھیا نے کہا کہ نہیں، میں اس کو معاف نہیں کروں گی۔ اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے بلال! لکڑیاں جمع کرو، آگ جلاؤ اوراس میں علقمہ کو ڈالو۔ وہ بڑھیا ڈر گئی اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے بیٹے کو جلایا جائے گا؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ہماری سزا اللہ کی سزا کے مقابلے میں بہت آسان اور معمولی ہے، خدا کی قسم! جب تک تو اس سے راضی نہیں ہوتی، نہ اس کی کوئی نماز قبول ہے، نہ روزہ مقبول ہے، جب بڑھیا نے یہ سنا تو عرض کیا: اے اللہ

کے رسول! میں آپ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں نے اپنے بیٹے کو معاف کردیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کہا کہ جاؤ، دیکھو! علقمہ نے کلمہ پڑھا یا نہیں؟ تو لوگوں نے جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہاں! کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے جنازے میں شریک ہوئے، نمازِ جنازہ پڑھائی، دفن کرنے کے بعد آپ نے فرمایا: اے مہاجرین وانصار کی جماعت! جس نے بھی اپنی ماں کو ناراض کیا ہو، اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، تمام لوگوں کی لعنت ہو، نہ اس کا کوئی فرض قبول ہے، نہ اس کا کوئی نفل قبول ہے، اللہ کی رضا ماں کی رضا میں اور اللہ کی ناراضگی ماں کی ناراضگی میں ہے، جب تک کہ ماں کو راضی نہیں کرے گا، اس کی کوئی عبادت قبول نہیں۔

## والدین کی نافرمانی کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے

بہرحال! یہ ماں باپ کا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اور جو لوگ ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں بھی نوازتے ہیں اور آخرت میں بھی نوازتے ہیں۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جتنے بھی گناہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کو چاہتے ہیں، معاف کردیتے ہیں سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے کہ جو آدمی ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا ہی کے اندر موت سے پہلے اس کو اس کا مزا چکھاتے ہیں (۱)۔ اسی وجہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بَرُّوا آبَاءَكُمْ تَبَرَّكُمْ أَبْنَاؤُكُمْ (۲) تم اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کا اور اچھائی کا

---

(۱-۲) المستدرك على الصحيحين، كتاب البر و الصلة.

سلوک کرو، تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ بھلائی اور اچھائی کا سلوک کرے گی، یہ بھی قدرت کا ایک قانون ہے، جنھوں نے اپنے ماں باپ کو تکلیفیں پہنچائیں، نافرمانیاں کیں، اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں ان کی اولاد کے ذریعہ ان کو بتلا دیتا ہے۔

## باپ کو ستانے والے کی دنیوی سزا کا عبرت ناک واقعہ

دیوبند میں ایک صاحب نے ایک قصہ بیان کیا، حضرت مولانا ارشد صاحب کی زبان سے سنا کہ ایک دوکان دار نے مجھ سے کہا کہ فلانی دوکان پر جو بوڑھا بیٹھا ہے، یہ دوکان اس کے باپ دادا کے زمانے سے چلی آرہی ہے، ایک مرتبہ یہ شخص اپنی جوانی کے زمانے میں آیا اور اپنے باپ کو ہاتھ سے پکڑ کر نیچے کی طرف کھینچ کر نالی کے اندر ڈال دیا۔ اس کے بعد اس کی شادی ہوئی اور اولاد میں اس کے یہاں صرف چار بیٹیاں تھیں، کوئی بیٹا نہیں تھا، اس کا یہ واقعہ میرے دل و دماغ میں گھومتا رہتا تھا، میں سوچنے لگا کہ میں نے علماء سے یہ بات سن رکھی ہے کہ جو آدمی اپنی ماں یا باپ کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو اس کی اولاد اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہے، اس نے اپنے باپ کے ساتھ یہ معاملہ کیا تھا اور اس کا کوئی لڑکا تو ہے نہیں۔ وہ آدمی کہتا ہے: ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کی چار لڑکیوں میں سے ایک لڑکی برقع پہن کر آئی اور اس بوڑھے دوکان دار کو اسی طرح ہاتھ پکڑ کر نیچے گرایا، جیسے اس نے اپنے باپ کو گرایا تھا اور نالی میں ڈال دیا۔

## باپ کو ستانے والے کی دنیوی سزا کا ایک اور عبرت ناک واقعہ

قاضی ابوعلی تنوّخی ایک مؤرخ گذرے ہیں، ان کی کتاب ہے: نشوار المحاضرہ،

اس میں انھوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بیٹے نے اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اس کو کھینچا اور کھینچتے کھینچتے بڑی دور ایک درخت کا جھنڈ تھا، جھاڑی تھی، وہاں تک لے گیا، جب وہاں تک لے گیا تو باپ نے کہا کہ بیٹا! بس، اب آگے مت لے جائیو! تو بیٹے نے کہا کہ ابا! کیا بات ہے کہ پہلے کچھ نہیں کہا اور اب روک رہے ہو! تو باپ نے کہا کہ میں نے بھی اپنے باپ کی ٹانگ میں رسی ڈال کر اسی طرح کھینچا تھا اور اس جگہ تک لایا تھا۔ تو بہر حال! یہ قدرت کا ایک نظام ہے، ع

یہ ہے گنبد کی صدا جیسی کہو، ویسی سنو

تاریخی واقعات سے اس کی شہادت ملتی ہے:

ابو اسحٰق اسفرائینی ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں، کسی نے ان کو خواب میں دیکھا کہ ان کی داڑھی موتیوں اور جواہرات سے مرصع ہے، یعنی گویا موتی اور جواہرات ان کی داڑھی میں پیروئے ہوئے ہیں، صبح میں اس نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت! آج رات میں نے آپ کے بارے میں ایسا خواب دیکھا ہے، انھوں نے کہا کہ تم نے صحیح کہا، صدقتَ، إنی مسحتُ بها البارحة قدمَ أُمّی: میں نے گذشتہ رات اس سے اپنی ماں کے ایک پاؤں کو جھاڑا تھا۔

## ماں کا خدمت گزار جنت میں حضرت موسیٰ کا رفیق

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ! جنت میں میرا رفیق کون ہے؟ یہ مجھے بتایا جائے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ

نے وحی بھیجی کہ فلانے شہر میں، فلانی بستی میں ایک نو جوان قصّاب ہے، وہ جنت میں تمھارا رفیق ہے۔ حضرت موسیٰ وہاں پہنچے اور تحقیق کی کہ یہ کون ہے؟ شام کے وقت مغرب سے پہلے وہاں پہنچے تھے، دیکھا کہ ایک نو جوان قصاب اپنی دوکان بند کرنے کی تیاری کر رہا ہے، حضرت پہنچے اور سلام کیا، اس نے گوشت کا ایک ٹکڑا زنبیل میں رکھا اور چلنے لگا، حضرت نے پوچھا کہ کیا ایک پردیسی کو تم آج مہمان بناؤ گے؟ تو جواب دیا کہ ضرور! تشریف لائیے۔ حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اس کے ساتھ اس کے گھر گئے، دیکھا کہ جب یہ گھر پہنچ گئے تو جو گوشت ساتھ لے کر آئے تھے، اس کو زنبیل سے نکالا اور اس کو پکا کر اس کا سوپ بنایا، وہاں ایک زنبیل لٹکی ہوئی تھی، وہ اتاری، دیکھا کہ اندر ایک بوڑھیا تھی، وہ اس قدر بوڑھی ہوگئی تھی کہ بالکل چھوٹے چوزے کی طرح ہوگئی تھی، اس کو باہر نکالا، اس کو غسل دیا، کپڑے بدلوائے اور یہ سوپ پلایا، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اس بوڑھیا کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے، میں نے قریب منہ لے جا کر سنا تو وہ کہہ رہی تھی کہ اے اللہ! میرے بیٹے کو جنت میں حضرت موسیٰ کا رفیق بنائیو۔ حضرت موسیٰ نے یہ سنا تو فرمایا کہ خوش خبری سن لے میں موسیٰ ہوں اور تیرا بیٹا جنت میں میرا رفیق ہوگا۔

## ماں کو ستانے والے کی عبرت ناک کہانی شہر بن حوشبؒ کی زبانی

شہر بن حوشبؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک بستی کے پاس سے میرا گذر ہوا، بستی کے آخر میں قبرستان تھا، میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ ایک بوڑھی عورت وہاں ایک

چار پائی پر بیٹھ کر سوت کات رہی ہے اور یہ عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا، اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک قبر پھٹی اور اس میں سے ایک آدمی نوجوان جیسا - اس کا آدھا جسم تو انسان کی طرح لیکن چہرہ گدھے کی طرح تھا - نکلا، تین مرتبہ گدھے جیسی آواز نکالی پھر دوبارہ قبر میں چلا گیا اور قبر بند ہوگئی۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم اس بوڑھیا کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں پہچانتا، کہا کہ یہ جو آپ نے ابھی قبر سے جس جوان کو نکلا ہوا دیکھا، یہ اس کی ماں ہے، وہ شراب پی کر آیا کرتا تھا تو ماں اس کو سمجھاتی تھی کہ بیٹا تو یہ کیا کرتا ہے، تو اللہ کی نافرمانی مت کر، شراب مت پی، اللہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کرلے تو وہ جواب میں کہتا تھا کہ ''کب تک گدھے کی طرح بولتی رہے گی، کب تک گدھے کی طرح بولتی رہے گی'' یہ کہتا رہتا تھا۔ ایک دن عصر کے بعد اس کا انتقال ہوا تو لوگوں نے یہاں دفن کردیا، جس دن سے دفن کیا ہے، روزانہ یہ منظر لوگ دیکھتے ہیں۔

## ایک شخص کے حقوق کی ادائگی دوسرے شخص کی حق تلفی کا باعث نہ ہو

تو بہر حال! ضرورت ہے کہ ماں باپ کے حقوق کی ادائگی کا اہتمام کیا جائے، ہر ایک کا اپنا اپنا حق ہے، بیوی کا بھی حق ہے، اس کو بھی ادا کرنا چاہیے، ماں باپ کا بھی حق ہے، وہ بھی ادا ہونا چاہیے، ایک کی وجہ سے شریعت دوسرے کے حقوق کو تلف کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

## چاروں چیز کا خلاصہ

بہر حال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ''۱۵'' کام بتلائے کہ جب امت میں وہ

ہوں گے تو ان میں تباہی اتر آئے گی، ان میں سے پہلے تین چیزیں بیان ہوئی تھیں اور آج چوتھی چیز بیان ہوئی: وَأَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ، وَعَقَّ أُمَّهُ: کہ آدمی اپنی بیوی کی اطاعت کرے گا اور اس کے نتیجے میں اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔ وَبَرَّ صَدِيقَهُ وَجَفَا أَبَاهُ: اور اپنے دوستوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے گا، دعوتیں ہو رہی ہیں، کھلایا پلایا جا رہا ہے، باپ بستر پر بیمار پڑا ہے، اس کی کوئی خبر نہیں لی جا رہی ہے تو وَبَرَّ صَدِيقَهُ، وَجَفَا أَبَاهُ: دوست کے ساتھ بھلائی کا سلوک اور باپ کے ساتھ بے رخی کا معاملہ کیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان چیزوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

## مساجد اللہ کے گھر اور شعائرِ اسلام میں سے ہیں

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگے گی، مسجدیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے گھر ہیں اور اسلام کے شعائر میں اس کا شمار ہوتا ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج:۳۲]: کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہیں۔ شعار کسی بھی مذہب کی خصوصی نشانی اور علامت کو کہتے ہیں تو یہ مسجدیں اسلام کی خصوصی نشانیوں اور علامتوں میں شمار کی جاتی ہے اور قرآن میں اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے شعائر کی عظمت اور اس کا ادب کرتا ہے تو یہ اس کے دل کے تقویٰ کی علامت ہے۔

## مسجد کے اللہ کا گھر ہونے کا مطلب

حدیثِ پاک میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساجد کو اللہ کا گھر قرار دیا: إِنَّ بُيُوتَ

اللّٰهِ فِي الأَرْضِ الْمَسَاجِدُ[۱]: کہ روئے زمین پر یہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں، مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خصوصی انوار و برکات کا ان مساجد کے اوپر نزول ہوتا ہے، اللہ کی تجلیاں اس کے اوپر پڑتی ہیں۔ گھر کا مطلب یہ نہیں کہ ہم جس طرح اپنے گھروں میں رہتے ہیں، -نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ بھی مساجد کے اندر رہتے ہوں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے سورج کے سامنے آئینہ رکھ دیا جائے تو سورج کا عکس اس کے اندر پڑتا ہے، حالاں کہ سورج زمین سے کئی کروڑ گنا بڑا ہے، اس کے باوجود وہ ایک چھوٹے سے آئینے میں نظر آتا ہے اور اس کی وجہ سے آئینہ چمک جاتا ہے، اسی طریقے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی تجلیات اور اس کے خاص خاص انوارات اور برکات مسجدوں کے اوپر نازل ہوتے ہیں، اور جو لوگ ان مسجدوں کے اندر آکر نماز پڑھتے ہیں ان کے اوپر بھی انوارات اور برکات نازل ہوتے ہیں۔

## مسجدیں آخرت کے بازار ہیں

بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کو اللہ کا گھر قرار دیا اور جیسا کہ حدیث میں آتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مسجدیں تو آخرت کے بازار ہیں: المساجد سوق من اسواق الآخرة: کہ مسجدیں آخرت کے بازار ہیں، جیسے دنیا کے بازار ہیں، لوگ وہاں جا کر دنیا حاصل کرتے ہیں، اگر کسی کو آخرت حاصل کرنی ہو تو اس

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ.

کو مسجد کے اندر آکر کے مسجد والے اعمال کرنے پڑیں گے تو وہ آخرت والا نفع کمائے گا، آخرت کی دولت حاصل کرے گا، جیسے لوگ بازار میں جا کر دنیا کی دولت حاصل کرتے ہیں، پھر آگے فرماتے ہیں: من دخلھا کان ضیفًا للہ: کہ جو شخص مسجد میں داخل ہوتا ہے، وہ اللہ کا مہمان بن جاتا ہے، قراہ المغفرۃ و تحفتہ الکرامۃ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی میزبانی مغفرت کی شکل میں کی جاتی ہے، جیسے کوئی شخص جب کسی کے یہاں مہمان ہوتا ہے تو میزبان، صاحبِ خانہ اس کی میزبانی کرتا ہے، کھانا کھلاتا ہے تو یہاں اللہ تعالیٰ اس کی میزبانی اس کے گناہوں کو معاف کر کے کرتے ہیں: و تحفتہ الکرامۃ: اور جیسے جب کسی کے یہاں جب کوئی مہمان آتا ہے تو عام کھانے کے ساتھ کوئی خاص چیز بھی مہمان کے اکرام میں پکائی جاتی ہے، خصوصی آئٹم تو اس کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اہتمام کیا جاتا ہے اور اس کا اعزاز کیا جاتا ہے، یہ گویا اس کے لیے ایک تحفہ ہے، گویا یہاں آکر آدمی اللہ کا مہمان بنتا ہے اور بھلا کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان بن کر آئے تو کیا وہ میزبان کے لیے کسی قسم کی ایذا رسانی کا باعث بن سکتا ہے!

## تحیۃ المسجد کی طرف سے ہماری غفلت

یہ جو مسجد ہے، اس کے ادب کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف طریقوں سے مسجد کے آداب کی طرف متوجہ کیا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ: کہ جب تم میں سے

کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہاں بیٹھنے سے پہلے- بشرطیکہ وہ مکروہ وقت نہ ہو- دو رکعت نماز پڑھ لے(۱)، اس کو تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے، یہ نماز تو گویا ہمارے اندر سے بالکل ختم ہوتی جارہی ہے، کتابوں میں تو تحیۃ المسجد کے نام سے ایک مستقل نماز بتائی جاتی ہے، عربوں نے اس میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیا، انھوں نے اسے فرض اور واجب جیسا درجہ دے دیا، جو لوگ وہاں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ اس کا بہت زیادہ، بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور یہاں ہمارے یہاں اس کی طرف سے اتنی بے پروائی کہ مسجد میں آنے والے سو آدمیوں میں سے شاید مشکل سے ایک دو آدمی ہوں جو اس کا اہتمام کرتے ہوں، یہ بڑی غفلت کی بات ہے۔

## تحیۃ المسجد اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک طرح کی سلامی ہے

تحیۃ المسجد کے بارے میں علماء فرماتے ہیں: تحیۃُ ربِّ المسجد: مسجد کا جو رب ہے، مالک یعنی اللہ تعالی، اس کے حضور میں یہ ایک طرح کی سلامی ہے، آپ کسی کے گھر میں جاویں اور گھر والا وہاں بیٹھا ہوا ہے، اس کے باوجود گھر میں جا کر بالکل چپ چاپ بیٹھ جاویں، نہ سلام، نہ آداب کی بجا آوری تو کیا کہا جاوے گا؟ کہ بڑا بے ادب آدمی ہے، کسی سے کچھ سیکھا یا نہیں کہ کسی کے گھر میں جائے تو کس طرح پیش آنا چاہیے۔ تو مسجد میں جب آدمی جاوے اور وقت مکروہ نہیں ہے تو تحیۃ المسجد کی دو رکعت کی ادائگی ہونی چاہیے، ہاں اگر نماز کا وقت ہے اور اس نے سنت کی نیت باندھ لی تو اس

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ رضی اللہ عنہ، باب إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ.

کا حق ادا ہو جائے گا، فرض جماعت کھڑی ہو چکی ہے اور اس میں شریک ہو گیا تو اس سے بھی حق ادا ہو جائے گا لیکن اگر نہ سنت پڑھ رہا ہے، نہ اس کا وقت ہے اور نہ فرض کی جماعت کھڑی ہو رہی ہے تو اس صورت میں کم سے کم دو رکعت پڑھنی چاہیے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس میں امر کا صیغہ ہے، بعض ائمہ نے اس کو واجب کے لیے قرار دے کر ان دو رکعتوں کو واجب بھی کہا ہے۔

## مسجد کے کچھ اور آداب

تو بہر حال! مسجد کا ایک ادب تو یہ ہے، اور بھی آداب مسجد کے بتلائے گئے ہیں کہ بھائی! جب کوئی آدمی مسجد میں آوے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہونا چاہیے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا کہ جب تم لوگ جنت کے باغیچوں اور جنت کی کیاریوں پر سے گذرو تو چر لیا کرو[1]، یوں ہی نہ گذر جاؤ۔ جیسے جانور کی عادت ہوتی ہے کہ جب گھاس چارے والی جگہ سے گذرتا ہے تو دو ایک مرتبہ منہ مار ہی لیتا ہے، یوں ہی نہیں جاتا، اسی طرح جب تم جنت کی کیاریوں کے پاس سے گذرو تو یوں ہی نہ گذر جاؤ بلکہ کچھ چر لیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ: اے اللہ کے رسول! یہ جنت کے باغیچے اور کیاریاں کیا ہیں؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں۔ پھر صحابہ نے پوچھا: وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُولَ اللَّهِ: اے اللہ کے رسول! چرنا کیا ہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سُبْحَانَ اللَّهِ

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ.

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلاَ إِلَہَ إِلاَّ اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ، یعنی مختلف اذکار کے ذریعہ مسجد میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرنا، یہ گویا اس میں چرنا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا ہے، یہ بھی مسجد کے آداب میں سے ہے۔ آدمی جب مسجد میں جاوے تو وہاں نماز میں مشغول ہو، قرآنِ پاک کی تلاوت میں مشغول ہو، اللہ کے ذکر میں مشغول ہو، یہ مسجد کے آداب میں سے ہے، مسجد کے حقوق کی ادائگی میں سے ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

## مسجدوں میں دنیوی باتیں کرنے پر وعید

اور آدمی اپنے آپ کو دنیوی باتوں میں مشغول نہ کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں دنیوی باتیں کرنے سے منع فرمایا ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ، فَلَا تُجَالِسُوهُمْ، فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ(۱): کہ ایک وقت آئے گا کہ مسجد کے اندر لوگ بیٹھ کر کے دنیا کی باتیں کریں گے، ایسے لوگوں کے ساتھ تم مت بیٹھو، اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ گویا یہ مسجد کے اندر دنیا کی باتیں کرنا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ مسجد کے اندر باتیں کرنا یہ نیکیوں کو اس طرح کھاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے اور انھوں نے لکھا ہے کہ جائز اور مباح باتیں بھی بلاضرورت مسجد میں کرے گا تو یہ مکروہ ہے اور گناہ کا کام ہے، اپنے آپ کو اس طرح مسجد میں باتوں میں مشغول کرنے سے بچانا چاہیے۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنِ الْحَسَنِ علیہ الرحمۃ، فَصْلُ الْمَشْيِ إِلَى الْمَسَاجِدِ.

# مسجد میں زور سے گٹھری رکھنے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک دیہاتی کو تادیب

آج کل تو اس کا کوئی اہتمام ہی نہیں، لوگ مسجد کے اندر بیٹھے ہیں اور با قاعدہ وہاں ایسی مجلسیں قائم کرتے ہیں، جیسے چوراہوں اور چوپالوں کے اندر ہوتی ہیں اور اسی طرح ہنسنا، بولنا۔ کوئی فکر ہی نہیں کہ ہم کہاں بیٹھے ہیں۔ ایسی چیز کہ جس سے مسجد کی بے ادبی ہوتی ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نماز کے اندر مشغول تھے، ایک آدمی آیا، اس کے پاس ایک گٹھری تھی، اس نے وہ گٹھری ایک دھڑام کی آواز سے نیچے رکھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تکلیف ہوئی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو کوڑے سے اس کی خبر لی کہ لوگ نماز کے اندر مشغول ہیں اور تو اس طرح ان کی نماز کے اندر خلل ڈال رہا ہے، کوئی چیز اٹھانی ہو یا رکھنی ہو، کوئی بھی کام ایسا ہو جس سے نماز پڑھنے والے کی توجہ نماز سے ہٹ جائے تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی بلکہ شریعت تو نمازی کے سامنے سے خاموشی کے ساتھ گذرنے کی بھی اجازت نہیں دیتی، بخاری شریف کی روایت ہے کہ اگر نمازی کے سامنے سے گذرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ نمازی کے سامنے سے گذرنے کا کتنا بڑا گناہ ہے تو وہ ”۴۰“ سال تک کھڑا رہنا گوارا کرے گا لیکن اس کے سامنے سے گذرنا گوارا نہیں کرے گا(۱)۔

---

(۱) لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ أَبُو النَّضْرِ لاَ أَدْرِي أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، أَوْ شَهْرًا، أَوْ سَنَةً. (البخارى، أَبِي جُهَيْمٍ رضي الله عنه، باب إثم المار بين يدي المصلي)

اس سے آپ اندازہ لگاؤ کہ نمازی کے سامنے سے گذرنا کتنا خطرناک ہے، کتنا بڑا گناہ ہے؛ اس لیے کہ اس گذرنے والے کے گذرنے کے نتیجے میں نمازی کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے، نماز کی طرف سے ہٹ جاتی ہے؛ اس لیے شریعت نے اس سے منع کیا اور اسی لیے ہر وہ کام جو نمازی کی توجہ کو ہٹانے والا ہو، اس کی شریعت اجازت دیتی نہیں ہے۔

## دورانِ صلوۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گذرنے پر آپ کا اس کو بددعا دینا

مراسیلِ ابی داود کے اندر روایت ہے کہ ایک اپاہج آدمی دیکھا گیا- اپاہج یعنی ایسا آدمی جو صحیح چل نہیں سکتا، زمین پر گھسٹ کر چلتا ہے- اس سے پوچھا گیا کہ ایسا حال کیوں ہے؟ تو اس نے کہا کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے، میں اپنے گدھے پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گذر گیا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قَطَعَ عَلَيْنَا صَلَاتَنَا قَطَعَ اللّٰهُ أَثَرَهُ(۱): نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام طور پر کسی کو بددعا نہیں دیتے تھے لیکن نماز کے وقت سامنے سے گذرنے پر بددعا دی کہ اس نے ہماری نماز کو غارت کیا، اللہ تعالیٰ اس کے نقشِ پا کو ختم کرے یعنی اب اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹکیں۔ بس اس دن سے وہ اپاہج ہو گیا۔

## کتوں کی پوری نسل ہی ختم ہو جاتی

اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو عصر کی

---

(۱) مسندِ احمد، عَنْ يَزِيدَ بْنِ نِمْرَانَ، حَدِيثُ رَجُلٍ مُقْعَدٍ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ.

کی نماز پڑھا رہے تھے، ایک کتا آیا، وہ سامنے سے گذرنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی نے نماز ہی کے اندر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اس کو روک دے۔ تو یہ کتا وہیں مرگیا۔ نماز کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: بھائی! کون تھا؟ کس نے اس کے لیے بددعا کی تو ایک صحابی نے بتلایا کہ میں نے یہ بددعا کی تھی۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر کتوں کی پوری قوم کے لیے بددعا کرتا تو وہ بھی ختم ہو جاتی، یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا[1]۔

## نماز سے پہلے نماز میں رکاوٹ ڈالنے والی تمام چیزوں کو پسِ پشت ڈال دینا چاہیے

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نماز کی کتنی اہمیت ہے، نماز کو توجہ سے ادا کرنا ہے، یہ شریعت کی نگاہوں میں اصل ہے۔ آدمی جب مسجد میں آتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اپنے دل کا تعلق اور ربط قائم کرتا ہے؛ اس لیے اس کو چاہیے کہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے وہ ساری چیزیں جو آدمی کی توجہ کو ہٹانے والی ہیں، اس کے دل کے تعلق کو اللہ کے ساتھ جوڑنے میں رکاوٹ بن سکتی ہیں، ان سب کو بند کر دے، چنانچہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات ایسے ہی ہیں۔

## نماز میں باغ کا خیال آنے پر حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا باغ صدقہ کر دینا

ایک صحابی ہیں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز ادا فرما رہے

(۱) مصنف عبد الرزاق، عن رجل من أهل الطائف، باب المار بين يدي المصلي.

تھے، اب ظاہر ہے کہ جب باغ میں ادا فرما رہے ہیں تو یہ کوئی فرض نماز نہیں تھی، وہ تو مسجد میں ادا کی جاتی ہے، نفل نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک چڑیا باغ میں اڑ رہی تھی اور باہر نکلنا چاہتی تھی، باغ گنجان تھا؛ اس وجہ سے اسے باہر نکلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا، نیچے آئی پھر گئی۔ دو تین مرتبہ ایسا کیا، ان کی توجہ اس چڑیا کی طرف چلی گئی، اس کو دیکھنے لگے اور اس کی وجہ سے ''کتنی رکعتیں ہوئیں'' یہ بھول گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ یہ باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ ہے کہ یہ باغ اللہ کے ساتھ میرے تعلق کے راستے میں رکاوٹ بنا یعنی ایک نماز کے دوران ذرا سی دیر کے لیے توجہ ہٹی تو اس کو ان کی غیرتِ ایمانی نے برداشت نہیں کیا کہ جس چیز کی وجہ سے نماز سے ان کی توجہ ہٹی تھی، اس کو اپنی ملک میں باقی رکھیں، اس کو فوراً صدقہ کر دیا۔

## دورِ عثمانی کا ایک اور واقعہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک اور صحابی کے ساتھ اسی طرح ہوا کہ باغ میں نماز پڑھنے کے دوران ذرا سی توجہ نماز سے ہٹی تو پورے باغ کا صدقہ کر دیا، ''۵۰'' ہزار درہم کا وہ باغ تھا، آج کے اعتبار سے اس کی مالیت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ تو بہر حال! یہ غیرتِ ایمانی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کو توڑنے والی چیز کو یہ حضرات ذرا دیر کے لیے بھی برداشت کرنے کے روادار نہیں تھے۔ تو مسجدوں کے اندر آوازوں کو بلند کرنا، باتیں کرنا اور اسی طرح کوئی ایسی چیز اختیار کرنا جو مسجد کے ادب واحترام اور عظمت کے خلاف ہو، لوگوں کی نمازوں میں خلل ڈالنے والی ہو، عذاب کو

دعوت دینے والی چیز ہے۔

## موبائل: اس زمانے کا سب سے بڑا فتنہ

آج کل کا سب سے بڑا فتنہ موبائل ہے۔ لوگ مسجد میں آتے ہیں، چاہیے تو یہ تھا اس کو مسجد میں لے کر ہی نہ آتے، گھر چھوڑ کر آتے، تھوڑی دیر کے لیے اگر اس سے تعلق کو منقطع کر لیا جائے تو کیا حرج ہے؟ ہاں! یہ ایک دوسری بات ہے کہ ایک آدمی سفر میں نکلا ہے اور موبائل ساتھ میں ہے تو اب اس کو گھر رکھنے کے لیے جانا شاید ممکن نہ ہو تو اس کو لے کر کے آوے تو اس کو بند کر کے آنا چاہیے۔ لوک (lock) کھلا چھوڑ کر موبائل مسجد میں لے کر آتے ہیں، نماز کے دوران جو آوازیں اس کے اندر سے نکلتی ہیں ''رنگ ٹون''، رنگ ٹون بھی اللہ کے بندے ایسے رکھتے ہیں! آج کل تو اچھے اچھے دین دار لوگ، اہلِ علم حضرات، اچھے، نیک، صالح۔ ان کا رِنگ ٹون بالکل حرام یعنی میوزک کی آواز کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنتی آواز قرار دیا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دو آوازیں اللہ تعالیٰ کے یہاں لعنت والی آوازیں ہیں: ایک تو یہ گانے بجانے کی جو خوشی کے موقع پر ہوتا ہے اور دوسری وہ آواز جو غمی کے موقع پر، کسی کی موت پر مخصوص انداز میں روتے تھے، جس کو نوحہ کہتے ہیں، ان دونوں آوازوں کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنتی آواز قرار دیا ہے[1]۔

---

(۱) صوتان ملعونان في الدنيا والآخرة: مزمار عند نعمة ورنة عند معصيبة.

(مسند البزار، عن أنس بن مالك رضي الله عنه)

## موبائل کی رنگ ٹون کے بارے میں احتیاط بہت ضروری ہے

یہ رنگ ٹون کی آواز تو میوزک کی آواز ہے، اس میوزک کی آواز کے بارے میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے گانے بجانے کے آلات کو مٹانے کے لیے بھیجا ہے تو اللہ کے رسول جس چیز کو مٹانے کے لیے آئے تھے، اس کے بارے میں آج یہ ہو رہا ہے کہ اچھے خاصے دین دار قسم کے لوگ بھی ایسے ہیں کہ ان کو یہ سنے بغیر چین پڑتا نہیں ہے، اب رنگ ٹون بھی جو ہے، وہ مستقل ان کمپنیوں کا ایک کاروبار بن گیا، ان کے فون آتے رہتے ہیں کہ فلانے گانے کے طرز پر یہ رنگ ٹون ہے، یہ فلانے گانے کی ہے اور لوگ پیسے دے دے کر اس رنگ ٹون کو اپنے موبائل میں داخل کر رہے ہیں، یہ کتنی خطرناک بات ہے۔

## بانسری کی آواز کے بارے میں حضرت ابنِ عمرؓ کی احتیاط

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ جا رہے تھے، ایک گڈریا جو بکریاں چَرا رہا تھا، وہ بانسری بجا رہا تھا، جب اس کی آواز حضرت کے کانوں میں پہنچی تو آپ کے ساتھ جو حضرت نافعؒ تھے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور تھوڑی دیر کے بعد پوچھتے ہیں کہ وہ آواز آ رہی ہے؟ جب تک جواب ملا کہ ”آ رہی ہے“ اس وقت وقت تک انگلیاں کانوں میں ڈالے رکھیں اور جب بتایا کہ اب آواز نہیں آ رہی ہے، تب انگلیاں کانوں سے نکالیں پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ میں اسی طرح نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا اور اسی طرح

بانسری کی آواز آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال دیں اور اسی طرح پوچھتے رہے اور جب میں نے بتایا کہ اب آواز نہیں آرہی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکالیں (۱)۔

## کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جس آواز کو ایک لمحہ کے لیے سننا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گوارا نہیں کیا، ہم آج اس کو مسلسل سنتے جارہے ہیں اور افسوس تو یہ ہے کہ ہم سمجھتے بھی نہیں کہ کوئی گناہ کا کام کررہے ہیں، ؎

| وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا |
| --- |
| کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا |

## گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

ہم لوگ اپنے اکابر کے فتاوی کی کتابوں کو دیکھتے ہیں، ہم سے چالیس، پچاس، اسّی سال پہلے والے علماء کی کتابیں دیکھتے ہیں تو ان کی فتاوی کی کتابوں میں ایک مستقل اس کا باب ہوتا ہے، اس زمانے کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو، جس میں یہ سوال نہ ہو کہ غیروں کا ایک جلوس مسجد کے پاس سے باجوں کے ساتھ گذرتا ہے۔ اس زمانے میں حال یہ تھا کہ مسجد کے پاس سے ان کا جلوس گذرتا تھا اور مسجد کے پاس اگر وہ باجا بجاتے تو مسلمانوں کے اندر ایک اشتعال پیدا ہوتا تھا، جان دینے لینے کے لیے

---

(۱) مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضي اللہ عنہما.

تیار ہو جاتے تھے کہ تم ہماری مسجد کی توہین کر رہے ہو۔اس طرح کے باقاعدہ سوالات آتے تھے۔ایک وقت وہ تھا کہ غیروں کی طرف سے یہ بات ہوتی تھی تو اس کو مسلمانوں کی غیرت گوارا نہیں کرتے تھے اور آج ہمارے یہ مسلمان بھائی موبائل لے کر مسجد کے اندر آتے ہیں، نماز چل رہی ہے اور موبائل کھلا ہوا رہ گیا تو اس کی وجہ سے جو رنگ ٹون چلتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کے اکیلے کی نہیں بلکہ پوری مسجد کی نماز کا جو حال ہوتا ہے، اس کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں، آج اس کو برا نہیں سمجھا جاتا، گناہ کا احساس ختم ہو گیا ہے، یہ بہت خطرناک چیز ہے، اس کی طرف خصوصیت کے ساتھ دھیان دینے کی ضرورت ہے۔

## کسی بھی نئی چیز کے استعمال سے پہلے اس کا شرعی حکم معلوم کر لینا ایمانی تقاضا ہے

شریعت کسی بھی چیز کے معاملے میں، آپ جو بھی چیز استعمال کریں، شریعت آپ سے کہتی ہے کہ پہلے آپ اس چیز کا حکم معلوم کریں: گھڑی پہننا چاہتے ہیں تو پہلے معلوم کر لیجیے، کوئی نیا کپڑا بازار میں آیا اور آپ اس کو پہننا چاہتے ہیں تو پہلے معلوم کر لیجیے کہ شریعت مجھے اس کے پہننے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں اور دیتی ہے تو کن شرطوں کے ساتھ۔کن قیودات کے ساتھ تو ان شرطوں اور قیودات کے ساتھ اس چیز کو استعمال کریں، ہر میدان میں، ہر شعبے میں ہر جگہ پر اس کا اہتمام ضروری ہے۔آپ دوکان میں کسی چیز کا کاروبار کر رہے ہیں تو پہلے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ شریعت مجھے اس

چیز کی تجارت کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ پھر اس کے مطابق عمل کرے۔

## اشیاءِ جدیدہ کا حکم معلوم کیے بغیر استعمال کرنے کا افسوس ناک انجام

تو موبائل بھی جب استعمال کرنا ہے تو استعمال کرنے والے کے لیے ضروری تھا کہ موبائل کے متعلق ساری تفصیلات علماء سے معلوم کریں اور پوچھے کہ میں کن شرطوں کے ساتھ موبائل کا استعمال کرسکتا ہوں اور جو شرطیں بتائی گئیں، ان شرطوں کا لحاظ کر کے اس کا استعمال کرنا چاہیے۔ آج جو بھی چیز مارکیٹ میں آئی، خریدی اور استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اس کی کوئی پرواہی نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سلسلے میں کیا ہدایتیں ہیں، شریعت اس چیز کے استعمال کی ہمیں اجازت دیتی بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر دیتی ہے تو کن شرطوں کے ساتھ، کن قیود کے ساتھ؟ ان باتوں کا ہم نے اہتمام نہیں کیا تو اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ مسجدوں کے اندر میوزک بجنے لگا، پرانے زمانے میں کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔

## تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں

مجھے یاد ہے کہ بچپن کے اندر ہمارے بڑے بھائی تھے مرحوم، اللہ ان کی مغفرت فرمائے، وہ خبریں سننے کے لیے ٹرانجسٹر (transistor) لائے، ہمارے والد صاحب نے ان کے ساتھ بولنا چھوڑ دیا، بھائی نے کہا کہ میں اس سے گانے وغیرہ نہیں سنتا، صرف خبریں سنتا ہوں تو والد صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، تم خبریں سننے کے لیے لائے ہو لیکن خبروں کے دوران میں بھی کبھی بیچ میں میوزک آجاتا ہے، اس کا کیا؟

وہ تو تم سنتے ہی ہو! اس بنیاد پر والد صاحب نے ان کے ساتھ بولنا چھوڑ دیا تھا، جب بھائی نے اس کو اپنی ملکیت سے نکالا، تب ان سے خوش ہوئے، یہ پرانے لوگوں کا دینی امور کے سلسلے میں ایسا سخت رویہ تھا اور اپنے لوگوں کو دین پر جمانے کا ایسا جذبہ تھا اور آج ہم اچھے اچھے لوگ ہیں لیکن شیرِ مادر کی طرح اس کو پیتے ہیں اور ہضم کر دیتے ہیں، کوئی پروا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کتنا ناراض ہوتے ہیں، یہ جو کچھ مسجدوں میں ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس سے حفاظت فرمائے۔

## تم مسلماں ہو، یہ اندازِ مسلمانی ہے!

تو بہرحال! وَارْتَفَعَتِ الأَصْوَاتُ فِي الْمَسَاجِدِ: یعنی مسجدوں میں آوازیں بلند ہونے لگیں، میوزک کی نہیں، بات چیت کی اور آج تو بات چیت کی نہیں بلکہ میوزک کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں، آج سے ''۱۰۰'' سال پرانے، زیادہ پرانے نہیں، صرف ''۱۰۰'' سال پہلے کے لوگوں کو آج ہماری مسجدوں میں لایا جائے اور یہ ماحول دکھایا جائے تو میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ سن کر کے ان کی روح ہی قبض ہو جائے گی اور ہم سب یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور کانوں سے سن رہے ہیں پھر بھی ہماری غیرتِ ایمانی کے اوپر اس کا کوئی اثر ہوتا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

## صاحبِ کمالات عزت واحترام کا حق دار ہے

آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهِ کہ: آدمی کا

اکرام اور عزت کی جائے، اس کے شر اور برائی کے ڈر سے یعنی لوگ کسی آدمی کے ساتھ عام طور پر دستور تو یہ ہے اور اصول کا تقاضا بھی یہ ہے کہ کسی کے ساتھ جو عزت و احترام کا معاملہ کیا جاتا ہے، وہ اس کے کمالات اور خوبیوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اگر کسی آدمی میں کوئی خوبی ہے، کوئی کمال ہے، کوئی اچھا وصف ہے، کوئی اچھی بات پائی جاتی ہے تو اس کی وجہ سے لوگ اس کے ساتھ عزت اور احترام کا معاملہ کرتے ہیں، کسی کو اللہ نے علم دے رکھا ہے، صلاح وتقوی دے رکھا ہے، بزرگی سے وہ مالا مال ہے اور کوئی اچھا وصف اس کے اندر موجود ہے تو اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے لوگ اس کی عزت واحترام کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہیے، وہ اپنے کمالات کی وجہ سے اور اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے اس بات کا حق دار ہے کہ اس کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ کیا جائے۔

## وہ آدمی بدترین ہے جس کا احترام اس کے شر سے بچنے کے لیے کیا جائے

لیکن ایک آدمی ہے، جس میں کوئی خوبی نہیں ہے لیکن لوگ اس کے بارے میں یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم اس کے ساتھ عزت واحترام کا معاملہ نہیں کریں گے تو وہ ہم کو نقصان پہنچائے گا، اس کی طرف سے خطرہ ہے کہ وہ کسی پریشانی میں ڈال دے، کسی وبال میں مبتلا کر دے تو اس کی طرف سے جو یہ خطرات لاحق ہیں، اس کا مزاج ایسا ہے، لوگ جانتے ہیں کہ بڑا خطرناک قسم کا آدمی ہے اور اگر اس کو ہم سلام نہیں کریں گے، اس کی عزت ہم نہیں کریں گے، اس کا ادب واحترام نہیں کریں گے تو پتہ نہیں وہ

ہمارے ساتھ کیا معاملہ کر ڈالے، ہمارا جینا دوبھر ہو جائے، ہمارے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں تو اس کے ان جرائم کی وجہ سے اس کی طرف سے جو اندیشہ ہے، اب اچھے اچھے لوگ جب وہ سامنے آتا ہے تو اس کو سلام کرتے ہیں، یہ جو سلام کیا جارہا ہے، وہ صرف اس لیے کہ اس کی برائی اور ایذارسانی سے بچنا مقصود ہے، سلام کرنے والا بھی جانتا ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا بہترین، عزت واحترام والا سلام کیا جائے، ویسے سلام تو ہر ایک کو کرنا ہے لیکن عزت واحترام والا سلام جو ہے، وہ اس کا مستحق نہیں۔ اور عزت واحترام کا معاملہ وہ اس لیے کر رہا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر میں اس کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کروں گا تو پتہ نہیں میرے ساتھ کیسا برا سلوک کرے گا اور کسی مصیبت میں ڈال دے گا۔

## آج انسان ہوا جاتا ہے ابلیس صفت

آج کل آپ ہمارے معاشرے اور ہمارے سماج میں، ہماری سوسائٹی میں ایسے بہت سے لوگ دیکھیں گے کہ جن کے ساتھ اسی وجہ سے عزت کا، ادب واحترام کا معاملہ کیا جاتا ہے کہ لوگ ان سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، یہ ہماری سوسائٹی کے لیے، ہمارے سماج کے لیے کوئی اچھی بات نہیں ہے، جس سماج میں ایسے لوگ پیدا ہوں کہ جن کے ڈر کی وجہ سے اور جن کے شر سے بچنے کے لیے ان کے ساتھ عزت اور ادب واحترام کا سلوک کیا جائے، وہ اس سماج کے لیے بہت بڑی کمزوری کی علامت ہے کہ یہ سماج اپنے اندر ایسے لوگوں کے بڑھنے کا، پنپنے کا موقع دے رہا ہے کہ جس سے اچھے

اور شریف، بڑے بڑے لوگ بھی ڈرتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی اس برائی کی وجہ سے اور اس کے ساتھ اس کی طرف سے پہنچنے والے شر سے خود کو بچانے کے لیے اس کے ساتھ عزت کا معاملہ کرتے ہیں، آج یہ زمانہ آچکا ہے، میں اور آپ، ہر آدمی جانتے ہیں تو یہ تو خود اس آدمی کے لیے سوچنے کی ضرورت ہے کہ لوگ میرے ساتھ اس طرح ادب وعزت کا سلوک کیوں کر رہے ہیں؟

## جن گلوں میں بو نہیں وہ خوشنما کہنے کو ہیں

اگر لوگ آپ کے ساتھ عزت واحترام کا سلوک کرتے ہیں تو ذرا آپ اپنا جائزہ لے لیں، خالی عزت واحترام کا معاملہ پیش آنے پر خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ لوگ مجھے سلام کر رہے ہیں، عزت وادب کے ساتھ پیش آرہے ہیں، ذرا دیکھ بھی لیں کہ میرے ساتھ یہ عزت کا معاملہ کیوں کیا جا رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ میری طرف سے اس کو کوئی نقصان اور برائی پہنچنے کا اندیشہ ہے؟ اور اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ایسا کر رہا ہے تو یہ آپ کے لیے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بہر حال نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک علامت یہ بھی بتائی ہے۔

## کمینوں کی سرداری بھی مصائب کے نزول کا سبب ہے

آگے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: كَانَ زَعِيمُ الْقَوْمِ أَرْذَلَهُمْ: اور قوم کا سردار اور لیڈر (leader) اور اس کا بڑا ایک رذیل اور قوم کا ایک دم بدتر آدمی ہو، ایسے بدتر آدمی کو سردار بنا دیا جائے، یہ بھی ایک علامت مصیبتوں کے اترنے کی نبیِ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے۔ اب دیکھ لیجیے اس زمانے کے اندر جو مناصب اور عہدے ہیں اور اس طرح کے جو کام ہیں، وہ ایسوں کے حوالے کیے جاتے ہیں، اب اس طرح کے کاموں میں ایسے لوگوں کا انتخاب دھیرے دھیرے عمل میں لایا جارہا ہے، شریف لوگ کنارہ کش ہوتے جارہے ہیں، آپ دیکھتے ہیں نا کہ جب کسی جگہ جنرل مٹنگ (General Meeting) ہوتی ہے، لوگ جمع ہوتے ہیں اور وہاں پر کسی کو اپنا بڑا منتخب کرنے کا وقت آتا ہے نا تو ایسے موقع پر شریف لوگ منہ چھپاتے پھرتے ہیں، اس ڈر سے کہ اگر ہم یہاں آگے بڑھے تو پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیسا معاملہ کیا جائے گا۔

## حدیث میں وارد جن بری پیشین گوئیوں سے بچنا ممکن ہو ان سے ضرور بچا جائے

ایسی صورت میں جو لوگ ایسے ہیں کہ لوگوں کو بوجھ لگتے ہیں، وہ آگے آجاتے ہیں اور اس طرح کی ذمہ داریوں کے کام ان کے ہاتھوں میں آجاتے ہیں، بہت سی جگہ ایسا ہوتا ہے۔ میں کوئی عام حکم نہیں لگا رہا ہوں، بعض جگہ ایسا ہوتا ہے، کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اب امت کے اندر یہ چیز بڑھتی جارہی ہے، ظاہر ہے کہ صادق مصدوق، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس چیز کی پیشین گوئی فرمائی ہے، وہ ہو کر کے رہے گی، ہمیں اپنے آپ کو بچانا ہے، احادیث کے اندر یہ جتنی علامتیں اس قسم کی بیان کی جاتی ہیں، ان کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ ایک تو وہ علامتیں ہیں جن سے بچنا ہمارے اختیار میں ہے، ان سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے اور جو ہمارے اختیار میں نہیں ہیں، ان سے کوئی

بحث نہیں ہے تو بہر حال! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ذمہ داری کے اہم اور بڑے کام قوم کے کمینے اور رذیل قسم کے لوگوں کے حوالے کیے جائیں گے، یہ بھی گویا ایک چیز ہے، جس کے نتیجے میں امت آزمائشوں میں مبتلا ہوگی۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حاجبِ کعبہ سے اس کی چابی کا مطالبہ

یہ عہدے اور مناصب جتنے بھی ہوتے ہیں، قرآن اور حدیث کے اندر ان کو امانات قرار دیا گیا ہے، فتحِ مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کے بارے میں ایک آیت نازل فرمائی ہے، جس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ فتح کرنے کے لیے صحابۂ کرام کے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے، مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، مسجدِ حرام میں پہنچے- چوں کہ بیت اللہ کے دروازے پر تالا لگا رہتا ہے اور پھر بوقتِ ضرورت کھولا جاتا ہے- اس زمانے میں حجابہ یعنی اس کی دربانی اور اس کی چابی بنوشیبہ کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی، عثمان بن طلحہؓ کے پاس اس کی چابی تھی، بعض روایتوں میں ہے کہ براہِ راست نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے مطالبہ کیا اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ بیت اللہ کو، خانۂ کعبہ تالا لگا کر چلے گئے اور کہیں چھپ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے پاس جا کر چابی لے کر آئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو تلاش کیا اور ڈھونڈ لیا، چابی کا مطالبہ کیا لیکن انھوں نے انکار کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زبردستی، قوت اور زور سے ان سے چابی لے لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی اور کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا گیا۔

## قبلِ ہجرت حاجبِ کعبہ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک پیشین گوئی

پہلے ہی سے چابی اس خاندان میں چلی آرہی تھی، اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ پیر اور جمعرات کو کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا جاتا تھا اور لوگ تبرک کے لیے اس میں جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ انہی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کا دروازہ کھولا تھا اور کچھ دیر کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رفقاء کے ساتھ تشریف لائے تو ان حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بڑی زیادتی والا معاملہ کیا اور آپ کو اندر داخل ہونے نہیں دیا، اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عثمان! وہ وقت بھی کیا ہوگا، جب کعبۃ اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا دوں گا، تو حضرت عثمان بن طلحہؓ نے کہا کہ وہ دن قریش کے لیے ذلت اور رسوائی کا دن ہوگا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، وہ دن قریش کے لیے عزت کا اور فخر و سربلندی کا دن ہوگا۔

## فتحِ مکہ کے موقع پر مذکورہ پیشین گوئی کی تکمیل

چناں چہ فتحِ مکہ کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ چابی لے کر آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیش کی، دروازہ کھولا گیا، آپ اندر تشریف لے گئے، اس کے بعد جب آپ نے اندر اللہ کی عبادت کی، توجہ الی اللہ، دعا اور تسبیحات وغیرہ سے فارغ ہو کر باہر آئے، کعبۃ اللہ کے دروازے پر آئے، اس وقت آپ کے ہاتھ میں وہ چابی تھی، اس وقت دوسرے حضرات بھی باہر کھڑے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہیں، خاندانِ بنو ہاشم کے اندر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سقایہ

یعنی حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت سپرد تھی، کعبۃ اللہ کے حوالے سے مختلف کام تھے، وہ کام جن جن خاندانوں کے حوالے کیے گئے تھے، وہ ان خاندانوں کے لیے عزت اور فخر کی چیز سمجھی جاتی تھی۔

## دینِ اسلام میں امانت کی اہمیت

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ چابی مجھے دے دیجیے؛ تاکہ سِقایہ کے ساتھ ساتھ حجابہ بھی ہمارے ہاتھ میں آجائے، یہ فخر بھی ہمیں میسر ہو جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مطالبہ کیا کہ اللہ کے رسول! یہ چابی ہمیں دے دیجیے تو اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کے اوپر یہ آیت تھی: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا کہ: اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتے ہیں کہ جو لوگ امانت کے اہل ہیں، امانت کے حق دار اور مالک ہیں، جن کی امانتیں ہیں، ان کے حوالے کرو۔ ہوا یہ تھا کہ جس وقت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ چابی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ یہ امانت ہے، اگرچہ ظاہری طور پر یہ الفاظ کہے گئے تھے، حقیقت تو یہ ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس چابی کو وصول کروانے کے حق دار تھے لیکن انھوں نے ظاہراً ہی سہی، اپنی زبان سے اس کو امانت کہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی رعایت کی اور اس وقت قرآنِ پاک میں آیت نازل فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ امانت جس کی ہے، اس کے حوالے کر دی جائے، حالاں کہ یہاں قریبی رشتہ داروں کے مطالبے ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کے چچا ہیں، وہ مانگ رہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ مانگ رہے ہیں لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان

میں سے کسی کو نہیں دی اور یہ آیت تلاوت فرمائی، مزید فرمایا: یابنی شیبة! خذوھا خالدة تالدة لا یأخذھا منکم الّا ظالم: یہ چابی تم ہمیشہ ہمیش کے لیے لے لو، اب کوئی ظالم ہی تمھارے خاندان سے چابی لے سکتا ہے، اب یہ ہمیشہ کے لیے تمھارے پاس رہے گی۔ اتنا ہی نہیں کہ چابی دی بلکہ قیامت تک کے لیے گویا یہ خوش خبری سنا دی گئی کہ یہ چابی تمھارے ہی خاندان میں رہے گی (۱)۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس وعدے کی صداقت آج تک قائم ہے

آج بھی یہ چابی اسی خاندان میں ہے، بنوشیبہ میں ہے، ان کو شیبی کہتے ہیں، بنوشیبیہ کہلاتے ہیں، حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ جس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چابی ان کو دی، اس کے بعد سے آج تک بہت سے حکمران مکہ مکرمہ پر حکمرانی کرتے گئے، میں نے تاریخ کی کتابوں کو سامنے رکھ کر کے شمار کیا تو "۲۵٦" حکمران بادشاہ آئے، حکمران بادشاہ بدلتے گئے لیکن یہ چابی آج تک اسی خاندان میں چلی آرہی ہے۔

---

(۱) فلما کان یوم الفتح قال لی یاعثمان ایت بالمفتاح فاتیته به فاخذہ منی ثم دفعه الیّ وقال خذھا خالدة تالدة لا ینزعھا منکم الّا ظالم (تفسیر مظہری)

قرطبی وغیرہ میں اس طرح ہے: قال عمر بن الخطاب: وخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو یقرأ ھذہ الآیة، وما کنت سمعتھا قبل منه، فدعا عثمان وشیبة فقال: (خذاھا خالدة تالدة لا ینزعھا منکم إلا ظالم) رازی وغیرہ اکثر کتابوں میں یہ الفاظ ہیں: ھاك خالدة تالدة لا ینزعھا منك إلا ظالم (تفسیر رازی)

## عہدے اور مناصب بھی امانت ہیں

بہرحال! اس موقع پر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ جو عہدے اور منصب اور ذمہ داریاں ہیں اور لوگوں کو مختلف منصب اور ذمہ داریاں سپرد کی جاتی ہیں کہ حکومت کا فلاں کام ہے اور فلاں عہدہ اور منصب ہے، وہ فلاں کے حوالے ہے، جیسے یہاں ایک منصب تھا کعبۃ اللہ کی چابی اپنے پاس رکھنے اور حجابہ کا، اس کو اللہ تعالیٰ نے امانت فرمایا تو اسی طرح جتنی بھی ذمہ داریاں ہیں، عہدے اور منصب ہیں، وہ بھی امانت ہیں، جن لوگوں کو یہ اختیارات ہیں کہ وہ یہ عہدے اور کام لوگوں کے حوالے کریں تو وہ ایسے لوگوں کے حوالے کریں جو اس کے اہل ہوں، نااہل کے حوالے نہ کریں، یہ عہدے اور ذمہ داریاں نااہل کے حوالے کرنا بھی امانت میں خیانت کرنا ہے۔

## امانت میں خیانت کرنا قیامت کی علامات میں سے ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قیامت کے متعلق پوچھا گیا، قیامت کی علامتیں پوچھی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَـةُ فَـانْتَظِرِ السَّاعَةَ کہ جب امانت ضائع کی جاتو قیامت کا انتظار کرو، پوچھا گیا: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا يَارَسُولَ اللهِ: اے اللہ کے رسول! امانت کیسے ضائع ہوگی؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: إِذَا أُسْنِدَ الأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ(۱): جب کوئی ذمہ داری کا کام نااہل کے حوالے کیا جائے، جو اس کو انجام دینے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ کوئی بھی

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب رفع الأمانة.

ذمہ داری کا کام، کہیں کا بھی ہو، چاہے کسی ادارے کی ذمہ داری ہو یا قوم کی ذمہ داری ہو، اس منصب کو ادا کرنے کے لیے شریعت نے، اللہ اور اس کے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اوصاف، جو خوبیاں، جو کمالات ضروری قرار دئے ہیں، جس شخص میں وہ ہوں، وہ کام اسی کے حوالے کیا جائے، اگر ساری خوبیاں کسی میں نہیں ہیں تو جس میں زیادہ سے زیادہ یہ خوبیاں ہوں، وہ اس کا اہل ہے، اس کے حوالے وہ کام کیا جائے لیکن ایک اہل آدمی کے ہوتے ہوئے نااہل کو دینا بہت بڑی خیانت ہے۔

## کوئی عہدہ کسی نااہل کو سپرد کرنا امانت میں خیانت کرنا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے حوالے عہدے سپرد کرنے کی ذمہ داری ہو اور اس نے کسی ایسے آدمی کو دیا جو اس کا اہل نہیں ہے، حالاں کہ اس کے مقابلے میں اس کام کی اہلیت اور صلاحیت رکھنے والا شخص موجود ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مؤمنین کے ساتھ خیانت کی؛ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ذمہ داریاں جس کے حوالے کی جائیں وہ اس کا اہل ہو، اس کام کی اس میں صلاحیت ہو، اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

## شراب عربوں کی رگ رگ میں بسی ہوئی تھی

اور آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ: شرابیں پی جانے لگیں، یہ بھی ایک ایسا کام ہے کہ جب امت اس میں مبتلا ہوگی تو وہ آزمائش کا شکار ہوگی۔ ابتداءِ اسلام میں شراب کے اوپر پابندی نہیں تھی اور عرب لوگ شراب کے

بڑے عادی تھے، بڑے رسیا۔ ان کے یہاں عربی زبان میں شراب کے لیے بیسیوں الفاظ ہیں جو شراب کے معنی کو بتلاتے اور ظاہر کرتے ہیں بلکہ بعض مؤرخین نے تو لکھا ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا تھا تو اس کے منہ میں سب سے پہلے شراب ٹپکائی جاتی تھی اور شراب کو وہ بڑا اچھا سمجھتے تھے۔

## اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر

یہ شراب انگور سے بنائی جاتی ہے اور انگور کو عربی میں عِنَبْ کہتے ہیں اور شراب کو بِنْتُ الْعِنَبِ کہتے ہیں ''انگور کی بیٹی''۔ فارسی میں بھی اس کو ''دختر رز'' کہتے ہیں۔ اکبر الٰہ آبادی کا شراب کے متعلق ایک شعر ہے: ؎

| اس کی بیٹی نے اٹھا رکھی ہے دنیا سر پر | | کیا گذرتی جو انگور کے بیٹا ہوتا |
|---|---|---|

یعنی اچھا ہوا کہ اس کا نام بیٹی رکھا گیا، اگر اس کا نام مردوں والا رکھا جاتا تو پتہ نہیں کیا ہوتا اور وہ کیا گل کھلاتی۔

## دخترِ سخاوت

تو بہر حال! یہ شراب جو ہے، اس کو عرب بِنْتُ الْکَرَمْ بھی کہتے ہیں۔ حالاں کہ کرم انسانی کے اندر کی بہت بڑی خوبی سخاوت اور جو اچھے اوصاف ہیں اس کے لیے بولا جاتا ہے، وہ اس کو کرم اس لیے کہتے تھے کہ آدمی جب شراب پیتا ہے نا تو اس کی مستی کے اندر اس میں مال کو خرچ کرنے کی کیفیت اور جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، بخل والی بات باقی نہیں رہتی اور عربوں میں بخل کا جذبہ بڑا خطرناک سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کا جملہ بخاری شریف میں ہے: أَيُّ دَاءٍ أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ (۱) کہ بخل سے بڑھ کر آدمی میں اور کون سی بیماری ہوسکتی ہے اور سخاوت کو سب سے اچھا وصف قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ شراب پینے کے نتیجے میں آدمی کے اندر مال خرچ کرنے کا، سخاوت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے؛ اس لیے وہ انگور کو "کَرْمْ" اور شراب کو بِنْتُ الْکَرْمْ کہا کرتے تھے۔

## انگور کو کَرم کہنے کی ممانعت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس کے اوپر پابندی لگائی اور شریعت نے شراب کو حرام فرمایا تو آپ نے فرمایا: لَاتُسَمُّوا الْعِنَبَ الْكَرْمَ (۲) کہ انگور کو کرم مت کہو، گویا اس کو کرم کہنے سے شراب کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور اسلام شراب کی حوصلہ شکنی کرنا چاہتا ہے۔

## دینِ اسلام انسانی فطرت کا لحاظ کر کے احکام دیتا ہے

تو بہر حال! شروع اسلام میں شراب کی حرمت اور ممانعت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، استعمال کی جاتی تھی، جب حضراتِ مہاجرین ہجرت کر کے مدینہ منورہ گئے، اس وقت بھی شراب کا سلسلہ جاری تھا، البتہ ہر دور میں، ہر زمانے میں کچھ سمجھ دار لوگ ہوتے ہیں جو ایسی مُضِرّ چیزوں کے ضرر اور نقصان کو محسوس کرتے ہیں تو شراب کے نقصان کو محسوس کرتے ہوئے بعض حضراتِ صحابہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، اور بھی بعض صحابہ کے نام بتائے جاتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

(۱) صحيح البخاری، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، باب وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ.
(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب لَاتَسُبُّوا الدَّهْرَ.

میں حاضر ہوئے اور شراب کے متعلق دریافت کیا[۱]۔ قرآنِ پاک میں شراب کی حرمت ایک دم سے نازل نہیں ہوئی ہے۔ اسلام جو ہے، وہ انسان کے مزاج کی اور اس کی طبیعت کی بڑی رعایت کرتا ہے۔ ایک آدمی کسی چیز کا عادی ہو، کسی چیز کی اس کو عادت پڑ گئی ہو اور آپ اس کو ایک دم سے اس سے روک دیں تو یہ چیز اس کی صحت کے اعتبار سے بھی مضر ہوتی ہے اور اس کے لیے مشکل بھی ہو جاتا ہے۔

## شراب کی حرمت کا پہلا مرحلہ

اسلام نے شراب کو حرام قرار دینے کے معاملے میں بتدریج یعنی دھیرے دھیرے، جس کو گجراتی میں ''طبقہ وار'' کہتے ہیں، وہ طریقہ اختیار کیا، چناں چہ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شراب کے متعلق ان حضرات نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! شراب کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ تو فوراً قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَسْـئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَـمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْـمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا﴾ [البقرۃ: ۲۱۹]: اے اللہ کے نبی! یہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ اس میں بڑے گناہ کے کام بھی ہیں اور کچھ فائدے بھی ہیں لیکن اس کا گناہ فائدے سے بڑھ کر کے ہے، نقصان زیادہ ہے۔ جو سمجھ دار تھے، وہ سمجھ گئے کہ قرآن کی اس آیت میں شراب کو حرام نہیں کیا گیا

---

(۱) {يَسْـأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ} سبب نزولها سؤال عمر ومعاذ، قالا: يارسول الله، أفتنا في الخمر والميسر، فإنه مذهبة للعقل، مسلبة للمال. فنزلت (تفسير البحر المحيط ۲/۱۰۸)

لیکن یہ بتلایا گیا کہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے، گویا ایک مشورہ دیا جارہا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت سے حضرات نے شراب پینا چھوڑ دیا۔ کچھ حضرات نے یہ سوچا کہ شراب میں اگرچہ کچھ نقصان ہے لیکن اس میں جو نقصان ہے، ہم اس نقصان سے خود کو بچانے کا اہتمام کرتے ہوئے شراب کا استعمال کریں گے؛ اس لیے کہ ابھی تک اس کو ممنوع اور ناجائز قرار نہیں دیا ہے تو انھوں نے اس کا سلسلہ اب بھی جاری رکھا اور بہت سوں نے اپنے طور پر چھوڑ دیا اور مشورے کو قبول کرلیا۔

## حرمتِ خمر کا دوسرا مرحلہ

اس کے بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کی دعوت کی، اس میں شراب رکھی ہوئی تھی؛ کیوں کہ وہ ابھی حرام نہیں ہوئی تھی۔ سب جانتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں کہ جہاں جہاں اس شراب کو ممنوع نہیں سمجھا جاتا اور اس پر پابندی نہیں ہوتی، وہاں کوئی دعوت بغیر شراب کے نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس دعوت میں بھی شراب رکھی ہوئی تھی، پینے والوں نے پی رکھی تھی اور مغرب کا وقت آ گیا اور اسی حال میں نماز کے لیے کھڑے ہوگئے، جو امام تھا، انھوں نے سورۂ کافرون کی تلاوت کی: قُلْ يٰأَيُّهَا الْكٰفِرُونَ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (۱) اے کافرو! تم جس کی عبادت کرتے ہو میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ حالاں کہ لَا أَعْبُدُ ہے کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا لیکن ''لَا'' کو چھوڑ دیا اور نشے میں پتہ بھی نہیں

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، باب وَمِنْ سُورَةِ النِّسَاءِ.

چلا تو اس کے فوراً بعد قرآنِ پاک کی ایک دوسری آیت نازل ہوئی: ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰی﴾ [النساء:۴۳] اے ایمان والو! تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔

چناں چہ نماز کے اوقات میں شراب پینے پر پابندی لگا دی گئی، یہ شراب کی حرمت کا دوسرا مرحلہ ہے۔

## حرمتِ خمر کا تیسرا اور حتمی مرحلہ

اس کے بعد ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی دعوت کی، یہ حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ خود انصاری ہیں تو اس دعوت میں انصار بھی تھے۔ مہاجرین بھی تھے۔ اب یہ شراب ایسی خطرناک چیز ہے کہ آدمی جب اس کو پیتا ہے تو پینے کے نتیجے میں اس کی عقل اور ہوش وحواس ختم ہو جاتے ہیں، پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کیا کر رہا ہے، کیا بول رہا ہے، ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ اگر ہوش میں آنے کے بعد اس کو بتایا جائے تو وہ خود بھی اس پر شرمندہ ہو۔

## شراب انسان کو ہوش وحواس سے یکسر بے گانہ کر دیتی ہے

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر شرابی کے دو واقعے لکھے ہیں: ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک شرابی ایک مرتبہ شراب پینے کے بعد پیشاب کرنے بیٹھا اور اپنا پیشاب اپنے چلّو میں لے کر خود ہی اپنے منہ پر ڈال رہا تھا اور پڑھ رہا تھا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِی مِنَ التَّوَّابِینَ وَاجْعَلْنِی مِنَ الْمُتَطَهِّرِینَ۔

## أكرمك الله كما أكرمتني

ایک شرابی اور ہے جو شراب پی کر زمین کے اوپر پڑا ہے، کتا آ کر کے اس کا چہرہ چاٹ رہا ہے تو وہ یوں سمجھا کہ کوئی انسان ہے جو میرے ساتھ اچھا سلوک کر رہا ہے تو اس نے اس دعا دیتے ہوئے کہا: أكرمك الله كما أكرمتني: جس طرح تم مجھے عزت دے رہے ہو، اللہ تمھیں بھی عزت دے (۱)۔

## آیتِ کریمہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ کا شانِ نزول

تو شراب کا حال تو ایسا ہی ہے، جب آدمی شراب کے نشے میں دھت ہوتا ہے تو اس کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ تو بہر حال! نشے میں تھے، ہوش وحواس گم کیے ہوئے تھے، عرب میں ایک پرانا دستور یہ بھی تھا کہ جب مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے تھے تو ہر قبیلے والا اپنے قبیلے کی خوبیاں، کمالات اور ان کی جو چیزیں مشہور ہوتی تھیں ان کو بیان کرتا تھا اور دوسرے قبیلے کی برائیاں کرتا تھا، اس موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کے فضائل اور کمالات اور انصار کی تنقیص اور برائیاں بیان کرنی شروع کیں تو وہاں جو انصار تھے ان کو بھی غصہ آ گیا، ایک نوجوان تھے، ایک تازہ اونٹ ذبح کیا گیا تھا، اس کے شانے کی بازو کی جو ہڈی ہوتی ہے، وہ ذرا چوڑی ہوتی ہے، وہ لے کر کے ماری تو ان کا چہرہ زخمی کر دیا، بہت سی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ بہت سارے لوگ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے، جب ہوش آیا

---

(۱) تفسیر القرطبي ۳/۵۷.

تو دیکھا کہ کسی کا سر پھٹا ہوا ہے، کسی کا چہرہ زخمی ہے، کسی کی داڑھی نوچی ہوئی ہے تو آپس میں ایک دوسرے کے لیے عداوت پیدا ہوگئی، اس کی شکایت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کی گئی تو قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰، ۹۱] (۱) کل چار آیتیں ہیں، یہ دو اور سورۂ نساء کی ایک آیت اور ایک سورۂ بقرہ کی ہے۔

## آیت کا مفہوم

ان میں سے اس آیت میں کہا گیا: اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ کہ: شراب اور جُوا اور یہ بت اور فال نکالنے کے تیر جو ان کے یہاں ہوا کرتے تھے، یہ سب گندی چیزیں ہیں، رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ: شیطان کا کام ہے، فَاجْتَنِبُوْهُ: تم اس سے بچو۔ آگے فرمایا: اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ: کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعہ دشمناوٹ اور بغض پیدا کرے، وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ: اور تمھیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکنا چاہتا ہے۔

---

(۱) تفسير القرطبي، ۶/۲۸۶.

## حرمتِ خمر کے نزول پر صحابۂ کرام کا ردِّ عمل

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شراب کی حرمت کا اعلان فرمایا، روایتوں میں آتا ہے کہ بعض لوگوں کے ہاتھ میں گلاس ہے اور یہ اعلان سنا تو گلاس نیچے پھینک دیا، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ بعضوں کے منہ میں جو گھونٹ تھا، اس کو حلق سے نیچے نہیں اتارا، باہر نکال دیا اور جن مٹکوں میں شراب تھی، وہ مٹکے توڑ دیے گئے۔ بخاری شریف کے اندر روایت ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سوتیلے ابّا حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں فلاں فلاں صحابہ کو شراب پلا رہا تھا، اتنے میں باہر سے آواز آئی، ان لوگوں نے کہا کہ دیکھو! کس چیز کی آواز ہے، کوئی اعلان ہو رہا ہے۔ گھر میں اس طرح کا اعلان عام طور پر سنائی نہیں دیتا تو آدمی اس کو سننے کے لیے باہر نکلتا ہے، گیلیری میں یا دروازے سے باہر۔ فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے کہا کہ جاؤ! ذرا باہر جا کر دیکھو، سنو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے باہر جا کر سنا اور پھر اندر آ کر بتایا کہ شراب حرام کر دی گئی تو سبھی مٹکے توڑ دیے (۱)۔

## مدینہ کی گلیاں شراب کی نالیاں بن گئیں

کہتے ہیں کہ مدینے میں اس دن اس کثرت سے شراب بہی ہے جیسے تیز بارش میں ساری نالیاں پانی سے بھر کر بہنے لگتی ہیں اور مدتوں تک ایسا ہوا کہ بارش ہوتی تھی تو

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ، بَابُ قَوْلِهِ {إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ}.

اس کے پانی میں شراب کا رنگ اور اس کی بدبو ظاہر ہوتی تھی۔ ان کے دلوں میں اسلامی احکام پر عمل کا ایسا جذبہ تھا، سبھی حضرات نے شراب گھر سے باہر نکال کر پھینک دی، بہت سے لوگوں کے پاس تجارتی شراب تھی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بھی فرمایا کہ بھائی تمھارے گوڈاؤن میں جتنا بھی شراب والا مال ہے، لاکر جمع کراؤ، چنانچہ سب نے لاکر جمع کر دیا۔

## حکمِ الٰہی کی تعمیل میں زندگی کی جمع پونجی داؤ پر لگادی

ایک صحابی شراب کی تجارت کرتے تھے، ان کی ساری پونجی اور کیپیٹل (capital) اس وقت شراب میں لگی ہوئی تھی اور اسی زمانے میں شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ وہ ملکِ شام مالِ تجارت لے کر گئے تھے اور سب بیچ کر اس کے بدلے میں شراب خرید کر لائے تھے اور ابھی تو مدینہ میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ باہر ہی پتہ چلا کہ شراب حرام ہو چکی ہے تو اپنا سارا مال وہیں رکھ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو اطلاع دی، آپ نے وہ سب شراب منگوائی، چناں چہ لائی گئی اور سب شراب پھینک دی گئی، اس زمانے میں شراب چمڑے کے مشکیزوں میں رکھی جاتی تھی، خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مشکیزے چیر کر کے شراب بہائی پھر کچھ صحابہ کو اس پر مقرر کر دیا، مدینے میں اس کثرت سے شراب بہی ہے، جیسے بارش کے زمانے میں تیز بارش گرنے کے وقت پانی بہتا ہے۔

## عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر

یہ تھا صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اسلام اور اسلام کے احکام کے سامنے اپنے

آپ کو جھکا دینا۔ حرمت کا حکم نازل ہوا تو کوئی چوں چرا نہیں کی، گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں، منہ کے اندر کا گھونٹ حلق سے نیچے اتار دیتے تو کون روکنے والا تھا؛ لیکن نہیں، اللہ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے وہ اپنے آپ کو اسی طرح پیش کیا کرتے تھے۔ یہ وہ تربیت تھی، ایمانی تربیت، ایمانی تقاضا۔ آج بڑی بڑی حکومتیں اعلان کرتی ہیں کہ فلاں چیز کو چھوڑ دیا جائے، آج فلاں ''ڈے'' (DAY) منایا جائے تو بجائے اس کے کہ اس چیز کو چھوڑیں، اس دن اس چیز کا استعمال اور زیادہ کر دیتے ہیں، قرآنِ پاک میں شراب کی حرمت کے حکم کو نازل کرنے کے ساتھ ساتھ حدیث پاک میں اس پر بڑی بڑی وعیدیں سنائی گئی ہیں، إن شاء اللہ تعالی آئندہ کسی مجلس میں موقع ملا تو اسی پر مزید باتیں ہوں گی۔

## سلیم الفطرت حضرات جنھوں نے حرمت سے پہلے بھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا

ویسے صحابہ میں بعض وہ بھی تھے جنھوں نے اپنی زندگی میں کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا، نہ اسلام سے پہلے، نہ اسلام کے بعد، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، وہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں، روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو سلام کہلوایا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمیں ان کی چار باتیں بہت پسند ہیں۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ

کے واسطے اللہ تعالیٰ کا سلام لے کر کے آئے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بھی کہلوایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی چار باتیں بہت پسند ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: وہ چار باتیں کون سی ہیں؟ تو اس کے جواب میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں شراب کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا، نہ زمانۂ جاہلیت میں، نہ اسلام قبول کرنے کے بعد، وہ عقل کو ختم کرنے والی چیز ہے، جب آدمی کی عقل ہی باقی نہیں رہے گی تو وہ جو کچھ بھی وہ کرلے، وہ کم ہی ہے۔ پھر انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا؛ اس لیے کہ جھوٹ کو میں ذلت اور ضلالت کی چیز سمجھتا ہوں۔ تیسری بات یہ کہ میں نے کبھی بت پرستی نہیں کی، کبھی میں نے اپنی حاجت بتوں کے سامنے پیش نہیں کی اور نہ ان کو میں نے کبھی حاجت روا سمجھا اور چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی غیرت عطا فرمائی ہے کہ کبھی میں نے اجنبی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ یہ چار باتیں تھیں، جن کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت جعفرؓ کو سلام کہلوا کر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

## حضرت عمرؓ کی دعا

تو بہر حال! ایسے لوگ بھی بہت سے تھے لیکن قرآن کی مذکورہ آیت نازل ہونے کے بعد بھی بہت سے حضرات نے شراب پینا چھوڑ دیا، اس کے باوجود چوں کہ اس میں صاف صاف ممانعت نہیں آئی تھی؛ اس لیے حضرت عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے دعا کی: اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا: یا اللہ! شراب کے

بارے میں واضح اور دوٹوک حکم ہمارے سامنے بیان کردیجیے، یہ جو آیت نازل فرمائی، اس سے اشارہ تو معلوم ہوتا ہے لیکن صاف صاف نہیں ہے(۱)۔

## نشے کی حالت میں قرآنِ کریم کی غلط تلاوت پر ایک اَور آیتِ خمر کا نزول

تو اس کے بعد ایک موقع پر ایسا ہوا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دعوت کی تھی اور اس زمانے کے دستور کے مطابق شراب کا دور چلا اور اس کے بعد مغرب کی نماز کا وقت آیا، جو صاحب مغرب کی نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھے تھے، انھوں نے قرآنِ پاک کی آیت کو، سورۂ کافرون کو غلط پڑھ دیا: قُلْ يَأَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ کو أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ پڑھ دیا، اس وقت قرآنِ پاک کے اندر شراب کے سلسلے میں دوسری آیت نازل ہوئی: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ [النساء:۴۳] اے ایمان والو! تم شراب کی حالت میں، نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھا کرو، اس کے قریب مت جاؤ۔ چنانچہ نماز کے اوقات میں شراب حرام ہوگئی۔

## شراب بغض وعداوت کا باعث ہے

اس کے بعد ایک موقع پر ایسا ہوا کہ دعوت تھی، اس میں شراب پینے کے نتیجے میں جب عقل ختم ہوئی تو آپس میں مفاخرہ اور ایک دوسرے پر فخر کرنے کے نتیجے میں آپس میں ٹکراؤ ہوا، لڑائی ہوئی، مار پٹائی ہوئی، جب ہوش میں آئے تو دیکھا کہ کسی کا سر

---

(۱) سنن النسائي، عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب تحريم الخمر قال الله تبارك وتعالى.

پھٹا ہوا ہے، کسی کا چہرہ زخمی ہے، کسی کی داڑھی نوچی ہوئی ہے اور جب دعوت کے لیے جمع ہوئے تھے، تب تو بڑی محبت تھی اور اب آپس میں ایک دوسرے کی برائی کر رہے ہیں تو اسی پر قرآنِ پاک میں شراب کی حرمت والی آیت نازل ہوئی اور شراب کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا اور فرمایا: ﴿هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ﴾ [المائدة: ۹۱]: کیا تم باز آؤ گے؟ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: انتهينا، انتهينا: کہ اے ہمارے پروردگار! ہم باز آ گئے (۱)۔

## شراب کی حرمت میں تدریج کی حکمت

تو بہر حال! شراب کو حرام قرار دیا گیا اور یہ تدریجی انداز اور دھیرے دھیرے شراب کی حرمت کا نزول انسانی طبیعت کے لحاظ سے ہوا؛ اس لیے کہ جب کسی کو ایک عادت پڑ جاتی ہے تو اس عادت کو اچانک چھوڑنا انسان کے لیے بڑا مشکل کام بن جاتا ہے، یعنی جیسے بچے کو دودھ چھڑایا جاتا ہے، عادت کو چھڑانا اس سے بھی زیادہ سخت ہوا کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے گویا دھیرے دھیرے ان کی تربیت فرمائی اور ان کو متوجہ کیا اور جب یہ چیز ان کے دل میں راسخ ہوئی اور اس کے قابل ہو گئے تو شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا، شراب کے اس قدر عادی ہونے کے باوجود جب اس کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو اسی وقت شراب کو یک لخت چھوڑ دیا، یہ ایمانی قوت کی بات تھی۔ بہر حال! جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ بعض کے ہاتھ میں گلاس ہے تو اس کو زمین پر پھینک دیا،

---

(۱) تفسير القرطبي، ۲۰۰/۵.

کسی کے منہ میں شراب کا گھونٹ ہے، اس کو حلق سے نیچے نہیں اتارا، باہر اگل دیا۔

## شراب سے متعلق دس آدمیوں پر لعنت

جب شراب کی حرمت آئی تو اس کے بعد اس کے بارے میں بڑا سخت رویہ اختیار کیا گیا، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب کے بارے میں دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے: ایک تو بنانے والے پر دوسرا: بنوانے والے پر، تیسرا: بیچنے والے پر، چوتھا: اس کی قیمت کھانے والے پر، پانچواں: خریدنے والے پر، چھٹا: جس کے لیے خریدا جارہا ہے، اس کے اوپر، ساتواں: پینے والے پر، آٹھواں: پلانے والے پر، نواں: اٹھا کر لے جانے والے پر اور دسواں: جس کے لیے اٹھا کر کے لے جایا رہا ہے، اس کے اوپر (۱)۔ دس آدمیوں پر شراب کی وجہ سے لعنت اور پھٹکار آئی ہے۔

## شراب پینے والے کے بارے میں دوسری وعیدیں

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مشکوۃ شریف میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَشْهَدُ بِاللّٰهِ أَشْهَدُ لَقَدْ قَالَ لِيْ جِبْرِيْلُ بِاللّٰهِ إِنَّ مُدْمِنَ الْخَمْرِ كَعَابِدِ الْوَثَنِ: میں اللہ کی قسم کھا کر کے یہ بات کہتا ہوں، اللہ کی قسم کھا کر کے یہ بات کہتا ہوں کہ مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ جو آدمی شراب کا عادی ہو، وہ ایسا ہے جیسے بت پرست، بتوں کی پوجا کرنے والا (۲)۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بت پرستی

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ لُعِنَتِ الْخَمْرُ عَلَى عَشَرَةِ أَوْجُهٍ.

(۲) مُصنف ابن أبي شيبة، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ رُوَيْمٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ أَوَّلِ مَا فُعِلَ وَمَنْ فَعَلَهُ.

کے بعد سب سے پہلی چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے منع فرمایا، وہ شراب نوشی ہے اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مُدْمِنُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ وَثَنٍ اور بعض روایتوں میں یوں بھی آتا ہے: كَعَابِدِ اللاَّتِ وَالْعُزّٰی (۱) یعنی جو شراب کا عادی ہو وہ ایسا ہے جیسے بت پرست ہوا کرتا ہے، جیسے لات اور عُزّی جو زمانۂ جاہلیت کے بت ہیں، ان کی پوجا کرنے والے جیسا، بعض روایتوں میں تو یوں بھی ہے کہ جو شخص شراب کا عادی ہو اور بغیر توبہ کے مرے گا تو اللہ کے حضور میں بت پرستوں کی شکل میں پیش کیا جائے گا (۲)۔ وہاں میدانِ حشر کے اندر اس پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔

## گناہ گار گناہ کے ارتکاب کے وقت مؤمن نہیں رہتا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلاَ يَسْرِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلاَ يَشْرَبُ حِينَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ (۳): کہ زنا کرنے والا جب زنا کر رہا ہوتا ہے تو وہ مؤمن نہیں ہوتا، چوری کرنے والا جس وقت چوری کر رہا ہوتا ہے، وہ ایمان میں نہیں ہوتا، شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، وہ ایمان میں نہیں رہتا، بعض روایتوں میں ہے کہ جب آدمی شراب پی رہا ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس میں سے ایمان کو اس طرح کھینچ لیتے ہیں، نکال لیتے ہیں،

(۱) مُصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح الفاظ ہیں: مُعَاقِرُ الْخَمْرِ كَعَابِدِ اللاَّتِ وَالْعُزّٰی (بابٌ فِي الْخَمْرِ، وَمَا جَاءَ فِيهَا.)

(۲) مُدْمِنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ، لَقِيَ اللهَ كَعَابِدِ وَثَنٍ. (مسند أحمد، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا)

(۳) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب إِثْمِ الزُّنَاةِ.

جس طرح تم میں سے کوئی آدمی لباس نکالتے وقت، کرتہ نکالتے وقت اپنے سر میں سے لباس کو کھینچ کر نکالا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو کھینچ کر اسی طرح نکال لیا کرتے ہیں۔ بڑی سخت وعیدیں ہیں۔

## شرابی کی ۴۰؍دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں

بعض روایتوں میں یہاں تک آتا ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس آدمی نے ایک مرتبہ شراب پی تو اس کی ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی پھر جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتے ہیں پھر اگر وہ شراب پیئے گا تو پھر ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی پھر جب وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتے ہیں پھر اگر وہ تیسری مرتبہ شراب پیئے گا تو پھر ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی، پھر اگر وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیں گے، پھر اگر وہ چوتھی مرتبہ شراب پیئے گا تو پھر ''۴۰'' دن کی نمازیں قبول نہیں ہوگی، پھر اگر وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ توبہ بھی قبول نہیں کریں گے(۱)۔

## شرابی شیطان کا دوست بن جاتا ہے

بعض روایتوں میں ہے کہ جب آدمی شراب پیتا ہے تو شراب کے پینے کے نتیجے میں اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آڑ جو حفاظت کے لیے ہوتی ہے، وہ نافرمانی اور معصیت کے نتیجے میں ختم کر دی جاتی ہے اور پھر شیطان اس کا دوست بن

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا.

جاتا ہے، اور شیطان اس کی آنکھ بن جاتا ہے، شیطان اس کا ہاتھ بن جاتا ہے، اور شیطان اس کا پاؤں بن جاتا ہے، ہر برائی کی طرف اس کو لے جاتا ہے اور ہر نیکی سے اس کو روکتا ہے۔ اس کے بارے میں ایسی سخت سخت وعیدیں آئی ہیں کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے، بڑے عجیب وغریب انداز میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

## شرابی برے خاتمے سے ہم کنار ہوتا ہے

چناں چہ بہت سے شرابیوں کے واقعات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آدمی گناہ کی وجہ سے بہت سی مرتبہ موت کے وقت ایمان سے محروم جاتا ہے، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے واقعہ لکھا ہے کہ ایک شرابی کا آخری وقت آیا، لوگ اس کو کلمہ تلقین کر رہے ہیں کہ کلمہ پڑھو، اس کے سامنے کلمہ پڑھ رہے ہیں تو وہ بجائے کلمہ پڑھنے کے کہتا ہے: ''شراب کا ایک گلاس تو بھی پی، مجھے بھی پلا، تو بھی پی، مجھے بھی پلا'' بار بار اس کی طرف سے یہی مطالبہ ہے، جو لوگ اس کے قریب بیٹھے ہیں، بڑے پریشان ہیں لیکن وہ یہی کہتا جا رہا ہے کہ مجھے شراب دو، تم بھی پیو، مجھے بھی پلاؤ۔ آخر گھر والوں نے تنگ آ کر اس کو شراب لا کر دی، اس نے منہ میں شراب کا ایک گھونٹ لیا، آخر ایسی حالت میں موت آئی کہ اس کے منہ میں شراب تھی۔ لوگ جب غسل دے رہے تھے تو اس کا منہ شراب کی بدبو سے آلودہ تھا، اس حالت میں موت آئی۔

## افیون کے نقصانات اور مسواک کے فوائد

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فضائلِ ذکر میں لکھا ہے کہ افیون کے ''۷۰'' نقصانات

ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا ہے؛ اس لیے کہ وہ نشہ پیدا کرنے والی چیز ہے اور مسواک کے ''۷۰'' فائدے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائے، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد آتا ہے۔

## بطورِ علاج شراب پینے والے کے ساتھ عالمِ برزخ میں سلوک

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ایک مرید تھا، جب اس کی موت کا وقت آیا تو آپ اس کو کلمہ تلقین کر رہے ہیں اور وہ کہتا ہے کہ مجھے تو کلمے سے بہت دوری ہو رہی ہے، حضرت کو اس کا بڑا صدمہ ہوا، اسی حالت میں اس کی موت واقع ہوئی، روتے ہوئے باہر نکل گئے، بعد میں خواب میں دیکھا کہ فرشتے جکڑ کر کے اس کو جہنم کی طرف دھکا دے رہے ہیں تو خواب ہی میں پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تیرے کس عمل کی وجہ سے تیرے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں شراب پیا کرتا تھا تو فرمایا کہ کبھی تجھے دیکھا تو نہیں گیا، عادت تو تھی نہیں تو کہا کہ مجھے بیماری تھی، طبیبوں نے مجھے بتلایا تھا کہ سال میں اگر ایک مرتبہ شراب پیئے گا تو اس بیماری سے محفوظ رہے گا تو میں سال میں ایک مرتبہ شراب پیتا تھا تو اس پر یہ معاملہ ہوا۔

## شراب نہ پینے والے کی جزا اور پینے والے کی سزا

یہ شراب بڑی خطرناک چیز ہے، حدیث میں ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ جو آدمی شراب پیئے گا اگر ایک گھونٹ بھی پیئے گا تو اسے ''طِینَۃُ الْخَبَالِ'' پلائے گا، حدیث میں آتا ہے کہ ''طِینَۃُ

الْخَبَالِ" جہنمیوں کا خون اور پیپ ہے جو جمع ہو کر کے بہتا ہے[1]، وہ اللہ تعالیٰ اس کو پلائیں گے۔ اور جو آدمی اللہ کے خوف سے شراب کو چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو حِیاض القدس میں سے یعنی جنت کے اندر جو پاکیزہ حوض ہیں، جن میں اللہ کی طرف سے نہروں کے اندر پاکیزہ شرابیں بہائی جاتی ہیں، وہ پلایا جائے گا ﴿وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ [الانسان: ۲۱][2]۔

جنت کے اندر جو چار نہریں ہیں، ان میں ایک شراب کی نہر بھی ہے لیکن جنت کی شراب دنیا کی شراب کی طرح نہیں ہے جو بدبودار بھی ہو اور اس کو پینے سے آدمی کے ہوش و حواس بھی کھو جائیں، نہیں بلکہ وہ تو خوشبودار ہے، ﴿يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ﴾ [المطففین: ۲۵، ۲۶] کہ: وہ ایسی شراب ہے جو سربمہر ہوگی اور جس کے اوپر مشک کی مہر لگی ہوئی ہوگی، ایسی شراب جنتیوں کو پلائی جائے گی۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جو دنیا میں شراب پیئے گا، وہ آخرت میں جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔

## شرابیوں کو نہرِ غوطہ سے پلایا جائے گا

یہ شراب بڑی خطرناک چیز ہے، اس کی وجہ سے عقل ختم ہو جاتی ہے۔ بعض

---

(۱) كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ إِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهْدًا لِمَنْ يَشْرَبُ الْمُسْكِرَ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا طِينَةُ الْخَبَالِ قَالَ: عَرَقُ أَهْلِ النَّارِ أَوْ عُصَارَةُ أَهْلِ النَّارِ (صحيح مسلم، عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه)

(۲) وَلَا يَتْرُكُهَا مِنْ مَخَافَتِي إِلَّا سَقَيْتُهُ مِنْ حِيَاضِ الْقُدُسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (مسند أحمد، عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضي الله عنه)

روایتوں میں ہے کہ جو آدمی اس حالت میں مرا کہ شراب پیتا تھا اور اس نے توبہ نہیں کی تو اللہ تعالیٰ اسے نہرِ غوطہ میں سے پلائیں گے، پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! یہ نہرِ غوطہ کیا ہے؟ الترغیب والترہیب کی روایت ہے کہ پوچھا گیا کہ یہ نہرِ غوطہ کیا ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدکار عورتیں، زنا کرنے والی عورتیں جہنم میں ڈالی جائیں گی تو ان کی شرم گاہوں سے ایک ایسا بدبودار مادہ بہے گا کہ اس کی بدبو سے جہنمی بھی پریشان ہوں گے، یہ اس کو پلایا جائے گا تو بہرحال یہ نشہ آور چیز بڑی خطرناک ہے (۱)۔

## ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص یمن سے آیا اور اس نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے یہاں ایک شراب ہے جو ''جَو'' سے بنائی جاتی ہے اور لوگ اسے مِزْر کہتے ہیں، آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا اس کے پینے سے نشہ ہوتا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ: کہ ہر نشہ کرنے والی چیز شراب ہے اور ہر نشہ کرنے والی چیز حرام ہے (۲)۔

## شراب کے ظاہری، جسمانی نقصانات

تو بہرحال! یہ نشہ کرنے والی چیز حرام ہے۔ آج کل تو ہمارے جوانوں میں یہ

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، عَنْ أَبِي مُوسَى، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، كتاب الأشربة.

(۲) صحيح البخاري، عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب بَعْثِ أَبِي مُوسَى وَمُعَاذٍ إِلَى الْيَمَنِ قَبْلَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ.

نشہ کرنے والی چیزیں بہت عام ہوتی جارہی ہیں اور یہ منشیات اور ڈرگس (drugs) کا استعمال بھی بہت بڑھتا جارہا ہے، بہت عام ہورہا ہے، اس کے نتیجے میں لوگوں کی زندگیاں، گھرانے کے گھرانے، خاندان کے خاندان تباہ ہوگئے، ختم ہوگئے۔ اطبا نے لکھا ہے کہ اس شراب کا اتنا نقصان ہے کہ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ جزءِ بدن بنتی ہی نہیں، دوسری چیزوں کا حال تو یہ ہے کہ وہ جزءِ بدن بنتی ہے لیکن یہ تو جزءِ بدن بنتی ہی نہیں، اس سے خون نہیں بنتا، وہ جیسی ہوتی ہے، ویسی ہی نکلتی ہے، البتہ اس کی وجہ سے آدمی کے جسم میں ہیجان پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے آدمی کے معدے کا ہاضمے کا جو نظام ہے، وہ ختم ہوجاتا ہے اور لکھا ہے، سب اطبا کہتے ہیں کہ جو آدمی شراب پیتا ہے، چالیس سال کی عمر میں اس کے جسم کا وہ حال ہوجاتا ہے جو ساٹھ سال کی عمر والے کے جسم کا ہوتا ہے، اس کے پینے کے نتیجے میں آدمی کے جگر کو بھی نقصان پہنچتا ہے، جگر متاثر ہوتا ہے، گردے متاثر ہوتے ہیں اور آدمی کی رگیں اس کی وجہ سے سخت ہوجاتی ہیں، پٹھے سخت ہوجاتے ہیں اور اس کی وجہ سے آدمی کی عقل کے اندر بھی فتور آتا ہے، پیے ہوئے ہونے کی حالت میں تو آتا ہی ہے۔

## آدھے ہسپتال اور آدھے جیل خانے خود بخود بند ہوسکتے ہیں

اور بہت سوں کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ شراب پی ہوئی ہے اور اس حالت میں کیا ہورہا ہے، پتہ ہی نہیں، اپنی بیوی کو طلاق بھی دے دیتے ہیں، حالاں کہ مسئلہ یہ ہے کہ ایسی حالت میں دی ہوئی طلاق بھی پڑ جاتی ہے، بہت سے لوگ بتلاتے ہیں کہ بہت

سے شرابی گھر میں آتے ہیں اور بیوی کو روزانہ طلاق دیتے ہیں اور پھر بھی ان کے ساتھ رہ رہے ہیں، گویا زندگی بھر زنا کا ارتکاب کیا جا رہا ہے تو یہ شراب بڑی خطرناک چیز ہے، اس کے بڑے خطرناک اثرات ہیں۔ ایک جرمن ڈاکٹر کا قول ہے کہ اگر دنیا میں آدھے شراب خانے بند کر دئے جائیں تو آدھے ہسپتال اور آدھے جیل خانے خود بخود بند ہو جائیں گے یعنی ان کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

## منشیات اور ہماری قوم

آج ہمارے معاشرے میں شراب کا اتنا زیادہ رواج ہوتا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ ضرورت ہے کہ خاندان کے بڑے اپنے چھوٹوں کی نگرانی کریں۔ آج کل تو حال یہ ہے کہ شراب کو رواج دینے والے، اس کی تجارت کرنے والوں میں مسلمان کا نام سرِ فہرست ہوتا ہے محض تھوڑے سے مالی فائدے کے لیے! ابھی جو قرآن میں کہا گیا: فِيهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ: تو منافع کے متعلق بھی لکھا ہے کہ اس میں دوسرا کوئی جسمانی یا روحانی فائدہ تو ہے نہیں، صرف مالی فائدہ ہے، اب اس مالی فائدے کی وجہ سے لوگ اس زہر کو معاشرے کے اندر پھیلاتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو استعمال کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعہ سے یہ ہیروئن اور اس طرح کی پڑیائیں اور دوسری چیزیں ادھر سے اُدھر پہنچانے کا کام کرتے ہیں، عورتوں سے بھی یہ کام لیا جا رہا ہے، عورتیں بھی یہ کام کرتی ہیں اور اِدھر سے اُدھر پہنچا رہی ہیں، اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو استعمال کیا جاتا ہے، یہ لوگ اپنا دنیوی مفاد حاصل کرنے کے لیے

معاشرے میں اس لعنت کو پھیلا کر کیا حاصل کریں گے؟ کیا ان پیسوں سے ان کی دنیا بننے والی ہے؟ نہیں، خود وہ بھی ہلاک و برباد ہوتے ہیں اور پورے معاشرے اور سماج کو بھی ہلاکت کے گھاٹ اتارتے ہیں۔

## شراب کے نقصانات ''اظہر من الشمس'' ہیں

ضرورت ہے کہ یہ لوگ اپنا محاسبہ کریں اور ایسوں کو سمجھایا جائے، اس کی برائیاں تو اتنی عام ہیں کہ آپ جگہ جگہ دیکھتے ہیں کہ سائن بورڈ پر لکھا رہتا ہے: ''دارو چھوڑو، دارو چھوڑو'' اس کے لیے باقاعدہ ایک مہم چلائی جاتی ہے، ایک تحریک ہے جو چلائی جارہی ہے، حکومت کی طرف سے اس کے لیے باقاعدہ ایک شعبہ ہوتا ہے تو بہرحال! یہ ضرورت ہے، اس کے نقصانات تو بالکل ''اظہر من الشمس'' ہیں، کھلم کھلا ہیں، ان کی زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بیان کردہ چند احادیث، آپ کے ارشادات آپ کے سامنے پیش کیے جن میں شراب کے متعلق بڑے سخت احکام بتلائے گئے ہیں۔

## نشہ آور دوا کے استعمال سے حضرت عروہ بن زبیرؒ کا پرہیز

ہمارے حضراتِ اکابر کے یہاں اس کا کوئی تصور بھی نہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو مدینہ منورہ کے سات فقیہوں میں شمار ہوتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں اور ان کے بڑے لاڈلے شاگرد تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اکثر احادیث جو بخاری شریف اور دیگر کتبِ احادیث میں ہیں ان کے نقل کرنے والے یہی حضرت

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہیں، بڑے زبردست عالم تھے۔ان کے پاؤں میں ایک زخم لگ گیا اوراس میں سڑا لگ گیا، اطباء نے کہا کہ پاؤں کاٹنا پڑے گا۔اب اس زمانے میں طب نے اتنی ترقیات تو کی نہیں تھی، جب پاؤں کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا تو اطباء نے ان کے سامنے ایک پیالہ پیش کیا اور کہا کہ اس کو نوش فرمالیں، پوچھا: کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ جب آپ اس کو پی لیں گے تو آپ کا پاؤں کاٹتے وقت آپ کو زیادہ تکلیف نہیں ہوگی، پھر پوچھا: بتلاؤ تو سہی! یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے بتایا کہ اس میں نشہ ملا ہوا ہے تو فرمایا کہ یہ تو حرام ہے، میں تو کبھی اس کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا،اب تم میرا پاؤں کاٹنا چاہو تو اسی حالت میں کاٹ لو۔لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کو چاروں طرف سے گھیر کر بیٹھتے ہیں تو فرمایا کہ اس کی بھی ضرورت نہیں میں اپنے اللہ کے ذکر میں مشغول ہوجاؤں گا، مجھے کچھ پتہ نہیں چلے گا۔چنانچہ وہ ''اللہ اللہ'' کے ذکر میں مشغول ہوگئے، پاؤں اسی حالت میں کاٹا گیا اور اس کے بعد جو خون نکلا تو بند ہونے کا نام نہیں لیتا تھا، اس زمانے میں خون بند کرانے کے یہ سب طریقے رائج نہیں ہوئے تھے،تو رگوں کو گرم سلاخوں کے ذریعہ سے داغ دیا گیا،اس کی شدت کی وجہ سے بے ہوش ہوگئے، جب ہوش آیا تو پسینہ پونچھ کر کہنے لگے کہ کہاں ہے میرا وہ پاؤں؟ لوگوں نے کٹا ہوا پاؤں لاکر پیش کیا۔آپ نے اس کو دیکھ کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی،جس نے تجھے میرے جسم کا جزء بنایا اور تو میرا بوجھ اٹھاتا رہا،اللہ گواہ ہے کہ آج تک کبھی کسی گناہ کے کام کی طرف تجھے لے کر نہیں گیا پھر اللہ تعالیٰ سے کہنے لگے کہ اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے چار چار عضو دئے تھے: دو پاؤں اور دو ہاتھ،ان میں سے تو نے ایک واپس لے لیا

لیکن باقی تین تو تو نے باقی رکھے ہیں، تیرا شکر میں کس زبان سے ادا کروں!

## اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی شکر گزاری کا شیوہ اپنایئے

ان کے ایک صاحب زادے تھے لاڈلے، اسی زمانے کے قریب وہ گھوڑے کے اوپر سے گر گئے تھے اور ہلاک ہو گئے تھے، اس پر فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! تو نے سات لڑکے دئے تھے، ان میں سے ایک ہی لیا، باقی چھے تو ہیں، اے اللہ تیرا شکر میں کس طرح ادا کروں۔

## جنت کی شراب کے حصول کے لیے دنیوی شراب کو چھوڑیئے

تو بہر حال! یہ حضرات اس شراب کی ایک بوند بھی اپنے منہ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ میں اپنے ان بھائیوں سے ضرور کہوں گا جو اس لعنت میں گرفتار ہیں کہ اللہ کے واسطے اس سے توبہ کرو، اگر اسی حالت میں دنیا سے رخصت ہوئے تو بڑا اندیشہ ہے اور اگر آپ نے اللہ کے خوف سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کی پاکیزہ شراب پلائیں گے، اللہ تعالیٰ مجھے آپ کو یہ نعمت عطا فرمائے۔

## مردوں کا ریشمی لباس پہننا بھی آزمائشوں کو دعوت دینے والا ہے

وَلُبِسَ الحَرِيْرُ: ریشم پہنا جانے لگے، ریشمی لباس کو مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا، سونے چاندی کے زیورات اور ریشمی لباس عورتوں کے لیے جائز ہے، مردوں کے لیے حرام ہے، عورتوں کے لیے بھی سونے چاندی کے زیورات کی اجازت ہے،

سونے چاندی کی اور چیزیں مثلاً: پیالہ، تھالی وغیرہ، ان کا استعمال نہ مردوں کے لیے جائز ہے، نہ عورتوں کے لیے۔ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ریشم جو مردوں کے لیے حرام قرار دیا گیا ہے، لوگ اس کو پہننے لگیں گے۔

## مصنوعی ریشم پہن سکتے ہیں

بخاری شریف کی روایت میں ہے: لَيَكُونَنَّ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّونَ الْحِرَ وَالْحَرِيرَ وَالْخَمْرَ (۱): میری امت میں سے کچھ لوگ زنا کو اور ریشم کو اور شراب کو حلال سمجھنے لگیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو مسخ کر دیا جائے گا تو بہر حال! ریشم کا استعمال مردوں کے لیے حرام ہے لیکن اگر وہ استعمال ہونے لگے تو وہ اسی وعید میں داخل ہے۔ آج کل ایک مصنوعی ریشم آتا ہے، اس کو آرٹی فیشل (artificial) ریشم کہا جاتا ہے، وہ چوں کہ حقیقی ریشم نہیں ہے؛ اس لیے اس کی گنجائش ہے لیکن اس سے بھی بچنے کا اہتمام کرنا بہتر ہے۔

## موسیقی اور آلاتِ موسیقی کا استعمال بھی عذاب لانے والا ہے

آگے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: وَاتُّخِذَتِ الْقَيْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ: گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے آلات کو اختیار کیا جائے یعنی لوگ عام طور پر اس کو استعمال کرنے لگیں۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي عَامِرٍ، أَوْ أَبِي مَالِكٍ - الأَشْعَرِيِّ، باب مَا جَاءَ فِيمَنْ يَسْتَحِلُّ الْخَمْرَ وَيُسَمِّيهِ بِغَيْرِ اسْمِهِ.

## دورِ جدید میں آلاتِ موسیقی کے کثرتِ استعمال کا مطلب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ جو روایت میں آتا ہے کہ عام طور پر استعمال کیا جانے لگے تو پہلے زمانے میں یہ جو صاحبِ ثروت اور مال دار لوگ ہوا کرتے تھے، وہ خاص طور پر گانے والی عورتوں کو، گانا گانے والی باندیوں کو خریدا کرتے تھے؛ تاکہ اس کے گانے بجانے سے اپنا دل بہلا سکے، اب جو حدیثِ پاک میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں کہ گانے والی عورتوں اور گانے بجانے کے آلات کو عام طور پر اختیار کیا جانے لگے تو اس زمانے میں ہر آدمی کے پاس ایسی تو کیسی وسعت ہوجائے گی کہ وہ گانے بجانے کے آلات اور عورت اختیار کرنے لگے؟ تو فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں گانے بجانے کی نسبت سے ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ ہے کہ گانے بجانے ہی میں جس کا استعمال کیا جاتا ہے، ٹی وی ہے، وی سی آر ہے، ڈش انٹینا ہے، یہ ساری چیزیں عام ہوگئی ہیں، ہر گھر میں یہ چیزیں آ گئی ہیں اور لوگ اسی کو اپنا دل بہلانے کے لیے استعمال کرتے رہتے ہیں۔

## دورِ جدید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کی صداقت کا نظارہ

تو گویا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی اس زمانے کی حالات کے اعتبار سے دیکھی جائے تو سب کے سمجھ میں نہیں آ سکتی؛ کیوں کہ ہر آدمی کے پاس اتنی وسعت کہاں ہوگی کہ ہر آدمی باندی خریدے اور اس کو دل بہلانے کے لیے استعمال کرے، گانے بجانے کے آلات بہت سے ہوتے ہیں اور وہ بہت سے آلات بیک وقت

استعمال کیے جائیں تب یہ مقصد حاصل ہوتا ہے، ہر آدمی یہ آلات کیسے خریدے گا اور یہ عمومی شکل کیسے حاصل ہوگی؟ تو فرماتے ہیں کہ ہمارے دور میں جو یہ حالات پیدا ہو چکے ہیں اور یہ سلسلے شروع ہو چکے ہیں، اس سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس پیشین گوئی کی صداقت کا اندازہ ہوتا ہے، یہ اس وقت تو کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا لیکن اس وقت ہر آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہر گھر میں یہ چیزیں پہنچ چکی ہیں۔ ایک چھوٹا سا ریڈیو ہے، اس کے ذریعہ گانے سنتے ہیں، اب تو موبائل کے اندر بھی ریڈیو ہوتا ہے اور اب تو "۲۴" گھنٹے گانے نشر کرنے والے ایسے ہزاروں اسٹیشن بن چکے ہیں کہ آدمی "۲۴" گھنٹے اس سے گانا سن سکتا ہے، پہلے تو ریڈیو میں اتنا عموم بھی نہیں تھا، اب تو مستقلاً بعض ریڈیو اسٹیشن والوں نے اسی کو اپنا مشن بنا رکھا ہے کہ "۲۴" گھنٹے گانے نشر کرتے رہیں اور سننے والے سنتے بھی ہیں۔

## آلاتِ موسیقی کے خریدار کے لیے قرآنی وعید

تو بہر حال! یہ گانے بجانے والی عورتیں اور گانا بجانے کے آلات کے بارے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمائی ہے اور ویسے قرآن وحدیث کے اندر اس پر وعیدیں بھی آئی ہیں، سورۂ لقمان میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کہ: لوگوں میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں؛ تاکہ اپنی جہالت کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کی یاد سے غافل کریں اور اللہ تعالیٰ کی یاد کو

مذاق اور ٹھٹھا کا ذریعہ بنائیں، ایسے لوگوں کے لیے بڑا مہین یعنی ذلت والا عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

## محسن قرآنِ پاک کا اعجاز ہی تو ہے

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جب آپ ابھی ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف نہیں لے گئے تھے، قرآنِ پاک کی آیتیں نازل ہوتی تھیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں جو فصاحت اور بلاغت اور تاثیر رکھی ہے، اس کی وجہ سے لوگ اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو سنتے تھے اور خاص طور پر جب حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تلاوت کر رہے ہوں اور حضراتِ صحابہ کے متعلق بھی ہے کہ ان کی تلاوت میں بھی ایسی تاثیر تھی کہ لوگ، عورتیں، بچے سب جمع ہو جاتے تھے اور قرآنِ پاک کو سننے کے نتیجے میں لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا کرتے تھے اور راہِ ہدایت حاصل کر لیا کرتے تھے تو مکہ کے جو کافر و مشرک تھے، ان کو یہ چیز بڑی ناگوار گذرتی تھی۔

## ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

ایک آدمی تھا، نضر بن حارث نام تھا، وہ فارس کا سفر کیا کرتا تھا، وہاں سے وہ رستم اور اسفندیار کی قصے کہانیوں کی کتاب لے آیا اور لا کر یہاں مکہ والوں سے کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم کو عاد اور ثمود کے قصے سناتے ہیں، آؤ! میں تم کو رستم اسفندیار کے قصے سناؤں، وہ باندی بھی خرید کر لایا تھا، لوگوں کو اپنے گھر لے جاتا، کھانا کھلاتا اور باندی سے گانے سناتا اور سنا کر کے ایسا کہتا تھا کہ دیکھو! اس میں تم کو مزہ آتا ہے یا اُس

میں؟[۱]۔ گویا یہ جرح تھی، اس زمانے میں بھی شروع میں جب قرآنِ پاک نازل ہوا تو قرآن کے ہدایت نامے سے لوگوں کو برگشتہ کرنے کے لیے اور قرآن کے ذریعہ سے لوگ اثر قبول نہ کرنے پائیں اور قرآن کے ذریعہ سے لوگ ہدایت قبول نہ کریں؛ اس لیے اس زمانے میں بھی مشرکین اور کافروں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ گانے بجانے کے آلات اور قصے کہانیاں خرید کر لوگوں کو ایمان واسلام سے ہٹانے کی کوششیں کی جاتی تھیں، یہ سلسلہ اسی زمانے میں شروع ہو چکا تھا۔

## چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

آج بھی لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکانے کے لیے یہ وہ خطرناک حربہ اور یوں کہیے کہ میٹھا زہر ہے جو اس زمانے بھی لوگوں کو ہدایت سے روکنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور آج بھی لوگوں کو راہِ ہدایت سے ہٹانے کے لیے یہی سلسلے ہیں: گانا بجانا اور اسی طریقے سے لہولعب کے اندر لوگوں کو مشغول کرنا، یہ سب چیزیں مسلمانوں کو راہِ راست، صراطِ مستقیم اور ہدایت سے ہٹانے کے لیے ہیں: لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ: ''تاکہ اللہ کے راستے سے لوگوں کو ہٹاوے'' اور جو لوگ اس میں مشغول ہوتے ہیں، بعد میں ان کی طبیعتیں جب مسخ ہو جاتی ہیں تو اسی راہِ ہدایت کا ٹھٹھا اڑانا اور اس کا مذاق کرنا ان کا مشغلہ بن جاتا ہو تو بہر حال! یہ آیت اسی نضر بن حارث کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔

---

(۱) تفسير القرطبي ۱۴/ ۵۲.

## ”لَهْوَ الْحَدِيْثِ“ کا مصداق مفسرین کی نظر میں

”لَهْوَ الْحَدِيْثِ“ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: هو الغناء والله الذي لا إله إلا هو، تین مرتبہ قسم کھا کر یہ فرمایا کہ اللہ کی قسم! اس سے گانا مراد ہے، اللہ کی قسم! اس سے گانا مراد ہے[1]۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو مفسرِ قرآن ہیں، وہ اس ”لَهْوَ الْحَدِيْثِ“ کی تشریح میں فرماتے ہیں: الغناءُ وأشبهه: کہ گانا اور اس جیسی چیزیں مراد ہیں جو آدمی کو اللہ کی یاد سے غافل بنانے والی ہیں، وہ لہولعب کا مصداق ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرنے والی ہو، چاہے وہ گانا بجانا ہو یا گانے بجانے کے آلات ہوں یا قصے کہانیاں، ناول، افسانے اور ہنسانے کی باتیں، یہ سب اسی کا مصداق ہیں جس کے نتیجے میں آدمی اللہ کی عبادت سے ہٹ کر کے ایسی لغویات اور فضولیات کے اندر مشغول ہوتا ہے، قرآنِ پاک میں ایسے لوگوں کے لیے ذلت والے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

## گانا سننے کی حرمت کے بارے میں دوسری آیت

قرآن میں ایک اور آیت ہے، سورۂ بنی اسرائیل کے اندر شیطان کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ کہ: انسانوں میں سے جس کے اوپر تیرا بس چلے، تو اپنی آواز کے ذریعہ اس کو بھٹکا دے، ہٹالے، گمراہ کر دے

---

(۱) تفسیر القرطبي ۱۴/۵۲.

یعنی تجھ سے ہوسکتا ہو تو ایسا کر لینا۔ شیطان نے چوں کہ اللہ کے حضور دعوی کیا تھا، ڈینگ ماری تھی تو باری تعالیٰ کی طرف سے بھی کہا گیا تھا کہ ٹھیک ہے، تجھ سے جو ہوتا ہو، کر لے۔ تو بہر حال! ''بِصَوْتِكَ'' کی تشریح بھی صحابۂ کرامؓ سے جو منقول ہے، وہ یہی کہ اس سے مراد گانا ہے(۱)۔ یہ گانا جو ہے، قرآن کی آیتوں کی رو سے اور اسی طریقے سے احادیث میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گانے کے سلسلے میں صاف صاف ممانعت ارشاد فرمائی ہے۔

## میں گانے بجانے کے آلات توڑنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں

ترمذی شریف میں روایت موجود ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب کو اور جوئے کو اور ڈھولک کو اور طبلے کو حرام قرار دیا اور ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے(۲)۔ گویا اس میں گانا بجانے کے جو آلات ہیں، ان کی صراحت کے ساتھ حرمت بیان کر دی گئی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جو گانے بجانے کے آلات ہیں، ان کو توڑنے کے لیے میں بھیجا گیا ہوں(۳)۔

---

(۱)(بِصَوْتِكَ) وصوته كل داع يدعو إلى معصية الله تعالى، عن ابن عباس. مجاهد: الغناء والمزامير واللهو. الضحاك: صوت المزمار. (تفسير القرطبى ۱۰/۲۸۸)

(۲)ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيَّ أَوْ حُرِّمَ الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْكُوبَةُ قَالَ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ الحديث (سنن أبي داود، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضى الله تعالىٰ عنهما، باب فِي الأَوْعِيَةِ.)

(۳)تفسير القرطبي ۲/۵۳۔

گویا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعثت کا مقصد کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن کاموں کو انجام دینے کے لیے بھیجا ہے، ان میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی بتلاتے ہیں کہ یہ جو گانے بجانے کے آلات ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کو توڑنے کے لیے دنیا کے اندر بھیجا ہے۔

## گانوں سے متعلق کچھ اور وعیدیں

گانے کے اوپر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھل کر اپنی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے، اس کی حرمت کو بیان فرمایا ہے، روایتوں میں آتا ہے کہ ایک آدمی گانا گا رہا تھا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوشِ مبارک میں، کان مبارک میں اس کی آواز پڑی تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لا صلوۃ له، لا صلوۃ له، لا صلوۃ له: ایسے آدمی کی نماز مقبول نہیں ہے، ایسے آدمی کی نماز مقبول نہیں ہے، ایسے آدمی کی نماز مقبول نہیں ہے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا: میری امت کے اندر آخری زمانے میں کچھ لوگ وہ ہوں گے جن کے چہروں کو اللہ تعالیٰ بندر اور سوّر کی شکلوں سے بدل دیں گے، اس پر وہاں موجود مسلمانوں میں سے ایک نے پوچھا: کیا وہ لوگ مسلمان ہوں گے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: جی ہاں! وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے والے ہوں گے، میری رسالت پر ایمان لانے والے ہوں گے، روزے رکھیں گے لیکن وہ گانے بجانے کے آلات کو استعمال کریں گے اور گانے والی عورتوں کی طرف توجہ رکھیں گے اور وہ شراب میں مبتلا ہوں گے، ایک رات ایسا ہوگا کہ وہ گانا سن کر کے، شراب پی کر کے مست

ہوں گے، اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو بندر اور سور کی شکل میں بدل دیں گے۔

## گانے سننے پر خسف، مسخ اور قذف کی وعید

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت کے اندر خسف، مسخ اور قذف ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ لوگوں کو زمین میں دھنسا دیں گے، ان کی شکلوں کو بدل دیں اور آسمان سے ان کے اوپر پتھر برسائے جائیں گے، کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو سن کر پوچھا: اے اللہ کے رسول! یہ کب ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب گانے بجانے والیوں کی کثرت ہوگی اور شراب کثرت سے پی جائے گی (۱)۔ لوگ گانے بجانے والی عورتوں کی طرف متوجہ ہوں گے اور گانے بجانے کے آلات کو لوگ کثرت سے اختیار کرنے لگیں گے۔ اس چیز کے اوپر مسخ کی وعید آئی ہے یعنی شکلیں بدل دینے کی، اور ہماری اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔

## چہروں کو مسخ کرنے کا مطلب

علماء نے اس کی توجیہ کی ہے کہ یا تو یہ ہے کہ واقعۃً ان کی شکلوں کو بدل دیا جائے گا یا یہ مراد ہے کہ ان کی طبیعتوں کو بدل دیا جائے گا: ایک آدمی جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس گناہ کے کرنے کے نتیجے میں اس گناہ کا ایک اثر اس کے دل کے اوپر پیدا ہوتا ہے اور جب اس کو بار بار کرتا ہے تو اس کو بار بار کرنے کی وجہ سے اس گناہ کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ جیسے ایک آدمی ظلم کا ارتکاب کرتا ہے تو ظلم کی وجہ سے اس

---

(۱) المعجم الكبير، ۳/۲۸۳۹۴، عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْعَرِيِّ رضی اللہ عنہ.

کے قلب پر ایک اثر پڑتا ہے، اب جب وہ بار بار ظلم کرے گا تو اس کا قلب اس ظلم والے گناہ کے رنگ سے رنگ جائے گا، اب یہ آدمی شکل وصورت کے اعتبار سے ہے آدمی لیکن لوگ یہ کہیں گے کہ یہ درندہ ہے، پھاڑ کھانے والا جانور ہے، یعنی جس طرح ایک پھاڑ کھانے والا جانور ظلم وزیادتی کرتا ہے، یہ بھی اسی کے اندر مبتلا ہے۔ ایک آدمی لوگوں کو دھوکہ دیتا ہے، ان کو پھنساتا ہے، اب اس نے ایک مرتبہ اس گناہ کا ارتکاب کیا، دومرتبہ کیا تو گناہ کرنے کے نتیجے میں اس گناہ کی وجہ سے اس کے دل پر ایک اثر مرتب ہوتا ہے اور بار بار جب کرے گا تو اس کا دل اس گناہ سے رنگ جائے گا اور کثرت سے لوگوں کو دھوکہ دینے کی وجہ سے جیسے لومڑی کی عادت ہوا کرتی ہے اوروں کو دھوکہ دینا، چالاکی سے کام لینا اس کو کہا جائے گا کہ یہ لومڑی جیسا ہے۔

## موسیقی اور گانے سننا آدمی کو خنزیر کی طرح بے حیا اور بندر کی طرح نقال بناتا ہے

اسی طریقے سے جب یہ لوگ گانے بجانے کے آلات کو استعمال کریں گے، گانے والی عورتوں کی طرف متوجہ ہوں گے تو اس گناہ کے بار بار ارتکاب کے نتیجے میں ان کے دلوں کے اندر بے حیائی اور بے غیرتی آئے گی اور یہ بے حیائی اور بے غیرتی سور کی خاصیات میں سے ہے اور ان کے اس گانا سننے کے نتیجے میں ان کے قلوب کے اندر بے وقاری اور نقالی آجائے گی اور یہ بے وقاری اور نقالی بندر کی صفت ہے تو گویا معنوی طور پر ان کے قلوب مسخ کردئے گئے اور جو خاصیتیں بندر اور سوّر کی ہیں، وہ ان

کے اندر آئیں گی۔ چنانچہ آپ لوگ دیکھیں گے کہ جو لوگ کثرت سے گانے سنتے ہیں، ان کے اندر حیا کا مادہ ختم ہو جاتا ہے، وہ اپنی بیوی، اپنی بیٹی، اپنی ماں، اپنی بہن، پورے کنبے کو لے کر بیٹھے ہیں اور ٹی وی کے اوپر وہ مناظر کہ ایک شریف آدمی تنہائی میں بھی اس کو دیکھنا گوارا نہ کرے، یہ شخص پورے خاندان کے ساتھ اپنی بیوی، بیٹیوں اور اپنی ماں، بہن کے ساتھ بیٹھ کر دیکھتا ہے، اگر اس میں حیا کا مادہ ہوتا، شرم نام کی کوئی چیز ہوتی تو بھلا اس کو کیسے دیکھنا گوارا کرتا! لیکن اس گناہ کے ارتکاب کے نتیجے میں اس کی حیا بالکل ختم ہو جاتی ہے اور اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ پھر دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ زنا کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے۔

## ٹی وی وغیرہ آلاتِ لہو کی ہلاکت خیزیاں

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی میں ہے، احسن الفتاوی میں لکھا ہے کہ ہمارے دارالافتاء میں ایک آدمی نے آکر خود اقرار کیا کہ ٹی وی دیکھنے کے نتیجے میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ اس نے زنا کا ارتکاب کیا۔ ایک نوجوان نے کہا کہ ایک مرتبہ اپنی ماں کے ساتھ بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہا تھا اور دیکھتے دیکھتے شہوت کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں نے اپنی ماں کے ساتھ شہوت رانی کرلی۔ یہ بے حیائی اس کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہی ہے تو سور کی جو خاصیت ہے، وہی اس کے اندر آجاتی ہے اور ایسی نقّالی اور بے وقاری! آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ کیسی نقالی کرتے ہیں، ایسی ایسی نقلیں اتارتے ہیں کہ جو سمجھ دار لوگ ہیں، وہ تو اس کو دیکھ کر ہنستے ہیں لیکن ان کو اس کی پرواہی

نہیں، ان کو اس کا احساس ہی نہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں، اس کو تو یہ اچھا ہی لگتا ہے، جیسے ایک بندر نقل اتارتا ہے ہر چیز کی، اسی طرح یہ لوگ بھی جو کچھ دیکھتے ہیں، اس کی نقالی شروع کر دیتے ہیں تو بندر کی خاصیت ان کے اندر آ جاتی ہے۔

## قربِ قیامت موسیقی سے تعلق رکھنے والوں کا حقیقی مسخ ہوگا

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض حضراتِ علماء فرماتے ہیں کہ اس وعید کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اس میں مبتلا ہوں گے، معنوی طور پر تو ان کے دل مسخ ہو ہی جاتے ہیں لیکن قربِ قیامت ایسا بھی ہوگا کہ جب بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی تو ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ ان کے چہروں کو بندروں اور سوروں کے چہروں سے مسخ کر دیں گے۔

## گانا اور موسیقی موجبِ کفر و نفاق ہے

یہ گانے بجانے کے سلسلے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو وعیدیں ارشاد فرمائی ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی وعیدیں ہیں، ایک حدیث میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ گانا سننا معصیت ہے اور گانا سننے کے لیے بیٹھنا فسق ہے اور گانے سے لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ اگرچہ علماءِ کرام نے کفر کی تاویل کی ہے کہ کفر سے مراد کفرانِ نعمت ہے لیکن حدیث میں تو اس کی تشریح ہے نہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں بلکہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ یہ گانا آدمی کے دل کے اندر اس طرح نفاق کو پیدا کرتا ہے، جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے۔ یہ آپ نے

بارش میں دیکھا ہوگا کہ سوکھی زمین پڑی ہے، ایک بار بارش پڑی نہیں کہ دو دن کے اندر سبزہ نکل آتا ہے، اسی طرح گانا سننے کے نتیجے میں آدمی کے قلب کے اندر اسی طرح نفاق اگ نکلتا ہے، جس طریقے سے پانی کی وجہ سے سبزہ نکل آتا ہے[۱]۔

## نفاق کا مفہوم

یہ نفاق کیا ہے؟ نفاق کا مطلب وہ نہیں کہ گویا ایک آدمی ہے، وہ بدکار ہے، ظاہری اعتبار سے بدکاری میں مبتلا ہے، تب تو وہ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کا نافرمان اور خلاف ورزی کرنے والا ہے ہی لیکن اگر وہ ظاہری اعتبار سے نماز روزہ کا پابند ہے لیکن اس چیز میں مبتلا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا ظاہر کچھ اور ہوگا اور باطن اس کا کچھ اور ہوگا، جیسے قرآن پاک کی تلاوت کے نتیجے میں آدمی کا ایمان تازہ ہوتا ہے، اس میں زیادتی ہوتی ہے تو قرآنِ پاک کی تلاوت کے نتیجے میں، اس کی تلاوت کو سننے کے نتیجے میں جس طرح آدمی کا ایمان تازہ ہوتا ہے ور ایمان میں زیادتی ہوتی ہے، اسی طرح گانا سننے کے نتیجے میں آدمی کے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے یعنی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔

---

(۱) عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اَلْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِی الْقَلْبِ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ (السنن الکبری للبیھقی، باب الرَّجُلِ یُغَنِّی فَیَتَّخِذُ الْغِنَاءَ صِنَاعَۃً یُؤْتَی عَلَیْہِ وَیَأْتِی لَہُ وَیَکُونُ مَنْسُوبًا إِلَیْہِ مَشْھُورًا بِہِ مَعْرُوفًا أَوِ الْمَرْأَۃِ.)

## گانا سننے اور اس سے لذت حاصل کرنے کی عادت کبھی نہیں جاتی

ماہرین کا یہ کہنا ہے کہ جن کے اندر گانا سننے کی عادت پڑ گئی، تو چاہے توبہ کرنے کے بعد تہجد کے پابند ہو جاتے ہیں، تہجد کے پابند! پنج وقتہ نمازوں کے پابند، ہر چیز کے پابند لیکن گانا سننے کی یہ عادت جاتی نہیں ہے، جب اس کے کان میں گانا پڑتا ہے، جس کو سن سن کر وہ بڑے ہوئے تو جیسے ہی اس گانے کی آواز اس کے کان میں پڑتی ہے، فوراً اس کا دل اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یہ ماہرین کا تجربہ ہے، وہ یوں کہتے ہیں کہ یہ دوسری باتیں جن سے آدمی توبہ کر چکا ہو، اپنی حالت درست کر چکا ہو تو اس میں تو یہ ہے کہ بعد میں وہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں لیکن گانے کا مسئلہ ایسا ہے کہ اچھے اچھے جو اس سے توبہ کر چکے ہیں، باقاعدہ تہجد کے پابند، وہ خود اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ تنہائی میں ہم سے وہ گانے سننے والی عادت جاتی نہیں، ان کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتی اور وہی قلب کے اندر خواہش پیدا کر دیا کرتا ہے، یہ بڑا خطرناک روگ ہے۔

## آلاتِ غناء کی بہتات اور اس کا انجامِ بد

اور آج کل تو ٹی وی نے آ کر کے اس مسئلے کو اور بھی زیادہ آسان کر دیا، ٹی وی ہے، وی سی آر ہے، ٹیپ ریکارڈر ہے، گانے بجانے کی سیڈیاں، کیسیٹس اتنی عام ہیں کہ لوگوں نے اسی کو اپنا مشغلہ بنا لیا ہے، سفر کر رہے ہیں تو سفر کے دوران اپنی کار کے اندر یا بس کے اندر اسی کو چالو کیا جا رہا ہے، آپ نہیں سننا چاہتے لیکن دوسرے سن رہے ہیں؛ اس لیے چالو ہے، ہوٹل میں جائیں گے تو وہاں کانوں میں یہی آواز ہے، آدمی

کہاں تک اپنے آپ کو بچا پائے گا؟ لیکن یہ ہیں کہ اس کے عادی ہو گئے۔ اب یہی اے سی کار کے اندر بیٹھ کر جاتے ہیں، بعض ایسے واقعات پیش آئے اور اب تو باقاعدہ جتنے بھی ٹرانسپورٹ والے ہیں، جو مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں، جن کی بسیں چلتی ہیں، ان کے یہاں تو اس کا بڑا انتظام ہے کہ اس میں ٹی وی، وی سی آر اور گانے بجانے کے اہتمامات ہوتے ہیں، بغیر گانا سنے ہوئے ڈرائیوروں سے ڈرائیونگ ہی نہیں ہوتی، ایسی حالت میں حادثات پیش آتے ہیں، موتیں واقع ہوتی ہیں، ایک حرام کام میں مبتلا ہونے کی حالت میں موت آئے گی، اندازہ لگائیے کہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے ایسی موت کو کہ وہ اچھائی کے اوپر ہوئی! اسی حالت میں موت بھی آتی ہے۔

## بہت آسان ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

عام طور پر جو عذاب آتا ہے تو اس میں اس کے اسباب میں گانے بجانے کو، شراب نوشی کو اور یہ گانا بجانے والی، ناچنے والی عورتوں کو بڑا دخل ہے۔ پہلے زمانے میں تو یہ ہوتا تھا کہ ٹی وی نہیں تھی تو سنیما ہاؤس جاتے تھے اور ہر ایک اس کی جرأت نہیں کرتا تھا، جو اچھے سفید پوش ہوتے تھے، ان کے لیے سنیما میں جانا مشکل ہوتا تھا، اب تو ایک کونے میں بیٹھ کر ڈاڑھی بھی ہے، ہاتھ میں تسبیح بھی ہے اور دیکھ رہے ہیں، شاعر کہتا ہے:

| بہت مشکل ہے بچنا مئے گلگوں سے خلوت میں |
| --- |
| بہت آسان ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا |

دوستوں کی محفل میں نعوذ باللہ، نعوذ باللہ بول دینا تو آسان ہے لیکن تنہائی میں

اس گناہ سے اپنے آپ کو بچانا بڑا مشکل ہے۔

## ٹی وی نے آکر آج سب کے تقوے کا پردہ فاش کر دیا ہے

تو حقیقت تو یہ ہے کہ ٹی وی نے آ کر کے آج سب کی پرہیز گاری اور تقوے کا پردہ فاش کر کے رکھ دیا ہے، آج شاید ہی کوئی ایسا آدمی ہو جس کے گھر میں ٹی وی ہو اور وہ اس سے بچتا ہو۔ ٹی وی کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ آدمی جب کوئی گناہ بار بار کرتا ہے تو اس گناہ کی قباحت، اس کی شناعت، اس کی برائی ان کے دل و دماغ سے نکل جاتی ہے، جن لوگوں کے گھروں میں ٹی وی ہے، وہ کیا کہتے ہیں؟ اس میں کیا ہو گیا؟ کیا حرج ہے؟ مطلب یہ کہ اس میں کوئی حرج نہیں!

## ''ٹی وی میں کیا حرج ہے'' کہنے والے اپنے ایمان کی خیر مناویں

دیکھیے! دو چیزیں الگ الگ ہیں: ایک تو ہے گناہ کا ارتکاب کرنا، ایک آدمی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں گناہ کا ارتکاب کر رہا ہوں تو ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ اس کو توبہ کی توفیق بھی دے دے لیکن ایک آدمی گناہ کا کام یہ سمجھ کر کے کرتا ہے کہ یہ گناہ نہیں ہے، حلال سمجھ کر کرتا ہے تو کسی حرام کام کو حلال سمجھ کر کرنا، اس سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے۔ آج ''ٹی وی میں کیا حرج ہے'' کہنے والے اپنے ایمان کی خیر مناویں، ٹی وی میں جو چیزیں ہوتی ہیں، کیا ہوتا ہے: ایک تو گانا اور گانے کی حرمت قرآن وحدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے پیش کیا اور پھر اس میں گانے بجانے کے آلات استعمال کیے جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں

کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے گانے بجانے کے آلات کو توڑنے کے لیے بھیجا ہے، میری بعثت اس کے لیے ہوئی ہے اور امتی کو بغیر اس کو سنے ہوئے سکون اور چین نہ پڑے، یہ حال محبت کا دعوی کرنے جیسا ہے؟

## ٹی وی بے شمار گناہوں کا مجموعہ ہے

اور پھر یہ کہ اس میں عورتوں کا جو اختلاط ہوتا ہے، اس پر جو عورتیں دکھائی جاتی ہیں، ان کی طرف مرد شہوت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، حالاں کہ قرآنِ پاک میں نگاہ کی حفاظت فرض قرار دی گئی ہے، حدیث میں اس کے بارے میں بڑی تاکیدیں آئی ہیں، اس میں عورتیں بھی مردوں کو دیکھتی ہیں، اس ٹی وی پر مردوں اور عورتوں کا اختلاط دکھایا جاتا ہے، یہ وہ گناہ ہیں جن کا ناجائز اور حرام ہونا قرآن وحدیث کے اصول سے صاف صاف ثابت ہے، اس کے بعد ایک آدمی اپنی زبان سے یہ کہتا ہے ''اس میں کیا حرج ہے'' آپ خود اندازہ لگائیے کہ ایسا جملہ بول کر کے اس کا ایمان کیسے محفوظ رہ سکتا ہے! یہ ٹی وی جو ہے، اس نے تو ہماری نسلوں کو خراب کر دیا ہے۔ ایک جرمن ماہرِ عمرانیات کا کہنا ہے کہ یہ ٹی وی تمہارے معاشرے کو ختم کرے، تباہ کرے، تمہاری آنے والی نسلوں کو برباد کرے، اس سے پہلے اس کو اٹھا کر نکال دو۔

## ٹی وی کی مشغولیت کے خطرناک نتائج

اس ٹی وی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسے عذاب قبر میں مقرر کیے ہیں، ایسے واقعات سامنے آتے ہیں، جس کا ہم اور آپ اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔ چناں چہ مفتی

عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم کے خطبات کے اندر ایسے واقعات ہیں اور ایسے واقعات پہلے رسالہ "ختمِ نبوت" اور دوسرے رسالوں میں بھی آ چکے ہیں۔ رمضان کا واقعہ ہے کہ ایک ماں افطاری بنانے میں مشغول تھی، بیٹی سے بھی کہا کہ چلو! افطاری بنانے میں میری مدد کرو، آج مہمان بھی آنے والے ہیں تو بیٹی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت ٹی وی پر جو سیریل آتی ہے، وہ مجھے دیکھنی ہے تو ماں کے اصرار کے باوجود وہ نہیں مانی اور اس نے اندر سے دروازہ بند کرلیا کہ کہیں ماں بار بار بلا کر مجھے تنگ نہ کرے، اس کے بعد وہ ٹی وی دیکھنے میں مشغول ہوگئی، اِدھر افطاری بھی تیار ہوگئی اور غروب کا وقت بھی قریب ہوگیا، ابھی وہ کمرہ بند ہے، گھر کے لوگ، اس کا باپ، بھائی وغیرہ بھی آ چکے ہیں۔ ماں نے آواز دی تو کوئی جواب نہیں ملا، اوپر گئی، دروازہ کھٹکھٹایا پھر بھی دروازہ نہیں کھولا تو اس کے باپ اور بھائیوں سے کہا۔ دروازہ توڑا گیا تو دیکھا کہ وہ مردہ اوندھی پڑی ہوئی ہے۔

لوگوں کو بلایا گیا، اس کو اٹھانا چاہ رہے ہیں لیکن اٹھا نہیں پا رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم کا "ٹنوں" وزن ہو، کئی آدمی مل کر بھی اس کو اٹھا نہیں سکے۔ اتنے میں کسی کو خیال آیا اور اس نے جو ٹی وی کو اٹھایا تو سارا وزن ختم ہوگیا اور وہ ہلکی ہوگئی، اس کے جسم کو اٹھا کر لایا گیا، غسل دیا گیا اور غسل کے بعد کفن پہنا کر جنازے میں رکھا گیا، جب جنازہ اٹھانے کا وقت آیا تو جنازہ، چارپائی اٹھا رہے ہیں لیکن اس میں وہی ٹنوں وزن محسوس ہو رہا ہے پھر اس ٹی وی کو اٹھایا گیا تو آسانی سے جنازہ اٹھ گیا۔ اب لوگ ٹی وی آگے آگے لے کر چل رہے ہیں اور جنازہ پیچھے پیچھے آ رہا ہے،

وہاں قبرستان لے کر پہنچے، اس کو دفن کیا گیا، دفن کرنے کے بعد جو ٹی وی کو واپس لانے کے لیے اٹھایا گیا تو قبر کھلی اور اس کی لاش باہر آ گئی، دوبارہ، سہ بارہ اسی طرح ہوا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ ٹی وی بھی اسی کے ساتھ دفن کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ٹی وی کو اسی کے ساتھ دفن کیا گیا تو ٹی وی کی نحوست کی وجہ سے اس کا یہ برا حال ہوا۔

## ایک اور عبرت ناک واقعہ

ایک بڑے میاں کا واقعہ لکھا ہے کہ رمضان کے اندر ٹی وی دیکھ رہے ہیں اور ٹی وی دیکھتے دیکھتے اس کو غشی آئی، منہ کھلا ہے، اب دوسرے لوگ بھی مشغول ہیں، ان کو پتہ نہیں، اسی حالت میں ان کو موت آ گئی، منہ کھلا ہوا ہے، بعض نے اس کے منہ کو بند کرنا چاہا لیکن نہیں ہوا، اس طرح رمضان کے اندر اسی طرح ٹی وی دیکھتے دیکھتے اس کو موت آ گئی۔

## قبر کا عذاب دوسرے گناہوں کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے

دوسرے گناہوں کی وجہ سے بھی عذابِ قبر کے واقعات بہت سارے لوگوں کے سامنے آئے ہیں، ایک اور واقعہ مفتی عبدالرؤف صاحب ہی کے خطبات کے اندر ہے کہ ایک جماعت ایک بستی کے اندر گئی ہوئی تھی، وہاں یہ ہوا کہ وہاں بستی کے لوگ مسجد میں جماعت کے لوگوں کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم ہمارے ساتھ چلو، ہمارے یہاں ایک میت ہوئی ہے، آپ آئیے، ہم تو پریشان ہیں۔ وہ گئے، گھر کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ لڑکی کی میت پڑی ہوئی ہے اور چاروں طرف بڑے

بڑے کنکھجورے منہ کھولے ہوئے کھڑے تھے اور اتنی بڑی سائز کے تھے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی ان کو دیکھ کر ڈر گئے، گھر والے رو رہے تھے، اس کو دیکھ کر کانپ رہے تھے اور کہنے لگے کہ ہماری سمجھ میں تو بات نہیں آتی، تم نیک لوگ ہو، کچھ دعا کرو۔

تو وہ لوگ بیٹھ کے دعا اور استغفار کرنے لگے اور دعا کی کہ یا اللہ! اس میت کو کفن دینا، اس کو غسل دینا، یہ ایک ذمہ بھی تو نے رکھا ہے، اس کا موقع دیا جائے۔ چناں چہ وہ کنکھجورے ایک کونے میں جمع ہو گئے، انھوں نے میت کو وہاں سے اٹھوا کر اس کو غسل دلوایا اور کفن پہنا کر کے قبرستان لے گئے۔ جب اس کو قبر میں رکھنے کے لیے قبر میں اترے تو دیکھا کہ وہ سارے کنکھجورے قبر کے اندر ہیں تو یہ قبر کا عذاب مختلف گناہوں کی وجہ سے آتا ہے۔

## بلا اختیار کانوں میں پہنچنے والی گانے کی آواز سے بھی احتیاط بہتر ہے

میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گانے بجانے سے منع فرمایا ہے، آج کل گانا بجانا اتنا عام ہو گیا ہے کہ خدا کی پناہ! خدا کی پناہ! آدمی کے لیے بچنا مشکل ہو گیا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے، حضرت نافعؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، میں اس وقت چھوٹا تھا، ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے، اس وقت کا قصہ بیان کر رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے اونٹ پر سوار ہیں کہ اتنے میں دیکھا کہ ایک چرواہا بانسری بجا رہا ہے، اس کی آواز آئی تو اس کو سن کر آپ نے اپنی انگلیاں کانوں میں ڈال لیں اور اپنے جانور کو سڑک پر سے اتار لیا

اور مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ وہ آواز آ رہی ہے یا نہیں آ رہی ہے، یہاں تک کہ جب میں نے کہا کہ آواز نہیں آ رہی ہے، تب انھوں نے اپنے کانوں میں سے انگلیاں نکالیں اور کہا کہ میں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا کہ آپ نے ایک چرواہے کو بانسری بجاتے سنا تو آپ نے اسی طرح اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور مجھ سے اسی طرح پوچھتے رہے اور جب میں نے کہا کہ آواز نہیں آ رہی ہے تو انگلیاں کانوں میں سے نکالیں (۱)۔ تو گویا یہ تو غیر اختیاری آواز ہے اور گانے بجانے کی آواز بلا قصد آ رہی ہے، اس کو سننے کا ان کا ارادہ نہیں ہے تو وہ گناہ گار بھی نہیں ہیں لیکن احتیاط تو بہر حال بہتر ہے اور اللہ کے مخصوص بندے ہوتے ہیں، وہ اپنے آپ کو اس سے بھی بچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ ہے: وَاتُّخِذَتِ القَيْنَاتُ وَالمَعَازِفُ۔

## واقعۂ بالا کا تکملہ

ایک اور قصہ ٹی وی کا یاد آ گیا، وہی جو اوپر بیان کیا جا رہا تھا، جماعت والے حضرات فرماتے ہیں کہ تدفین کے بعد ہم اس لڑکی کے گھر گئے اور اس کی ماں سے پوچھا کہ آخر آپ کی لڑکی کے ساتھ یہ معاملہ کیوں ہوا؟ تو جواب دیا کہ وہ ایسی کوئی نیک لڑکی نہیں تھی، ایک مرتبہ رمضان کے مہینے میں ایسا ہوا کہ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی اور ٹی وی کے اوپر ناچنے والی وہ گانا گا رہی تھی اور وہ وہ گانا تھا جو اس کو بہت پسند تھا، اتنے میں اذان کی آواز آنے لگی تو میں نے کہا کہ بیٹی! اذان کی آواز آ رہی ہے، بند کر دو تو اس

---

(۱) سنن أبي داود، باب كَرَاهِيَةِ الْغِنَاءِ وَالزَّمْرِ.

کے جواب میں وہ کہتی ہے: ماں! اذان تو روزانہ ہوتی ہے، اس کو سننے کا مجھے موقع کہاں ملے گا! اس کی وجہ سے یہ عذاب ہوا۔

## اذان کا احترام کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اکرام

آج گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے، برائیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے شعائرِ اسلام کی جو عظمت ہمارے دلوں میں رہنی چاہیے، وہ بھی باقی نہیں رہی۔ ضمناً اذان کی بات آئی تو کتاب میں ایک واقعہ اعظم گڑھ کا پڑھا تھا، اس علاقے کا کہ ایک عورت تھی، بالکل جاہل، عبادت گزار بھی نہیں تھی لیکن جب اس کی موت کا وقت آیا تو دیکھا کہ پورے کمرے میں ایک خوشبو اور مہک پھیل گئی ہے۔ وہاں کے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ تو نماز کی بھی پابند نہیں تھی، یہ واقعہ اس کے ساتھ کیوں پیش آیا؟ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ جب اذان ہوتی تھی تو کوئی بھی کام ہو، ہر کام چھوڑ چھاڑ کر دوپٹہ وغیرہ سر پر ڈال کر بیٹھ جاتی تھی اور اذان پوری ہونے کے بعد اپنا کام شروع کرتی تھی، اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اکرام کا یہ معاملہ کیا گیا۔

## گانا زنا کا منتر ہے

تو بہر حال! یہ اذان شعائرِ اسلام میں سے ہے، اس کی عظمت ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہیے، گانے سننے کی عادت کے نتیجے میں اس کی عظمت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے صوفی بزرگ ہیں، وہ تو فرماتے ہیں: الغناء رُقْيَةُ الزنا کہ: گانا جو ہے نا وہ زنا کا منتر ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی زنا میں بھی مبتلا

ہوتا ہے، یہ زنا کاری کی جو کثرت ہے۔گانا، زنا اور شراب یہ تینوں گناہ آج کل اتنے عام ہو گئے ہیں کہ اچھے سے اچھا معاشرہ اور مسلمانوں کی اچھی سے اچھی آبادی اور سوسائٹی اس سے محفوظ نہیں ہے، سب اندر کا حال جانتے ہیں اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ اندر کیا ہو رہا ہے لیکن کوئی بولنے کی ہمت نہیں کرتا۔اللہ تعالیٰ میری آپ کی سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔آمین

## تو انتظار کرو اس وقت سرخ آندھیوں کا

وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا: یہ حدیث کا آخری جزء ہے جس پر آج تفصیل بیان کی جاتی ہے کہ اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں، لعنت ملامت کرنے لگیں، ان کی شان میں گستاخی کریں، ان کو سب وشتم کریں۔ یہ پندرہویں علامت ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلائی ہے۔فرماتے ہیں: فَلْيَرْتَقِبُوا عِنْدَ ذَلِكَ رِيحًا حَمْرَاءَ أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا: جب یہ ساری چیزیں ہونے لگیں تو انتظار کرو اس وقت سرخ آندھیوں کا۔گویا آگ برسے گی، ایسے واقعات رونما ہوں گے، أَوْ خَسْفًا وَمَسْخًا: یا لوگ زمین میں دھنسا دئے جائیں یا لوگوں کے چہرے اور ان کی شکلیں بگاڑ دی جائیں گی، یہ عذاب گویا جگہ جگہ عمومی انداز میں پیش آئے گا۔

## اسلاف کی برائی کرنا بھی عذاب کو دعوت دینے والا ہے

یہ آج آخری جزء ہے: وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا کہ: اس امت کے بعد میں آنے والے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں، لعنت ملامت کریں، ان کی شان

میں گستاخی کریں، ان کو سب وشتم کریں۔ یہ سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا ہے، شیعہ اور روافض کے یہاں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مستقل طعن وتشنیع اور سب وشتم کا نشانہ بنایا جاتا ہے بلکہ ان کے عقائد کی بنیاد ہی اس پر ہے۔ میں ان کے کچھ عقائد مختصر انداز میں ان کی کتابوں سے پیش کرتا ہوں؛ کیوں کہ تفصیل کا وقت نہیں ہے۔

## حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں شیعہ کی دریدہ دہنی

شیعہ اپنے عقائد اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں، اس میں یہ ہے کہ ہم چار بتوں سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں، یہ چار بت سے کون مراد ہیں؟ (۱) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ (۳) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (۴) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ -نعوذ باللہ من ذلک- اور چار عورتوں سے اپنی برأت ظاہر کرتے ہیں: (۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (۲) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (۳) حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا (۴) حضرت اُمِّ ارقم رضی اللہ عنہا۔ اور وہ تمام جو ان کے پیروکار ہیں، ان کے ماننے والے ہیں- یہ ان کا عقیدہ ہے کہ- روئے زمین پر یہ بدترین خلائق ہیں، ساری مخلوق میں بدتر لوگ ہیں- نعوذ باللہ من ذلک- نقلِ کفر کفر نہ باشد- کتنا خطرناک، کتنا گھٹیا عقیدہ ہے! دوسرے عقائد تو بہت گندے ہیں، یہ تو صرف صحابہ سے متعلق ہیں، سب نہیں۔ آپ کے سامنے ان کے دو چار عقائد ہی پیش کر رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک آدمی ان چار بتوں سے اپنی برأت کا اظہار نہیں کرے گا، اس وقت تک اس کا ایمان معتبر نہیں ہوگا۔

## شیعوں کے عقائدِ شنیعہ

ان کا ایک اور عقیدہ ہے -نعوذ باللہ من ذلک- امام مہدی جب آئیں گے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر حد یعنی -نعوذ باللہ- زنا کی سزا جاری کریں گے، یہ ان کا عقیدہ ہے -نعوذ باللہ من ذلک- اور ایک عقیدہ ان کا یہ ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سبھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مرتد ہو گئے -نعوذ باللہ- ایمان سے نکل گئے سوائے تین کے۔ وہ تین کون ہیں؟ (۱) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ (۲) حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (۳) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ۔

## حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں ایک عقیدۂ فاحشہ

ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ قرآن میں جہاں فرعون اور ہامان کا لفظ آیا ہے تو اس سے مراد -نعوذ باللہ- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں اور قرآن کے اندر "الْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ" کا لفظ آیا ہے، اس سے مراد بھی -نعوذ باللہ- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں اتنے خطرناک ان کے عقیدے ہیں۔ یہ تو بس کچھ چیزیں ہیں۔

## شیعوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں بخشا

اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ان کے برے برے عقائد ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھیجی تھی، حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس غلطی سے لاتے رہے، -نعوذ باللہ- "۲۳" سال تک اللہ تعالیٰ کو پتہ ہی نہیں چلا

کہ میں جہاں جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی بھیج رہا ہوں، وہ جبرئیل تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بجائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچا رہے ہیں، اللہ تبارک تعالیٰ کے متعلق، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق ان کا یہ عقیدہ کتنا خطرناک ہے۔

## ہم تک دین پہنچنے کے واسطے

حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یہ ہمارے دین کے دو واسطے ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام واسطہ ہیں دین کے اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچنے کا، وہ پہلا واسطہ ہیں، دین اللہ تعالیٰ کے یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے آیا ہے، جن لوگوں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام پر اعتراضات کیے، جیسے یہودی کہتے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہمارے دشمن ہیں تو قرآن پاک نے کہا: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ، اور آگے فرمایا: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ اس میں ان کی تردید کی گئی ہے۔

## حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امانت، ثقاہت اور بے نظیر قوت

بلکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امانت اور ثقاہت کو ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ، ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ﴾ [التکویر: ۱۹-۲۱] کہہ کر کے بیان کیا گیا کہ یہ قرآن ایک ایسے فرشتے کے ذریعہ سے پہنچایا جا رہا ہے جو بڑا شریف، بڑا باعزت ہے، بڑا قوت والا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی قوت کا یہ عالم کہ قوم لوط کی

بستیوں کو جب اللہ تعالیٰ نے ہلاک کرنا چاہا تو پوری بستیوں کو ایک ''پر'' پر اٹھا کر کے آسمان کی طرف لے گئے، آسمان والوں نے اس بستی کے جانوروں کی آوازیں سنیں اور پھر ان کو الٹ دیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ایسے ''۶۰۰'' پر ہیں، روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اگر اپنے دو پر پھیلا دیں تو ساری دنیا کو ڈھانپ دیں، یہ حال ہے ان کی قوت کا، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ: عرش والے کے یہاں بڑے باعزت ہیں، باوجاہت ہیں، مقام اور منزلت والے ہیں، مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ: اور آسمان والوں میں، فرشتوں میں ان کی بات مانی جاتی ہے، اطاعت کی جاتی ہے اور امانت دار ہیں، اب ان کے اوپر یہ لوگ الزام لگا رہے ہیں!!

## خدا نے خود جنھیں بخشا رضامندی کا پروانہ

پھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت تک دین کے پہنچنے کا واسطہ ہیں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، پورا دین، چاہے وہ قرآن ہو یا حدیث ہو، ساری چیزیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لینے والے اور آپ سے لے کر امت تک پہنچانے والے واسطہ کون ہیں؟ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین! اگر - نعوذ باللہ - وہ مشکوک ہو جائیں، وہ اگر نا قابلِ اعتبار بن جائیں تو دین کہاں رہے گا! اسی لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی۔ قرآن کے اندر صحابہ کے بڑے فضائل ہیں: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ [التوبة: ۱۰۰]: کہ جو سب سے پہلے سبقت کر کے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار اور جو ان کے بعد آئے،

جنھوں نے بھلائی کے ساتھ، اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کی، گویا دو جماعتوں کا حال بیان فرمایا: ایک تو سابقینِ اولین: شروع میں ایمان لانے والے اور دوسرے وہ جو ان کے بعد آئے، اور بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کی، سبھی کے بارے میں فرماتے ہیں: رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کہ: اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی قرآن میں اتار کر اعلان کر دیا کہ اللہ کی رضامندی ان کو حاصل ہے اور اللہ کی رضامندی معمولی چیز نہیں ہوتی، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ﴾ [التوبة: ۷۲]: اللہ کی خوش نودی اور رضامندی بہت بڑی چیز ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی نعمت ہے

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب جنتی لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ جنتیوں کو خطاب کریں گے: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ: اے جنتیو! اس کے جواب میں جنتی عرض کریں: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ: کہ ہمارے پروردگار! ہم حاضر ہیں، آپ کی تعمیلِ ارشاد کے لیے موجود ہیں، ساری بھلائی آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے، کیا ارشاد ہے؟ باری تعالیٰ پوچھیں گے: هَلْ رَضِيتُمْ؟: کیا تم خوش ہو گئے؟ تو اس کے جواب میں جنتی کہیں گے: وَمَا لَنَا لَا نَرْضَى يَا رَبِّ وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ: اے اللہ! ہم کیسے راضی اور خوش نہ ہوں جب کہ آپ نے ہمیں وہ نعمتیں عطا کیں جو اپنی مخلوق میں سے

کسی اور کو نہیں دیں۔ تو باری تعالیٰ پوچھیں گے: أَلاَ أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذَلِكَ: اس سے بہتر نعمت نہ دوں؟ تو جنتی پوچھیں گے: باری تعالیٰ! کیا اس سے بھی بہتر کوئی نعمت ہے؟ ساری جنت تو مل گئی! جنت کی ساری چیزیں مل گئیں، اب اس سے بہتر کیا ہوگا! تو باری تعالیٰ فرمائیں گے: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلاَ أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا: میں اپنی رضامندی اور خوشنودی کا پروانہ ہمیشہ کے لیے تم کو دیتا ہوں، اب میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا(۱)۔

## انھیں پر بعض ناداں کچھ گڑھا کرتے ہیں افسانہ

یہ وہ نعمت ہے جو جنتیوں کو بھی جنت میں جانے کے کے بعد سب سے اخیر میں ملے گی، وہ نعمت اللہ تعالیٰ نے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دنیا میں عطا فرمائی تو اس سے اندازہ لگائیں کہ صحابۂ کرام کا کیا مقام ہے! قرآن میں ارشاد ہے: ﴿فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا﴾ [الفتح:۲٦] کہ: اللہ تعالیٰ نے ان حضراتِ صحابہ کے لیے کلمۂ تقوی لازم کردیا، جیسے آگ کے لیے گرمی، پانی کے لیے ٹھنڈک لازم ہے، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے صفتِ تقویٰ لازم ہے، وَكَانُوْا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا: اور یہی حضرات اس کے سب سے زیادہ حق دار اور اس کے اہل ہیں۔ یہ قرآن کہتا ہے، گویا ان سے یہ تقویٰ والی صفت کبھی الگ ہو سکتی نہیں ہے۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب كلام الرب مع أهل الجنة.

## حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حاصل ہونے والے قرآنی القاباتِ ثمینہ

یہ وہ حضرات ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ [الحجرات:۳] کہ: اللہ تعالیٰ نے دلوں کے معاملے میں ان کے دلوں کا امتحان لیا: کبھی بدر میں کبھی احد میں، کبھی خندق میں، کبھی حنین کے وقت۔ تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سرٹیفیکٹ دے دیا گیا: ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ﴾ [الحجرات]: راہِ راست پر چلنے والے یہی ہیں، ﴿فَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [الحشر]: کامیابی کے حاصل کرنے والے یہی ہیں، ﴿وَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُوْنَ﴾ [التوبة:۲۰]: فوز وفلاح پانے والے یہی ہیں، ﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ [الأنفال:۷۴] حقیقی معنے میں ایمان والے یہی ہیں۔ قرآن میں کیسے کیسے القاب سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نوازا ہے۔

## اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہوجائے اس سے کبھی ناراض نہیں ہوتے

علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمۃ اللہ علیہ جن کی کتاب ہے: **الإستيعاب في معرفة الأصحاب**، اس میں وہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس سے راضی ہو گئے، کبھی اللہ اس سے ناراض نہیں ہوں گے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی اگلی پچھلی سب باتوں کا علم ہے۔ ہم اور آپ کسی سے راضی ہو جائیں، آئندہ کیا ہونے والا ہے، ہم کو معلوم نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ آئندہ کچھ ایسے حالات پیش آجائیں جن کی وجہ سے ہمیں اس سے ناراض ہونا پڑے۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے؛ اس لیے جس

سے اللہ راضی ہو گیا، کبھی اللہ تعالیٰ اس سے ناراض نہیں ہوگا، یہ ان حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے ایک بہت بڑا سرٹیفکیٹ ہے۔

## میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں

اسی لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ (۱) کہ: میرے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کرلوگے، تم راہِ راست کو پالوگے۔ جیسے ستارے ہیں کہ جو لوگ ستاروں کو پہچانتے ہیں، اندھیری راتوں میں سفر کے موقع پر جس ستارے کو بھی پہچانے گا، وہ اس کے ذریعہ سے اپنا سفر آسانی کے ساتھ قطع کرلیتا ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ کے سلسلے میں تنبیہ فرماتے ہیں کہ ان کی شخصیتوں کو، ان کی ذاتوں کو نشانۂ تنقید نہ بناؤ، اللّٰهَ اللّٰهَ فِي أَصْحَابِي کہ: میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي: میرے بعد ان کو تم نشانۂ تنقید مت بنانا، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ: جنھوں نے ان سے محبت کی، میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی یعنی حضراتِ صحابہ سے محبت کرنا دلیل ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت تھی تو آپ کے صحابہ سے محبت کی، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ: اور جس نے ان سے عداوت اور دشمنی کی تو میری عداوت اور دشمنی کی وجہ سے اس نے ان سے دشمنی کی، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي: جس نے انھیں تکلیف دی، اذیت پہنچائی، اس نے مجھے

---

(۱) جامع بیان العلم وفضله ۲/۱۵۸، باب جامع بیان ما یلزم الناظر في اختلاف العلماء.

اذیت پہنچائی، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللّٰهَ: اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی، گویا اس نے اللہ کو اذیت پہنچائی، وَمَنْ آذَى اللّٰهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ: اور جو اللہ کو تکلیف پہنچائے گا، اللہ اس کی گرفت کریں گے اس کو پکڑیں گے (۱)۔

## میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں تو کہو کہ اللہ کی لعنت ہو تمھارے شر کے اوپر (۲)۔ ایسے لوگوں کے منہ پر، ان کے سامنے کہو۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ: کہ میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو! تم میں سے ایک آدمی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابی کے ایک مد یا آدھے مد خرچ کرنے کے بھی برابر نہیں ہو سکتا (۳)۔

## ہمارا زندگی بھر کا عمل صحابہ کی معمولی سی عبادت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا

اندازہ لگائیں! صحابہ نے جو دو رکعتیں نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں پڑھ لیں، ساری امت کی نمازیں ان دو رکعتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں، صحابہ نے جو صدقہ اور خیرات آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور حضور ﷺ نے اس کو قبول کر لیا تو

(۱-۲-۳) سنن الترمذي، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي مَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ساری امت کا صدقہ اور خیرات اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

صحابہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر میں: حج کے سفر میں، جہاد کے سفر میں شرکت کی، ان کے اس عمل کا مقابلہ پوری امت کے سارے اعمال نہیں کرسکتے:

اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لَا تَسُبُّوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ: ان کا ایک ساعت کے لیے کھڑے رہنا تمھاری زندگی بھر کے عمل سے بہتر ہے[1]۔ یعنی تمھارا زندگی بھر کا عمل ان کی معمولی سی عبادت کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ ان کا مقام کس قدر اونچا ہے۔

## حضراتِ صحابہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا مقولہ

حضرت مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ صحابی کے برابر کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی نہیں ہوسکتا، ان کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جن کے متعلق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے اپنے لیے دعا کروانا! اپنی بلندیٔ شان اور علوِّ مرتبت کے باوجود جب انھیں شرفِ صحابیت حاصل نہیں ہوا تو وہ ادنی صحابی کے برابر بھی نہیں ہوسکتے پھر حضرت مجددالفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا حضرت

---

(۱) سنن ابن ماجة، فَضَائِلُ الصَّحَابَةِ.

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ؟ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جن کی خلافت کا دور تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ خلافتِ راشدہ جیسا تھا لیکن وہ صحابی نہیں تھے تو اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں؟ سننے جیسی بات ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جس کسی سفر میں شرکت رہی اور ان کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار اور دھول پہنچی، عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سے وہ دھول کہیں زیادہ بہتر ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضراتِ صحابہ کا مقام کتنا اونچا ہے۔

## اسلاف کے بارے میں شمس الدین سلفی کی دریدہ دہنی

ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ لوگ نشانِ تنقید بناتے ہیں اور آج ایسے اور بھی لوگ پیدا ہوتے جارہے ہیں جو اسلاف کو، صحابہ کو اور ان کے علاوہ اکابر کو، بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ آج ایک جماعت خود کو سلفی کہتی ہے اور وہ ایسی ایسی گستاخیاں اسلاف کی شان میں کرتے ہیں! ایک کتاب شائع ہوئی ہے: "جهود العلماء في ابطال عقائد القبورية"، لکھنے والا ہے شمس الدین سلفی جس کو مدینہ یونورسیٹی سے پی ایچ ڈی (p.h.d.) کا سرٹیفکیٹ دیا گیا، اس نے اپنی کتاب میں ایسی ایسی خطرناک باتیں لکھی ہیں کہ ہم اور آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، مذاہبِ اربعہ یعنی یہ جو چار ائمہ ہیں اور ان کو ماننے والے، چاہے وہ حنفی ہو، شافعی ہو، مالکی ہو، حنبلی ہو، ان سب کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ یہ سب قبر پرست ہیں بلکہ ان کے متعلق لکھتا ہے کہ بدترین قبر پرست اور ملحدین ہیں اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق وہ کیا لکھتا ہے؟ کہ غزالی قبر پرستوں،

جہمیوں، صوفیوں کا بوقتِ واحد حجۃ الاسلام ہے۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ جن کی مثنوی ہے جو گویا فن تصوف کی بنیاد ہے، ان کے بارے میں کیا لکھتا ہے؟ صوفیا کا امام، حنفی، صوفی، وحدۃ الوجود کا قائل اور خرافات بکنے والا، یہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتا کہ وہ صوفیا کا امام ہے اور اس کی قبر کی لوگ ہندوستان میں پوجا کرتے ہیں اور شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم گذرے ہیں، ان کے متعلق تو لکھا ہے- نعوذ باللہ -ملحد، زندیق اور بے دین بلکہ ایک جگہ لکھتا ہے: ”شیخ الکفر“۔

## حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے بارے میں ایک اور سلفی کی ہرزہ سرائی

ایک کتاب اور آئی ہے جس کا نام ہے: ”شیخ عبد القادر جیلانی و آراءہ الاعتقادیۃ والصوفیۃ“ نام تو بہت اچھا معلوم پڑتا ہے لیکن اس میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اس کے اندر وہ زہر اگلا ہے کہ خدا کی پناہ! اس کے لکھنے والے کو ”اُمُّ القُری“ یونورسیٹی مکہ مکرمہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے، اس میں وہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتا ہے کہ قبر پرست اور بدعتی ہیں، ساری بدعتوں کی جڑ وہ ہیں- نعوذ باللہ -ایسی ایسی باتیں آج کل اسلاف کے بارے میں لکھی جارہی ہیں اور جو لوگ حج کے لیے، عمرہ کے لیے جاتے رہتے ہیں، ان کو معلوم ہے کہ اس

زمانے میں کیسے کیسے چھوٹے بڑے پمفلیٹ حاجیوں کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں، باقاعدہ ایک درخت کی شکل بنائی گئی ہے، وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ، اور پھر اس کے اندر وہ سب حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور پتہ نہیں کیا کیا ہوتا ہے۔ کسی کو نہیں چھوڑا اور سب ملحد، زندیق، قبر پرست اور پتہ نہیں کیا کیا القاب سے نوازا ہے۔

## حج، عمرہ کرنے والوں کو اسلاف سے بدظن کرنے کا ابلیسی مکر

اس قسم کے پمفلیٹ حاجیوں کے خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں اور حرم کے اندر ان کے جو بیانات ہوتے ہیں، حرمِ مکی کے اندر رکنِ یمانی کے سامنے پہلے ایک بڈھا ہوا کرتا تھا، وہ تو گیا۔ وہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایسی گستاخی، ایسی گستاخی کرتا تھا کہ ہم اور آپ تو سن نہیں سکتے۔ وہاں مدینہ منورہ کے اندر بھی یہی حال ہے، ابھی دو سال پہلے کی بات ہے، مدینہ منورہ جانا ہوا تھا، بقیع میں جانا ہوا، وہاں جو کھڑے رہتے ہیں، وہ کیا معاملہ کرتے ہیں، جو جاتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں کہ یہاں کیا ہے؟ کیوں یہاں آئے ہو؟ اب میں ایک آدمی کو بتلا رہا تھا، وہ بھی چپکے سے کہ بھائی! یہ ازواجِ مطہرہ، امہات المؤمنین کی قبریں ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ تم سے کس نے کہا کہ یہ ان کی قبریں ہیں؟ میں نے کہا کہ بھائی! یہی سنتے چلے آ رہے ہیں، طبقہ در طبقہ، نسل در نسل۔ میں نے کہا کہ یہ مدینہ منورہ ہے، یہ کس نے کہا تم سے؟ ہے تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل کسی کتاب میں؟ بھائی! ہم باپ دادا سے سنتے چلے آ رہے ہیں کہ

یہ مسجدِ نبوی ہے، یہ وہ ہے، یہ فلاں جگہ ہے۔ یہ مسجد ہے، یہ کیسے پتہ چلا؟ اس کی دلیل یہی ہے کہ ہم طبقہ در طبقہ سنتے چلے آ رہے ہیں، اس سے بڑی دلیل اور کیا چاہیے؟

## فِرقِ باطلہ کی تحریروں سے کنارہ کشی اختیار کرنا بہت ضروری ہے

تو بہر حال! ان کے یہاں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں اور آج کل یہ فتنہ بہت سر ابھار رہا ہے اور ان کی تحریریں اس سلسلے میں عام ہونے لگی ہیں تو یہ ہے: وَلَعَنَ آخِرُ هَذِهِ الأُمَّةِ أَوَّلَهَا کہ: اس امت کے بعد میں آنے والے اگلے لوگوں کے اوپر لعنت ملامت، سبّ وشتم، ان کی شان میں گستاخیاں کریں گے، یہ بہت عام ہوتا جا رہا ہے، اس زمانے میں اپنے ایمان کی حفاظت کے لیے بہت ضروری ہے کہ ہم بہت زیادہ احتیاط سے کام لیں، ایسی تحریروں کو پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ایسی تحریروں اور ایسے مضامین سے اپنے آپ کو باز رکھنے کی کوشش کی جائے، اس کے اندر ایسا زہر ملایا جاتا ہے کہ پڑھنے والا بھی اس کی وجہ سے کبھی متاثر ہو جایا کرتا ہے، یہ فرقِ باطلہ والوں کی تحریریں ہیں نا، اس کے اندر ایک انداز ہوتا ہے، واقف کار تو بچ سکتا ہے لیکن جو شخص اس سے ناواقف ہوتا ہے اس کے لیے بچنا بہت مشکل ہے۔ جو آدمی تیرنا جانتا ہے، اگر وہ سمندر کے اندر گرے تو کوئی بات نہیں لیکن جو نہیں جانتا، اس کو تو یہی کہیں گے کہ مت جاؤ، مر جاؤ گے، ڈوب جاؤ گے۔ وہ کہے کہ اس میں کیا ہے؟ فلاں فلاں بھی تو جاتے ہیں تو اس کو کہیں گے کہ جو سیکھے ہوئے ہیں وہ جاتے ہیں، آپ سیکھے ہوئے نہیں ہیں، اگر جائیں گے تو ڈوبنا آپ کا نصیب ہوگا۔ ضرورت اس بات کی ہے

کہ ان چیزوں سے خاص کر کے بچا جائے۔

## ہماری غفلت اور کوتاہی

اب کیا کہا جائے ہمارے ان مسلمانوں کو۔ ہمارے یہاں جو گجراتی اخبار آتے ہیں تو کوئی دن خالی نہیں کہ کوئی ''پرتی'' نہ نکلتی ہو، ایک ''پُرتی'' نکلتی ہے ''دھرم'' کے متعلق اور اس میں ہندو دھرم کی باتیں ہوتی ہیں اور اس کو مسلمان پڑھتے ہیں، اپنے دھرم کا لٹریچر پڑھنے کی فرصت نہیں ہے ہم کو، ہمارے دین کی جو چیزیں ہیں: قرآن کریم کی باتیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، دینی رسالے۔ باقاعدہ لوگ چھاپ چھاپ کے مفت میں دیتے ہیں، وہ لے کر جیب میں رکھ دیتے ہیں، اس کو پڑھتے نہیں ہیں اور ان اخبارات کو پیسے خرچ کر کے لیتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔

## ''توریت'' پڑھنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خفگی

روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں توریت کے اوراق لے کر کے آئے۔ توریت آسمانی کتاب ہے، اگرچہ اس کے اندر انھوں نے تحریف اور تبدیلی کر دی تھی۔ اب یہودیوں نے اس کا عربی میں جو ترجمہ کیا تھا، وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لا کر اس کو پڑھنا شروع کر دیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ توریت کے اوراق ہیں۔ وہ تو پڑھنے میں مشغول ہیں، اِدھر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا ہے، بہت غصے میں بھر گئے، اب وہ تو پڑھنے میں مشغول ہیں، ان کو پتہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

-جو اس مجلس میں موجود تھے- نے کہا: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ: اے ابنِ خطاب! تمھاری ماں تم کو روئے یعنی تمھیں موت آئے، مَا تَرَى بِوَجْهِ رَسُولِ اللهِ ﷺ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو دیکھتے نہیں کہ کیا کیفیت ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو دیکھا کہ غصہ کی وجہ سے ایک دم لال ہو رہا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اوراق فوراً اسمیٹ لیے اور کہنے لگے: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَمِنْ غَضَبِ رَسُولِهِ: ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اللہ کی ناراضگی اور اس کے رسول کی ناراضگی سے، رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا: ہم دین کے اسلام ہونے کے اوپر اور اللہ کے رب ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اللہ کا نبی اور رسول ہونے پر دل سے راضی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور اس کے بعد کیا فرمایا؟: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ بَدَا لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ حَيًّا وَأَدْرَكَ نُبُوَّتِي لَاتَّبَعَنِي: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے آج اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کر لیتے تو گمراہ ہو جاتے اور اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی اور اتباع کیے بغیر چارۂ کار نہیں تھا(۱)۔

## اختتامی کلمات

اندازہ لگائیے! یہ چیزیں ہمارے عقائد کو کہاں پہنچا رہی ہیں، آج کا مسلمان ان سب باتوں کا خیال نہیں کرتا اور گویا اپنے ہاتھوں اپنے پیروں پر کلہاڑی مارتا ہے۔

---

(۱) سنن الدارمي، عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي صلى الله عليه وسلم.

ضرورت ہے کہ ایسی چیزوں میں احتیاط برتی جائے۔

اللہ تعالیٰ میری اور آپ کی ان سارے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ الحمد للہ! جو روایت شروع کی تھی، وہ پوری ہوگئی اور ہمارے پروگرام کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ بھی اختتام کو پہنچا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# حج کا مسنون طریقہ

سنہ ۲۰۱۰ء

# اقتباس

یہ وہ فریضہ ہے جو فرائضِ اسلام میں سب سے آخر میں فرض ہوا۔ ۹ ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا حکم نازل ہوا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ ھ میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا۔ ویسے تو یہ دین کے اعمال بار بار کرنے کی وجہ سے آسان ہو جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز جو آسان ہے، وہ اس لیے ہے کہ ہم بچپن سے اس کو کرتے رہتے ہیں اور کرنے والوں کو دیکھتے رہتے ہیں، ورنہ اگر خالی کتابوں میں پڑھ کر اس کو کرنے کی نوبت آئے تو آدمی سیدھے طریقے سے رکوع بھی نہیں کر سکتا۔ تو بہر حال! ان اعمال کو انجام دینے کے لیے ان کو سیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ ایک آدمی پر حج فرض ہوا اور اس نے اس فریضے کو ادا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی فرض ہے، بغیر سیکھے جائے گا تو ظاہر ہے، اس سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر پائے گا بہر حال! ہمارے یہاں اس کا طریقہ بتلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم: ﴿وَلِلهِ عَلَي النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡهِ سَبِیۡلًا﴾ [آل عمران:۹۷]

وقال تعالى: ﴿وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلهِ﴾ [البقرة:۱۹۶]

## حج کرنے سے پہلے اس کے مسائل کو جاننے کی ضرورت

محترم حضرات! آج کی ہماری یہ مجلس حج اور عمرے کا طریقہ بتلانے کے لیے قائم کی گئی ہے، جو حضرات حج کے لیے جایا کرتے ہیں تو ویسے حج فرضیت کے اعتبار سے زندگی میں ایک ہی مرتبہ فرض ہوتا ہے اور گویا پوری زندگی میں ایک مرتبہ یا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو بار بار حاضری کی توفیق دے تو جتنا بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے ساتھ فضل کا معاملہ ہو، حاجی حج کے لیے جایا کرتا ہے لیکن چوں کہ یہ عمل

ہمیشہ مسلسل نہیں کیا جاتا؛ اس لیے وہ لوگ جو زندگی میں ایک مرتبہ کرتے ہیں، ان کے لیے تو ہے ہی دشوار؛ لیکن جو بار بار جایا کرتے ہیں، ان کو بھی اس کے مسائل کے سلسلے میں بہت اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

## مسائلِ حج سے عدمِ واقفیت حج کو فاسد کرسکتی ہے

یہ وہ فریضہ ہے جو فرائضِ اسلام میں سب سے آخر میں فرض ہوا۔ ۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کا حکم نازل ہوا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں صحابہ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ حج فرمایا۔ ویسے تو دین کے یہ اعمال بار بار کرنے کی وجہ سے آسان ہو جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ نماز جو آسان ہے، وہ اس لیے ہے کہ ہم بچپن سے اس کو کرتے رہتے ہیں اور کرنے والوں کو دیکھتے رہتے ہیں، ورنہ اگر خالی کتابوں میں پڑھ کر اس کو کرنے کی نوبت آئے تو آدمی سیدھے طریقے سے رکوع بھی نہیں کرسکتا۔ تو بہر حال! ان اعمال کو انجام دینے کے لیے ان کو سیکھنے کی بھی ضرورت ہے۔ ایک آدمی پر حج فرض ہوا اور اس نے اس فریضے کو ادا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو اس کے لیے اس کا سیکھنا بھی فرض ہے، بغیر سیکھے جائے گا تو ظاہر ہے، اس سے واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ادا نہیں کر پائے گا بہر حال! ہمارے یہاں اس کا طریقہ بتلانے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

## حج کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

حج عربی زبان میں کسی عظیم اور بڑی چیز کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں اور فقہاء کی

اصطلاح میں مخصوص مہینوں میں: اشہرِ حُرُم میں، مخصوص ایام میں یعنی ایامِ حج میں، مخصوص افعال کے ذریعہ سے یعنی مناسکِ حج، حج کے کاموں کے ذریعہ سے مخصوص مقامات کا ارادہ کرنا: مکہ مکرمہ ہے، منٰی ہے، مزدلفہ ہے، عرفات ہے، وہاں یہ حج کے مخصوص افعال اور کام انجام دئے جاتے ہیں تو بہر حال! یہ حج جو ہے وہ عربی زبان میں کسی باعظمت چیز کا ارادہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

## اعمالِ حج وعمرہ کی انجام دہی کی جگہیں

عمرہ کسی چیز کو آباد کرنے کے لیے بولا جاتا ہے، یہ دونوں عبادتیں ایسی ہیں جو خاص مقامات پر یعنی مکہ مکرمہ میں، بیت اللہ میں اور اسی طریقے سے خصوصی طور پر حج کے افعال منی، مزدلفہ اور عرفات میں انجام دئے جاتے ہیں، ان کے اعمال کو لفظِ مناسک سے بھی تعبیر کرتے ہیں، مناسک بولتے ہیں تو حج میں کیے جانے والے اعمال مراد ہوتے ہیں تو بہر حال! یہ حج اور عمرہ دو عمل ہیں۔

## حج اور عمرہ کا وقت

حج کے مہینے تین ہیں: (۱) شوال (۲) ذوالقعدہ (۳) اور ذوالحجہ کے ''۱۳'' دن۔ ویسے تین مہینے بول کر کے گویا اکثریت مراد لی ہے اور اس کے افعال خاص طور پر پانچ دنوں میں ادا کیے جاتے ہیں، ان کو ایامِ حج سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایک تو حج کے مہینے ہیں اور ایک ہے حج کے دن تو حج کے مہینے تین ہیں اور دن پانچ ہیں۔ اور عمرہ سال بھر ادا کیا جاتا ہے، البتہ جو حج کے مخصوص دن ہیں، ان میں عمرہ کو مکروہ قرار دیا گیا ہے،

ان پانچ دنوں کے علاوہ آدمی سال میں جب بھی جائے، عمرہ ادا کرسکتا ہے۔

## احرام کو سمجھانے کے لیے ایک مثال

ان دونوں عبادتوں کو ادا کرنے کے لیے ایک خاص ہیئت کو اختیار کیا جاتا ہے، جس کو احرام کہا جاتا ہے، اس احرام کی حقیقت اگر آدمی سمجھ لے تو حج کے بہت سارے مسائل حاجی کے لیے آسان ہو جاتے ہیں تو اس کی حقیقت سمجھانے کے لیے میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ: جیسے ہم نماز ادا کرتے ہیں تو نماز میں تحریمہ ہے، تحریمہ اور احرام عربی زبان کے الفاظ ہیں اور دونوں کا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ تحریم کا معنی ہے کسی چیز کو حرام کرنا اور احرام کا معنی بھی ہے کسی چیز کو حرام کرنا۔ نماز میں لفظِ تحریمہ استعمال ہوا ہے اور حج کے لیے لفظِ احرام استعمال ہوتا ہے۔

## نماز کی صحت کے لیے نجاست حقیقی اور حکمی سے پاکی حاصل کرنا فرض ہے

ہم اور آپ جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں تو نماز سے پہلے جو جو چیزیں ہمیں کرنی ہیں، جن کو شرائط کہتے ہیں۔ ویسے فرائض کچھ وہ بھی ہیں جو نماز شروع کرنے سے پہلے کرنے پڑتے ہیں اور کچھ وہ بھی ہیں جو نماز کے اندر انجام دئے جاتے ہیں، نماز سے پہلے جیسے جنابت یعنی بڑی ناپاکی سے طہارت حاصل کرنا اور اسی طریقے سے حدثِ اصغر یعنی چھوٹی ناپاکی سے پاکی حاصل کرنا۔ ناپاکی بھی دو قسم کی ہے: (۱) حقیقی (۲) حکمی، یعنی ایک تو ظاہری نجاست ہے جیسے جسم کے اوپر باقاعدہ پیشاب لگا ہوا ہے،

پاخانہ لگا ہوا ہے اور اسی طریقے سے جسم پر خون لگا ہوا ہے، گوبر لگا ہوا ہے، یا کپڑے پر لگا ہوا ہے تو کپڑوں کو، جسم کو ان ناپاکیوں سے پاک کرنا، یہ نجاستِ حقیقیہ سے پاکی حاصل کرنا کہلاتا ہے۔

## نجاستِ حکمیہ اور اس کی دو قسمیں

اور ایک ہوتی ہے نجاستِ حکمیہ یعنی دیکھنے میں تو کوئی نجاست نظر نہیں آتی لیکن شریعت نے ہمیں اس حال میں ناپاک قرار دیا جیسے کسی آدمی کو اگر احتلام ہو جائے، مخصوص شرائط کے ساتھ مادۂ منویہ خارج ہو جائے تو وہ آدمی ناپاک ہو گیا اور وہ اپنی اس ناپاکی کی وجہ سے عبادت کے بہت سے کام ایسے ہیں جن کے کرنے کے وہ قابل نہیں رہا۔ یہاں جسم پر ظاہر میں کوئی نجاست نظر نہیں آتی، آپ اس کا ہاتھ پکڑ کر نہیں بتا سکتے کہ یہ ناپاکی لگی ہوئی ہے۔ جسم کے کسی حصے میں بھی نہیں۔ اسی طریقے سے کسی آدمی نے پیشاب کیا، پاخانہ کیا اور اس کے بعد جو جگہ پیشاب پاخانے سے ملوث ہوئی تھی اس جگہ کو دھولیا۔ ریح یعنی ہوا خارج ہوئی، ہوا کے نکلنے کی وجہ سے کوئی ناپاکی جسم پر نہیں ہے لیکن شریعت اس کو حکمی ناپاکی کہتی ہے اور اس حالت میں وہ آدمی اللہ کے سامنے کھڑے رہنے کے قابل نہیں رہا، جب تک کہ اس ناپاکی کو دور نہ کر دے، حالاں کہ یہاں جسم پر کوئی ناپاکی نظر نہیں آتی۔ اس حکمی نجاست کو دور کرنے کا بھی شریعت نے طریقہ بتلایا: اب اگر وہ چھوٹی ہے، حدثِ اصغر ہے تو اس کے لیے وضو کرنا ہے اور اگر بڑی ہے، حدثِ اکبر ہے تو اس کے لیے غسل کرنا ہے، یہ اس کا طریقہ بتلایا۔

## نماز سے باہر کے فرائض

بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے جو چیزیں کرنی ہیں: حدثِ اکبر اور حدثِ اصغر سے اپنے آپ کو پاک کرنا، اپنے جسم کو ظاہری نجاستوں سے، نجاستِ حقیقیہ سے پاک کرنا، کپڑوں کو بھی پاک کرنا، جس جگہ پر نماز ادا کر رہا ہے، اس جگہ کا بھی پاک ہونا اور اپنے جسم کے اس حصے کو جس کے چھپانے کو شریعت نے فرض قرار دیا ہے، جس کا نام ہے ستر: چھپانے کی چیز، اس کو چھپانا۔ یہ سب نماز سے پہلے کرنے کی چیزیں ہیں، سب تیاری کر کے آدمی نماز پڑھنے کے لیے آجائے، یہ سب فرائض ہیں اور عربی میں فقہاء کی اصطلاح میں ان کو شرائط کہا جاتا ہے یعنی نماز سے باہر کے فرائض۔ اور نماز کے اندر کرنے کی جو چیزیں ہیں، وہ بھی فرض ہیں اور فقہاء کی اصطلاح میں ان کو ارکان کہتے ہیں۔

## نماز شروع کرنے سے پہلے نیت کرنا فرض ہے

خیر! یہ سب تیاری کر کے آیا نماز پڑھنا شروع کرنا چاہتا ہے تو دیکھو! نماز کی شروعات کے لیے دو چیزیں ہوتی ہیں۔ میں دراصل آپ کو احرام سمجھانا چاہتا ہوں، اس کے لیے آپ نماز کی یہ چیزیں سمجھ لیں گے تو اس کے بعد احرام کی کیفیت اور حقیقت بھی سمجھ میں آجائے گی۔ ہم اور آپ جب بھی نماز شروع کریں گے تو دو کام کریں گے، نماز سے پہلے کی سب تیاریاں کر کے جب مصلے پر آکر کے کھڑے ہوں گے، قبلے کی طرف منہ کر لیا، سب تیاری کر لی، نماز شروع کرنے کے لیے نیت ضروری ہے، جس

نماز کو آپ ادا کرنا چاہتے ہیں، فرض ہے تو فرض، نفل ہے تو نفل۔ فرض میں بھی کون سی؟ فجر کی، ظہر کی، عصر کی؛ وہ بھی متعین کرنا ضروری ہے۔

## نماز کا تحریمہ اور اس کی وجہِ تسمیہ

نیت کرلی اور نیت کرنے کے بعد اللہ اکبر کہا، جو نماز آپ پڑھنے جا رہے ہیں، اس نماز کی نیت اور اس کے بعد لفظِ اللہ اکبر، تکبیر۔ یہ دو چیزیں جب آپ نے کر لیں تو آپ نماز میں داخل ہو گئے، اسی تکبیر کو تحریمہ کہتے ہیں؛ اس لیے کہ نیت کرنے کے بعد جیسے ہی آپ نے اللہ اکبر کہا تو اللہ اکبر کہتے ہی بہت سی وہ چیزیں جو اللہ اکبر کہنے سے پہلے آپ کے لیے حلال تھیں، حرام ہو گئیں، اللہ اکبر کہنے سے پہلے آپ کے لیے کھانا حلال تھا، وہ اب حرام ہو گیا، بات چیت کرنا حلال تھا، وہ اب حرام ہو گیا، چلنا پھرنا حلال تھا، وہ اب ممنوع ہو گیا، اسی طریقے سے قبلے سے سینہ پھرانا حلال تھا، وہ اب ممنوع ہو گیا، کسی ضرورت کی وجہ سے ستر کھولنا حلال تھا، اب نماز میں نہیں کھول سکتے تو مطلب یہ ہے کہ بہت سے کام جو اللہ اکبر کہنے سے پہلے حلال تھے، وہ اللہ اکبر کہنے کی وجہ سے حرام ہو گئے، اسی اللہ اکبر کو شریعت کی اصطلاح میں تحریمہ کہتے ہیں یعنی وہ جملہ جو بہت ساری چیزوں کو حرام کر دیتا ہے۔

## حرمتِ صلوۃ سے باہر لانے والا کلمہ

اب اللہ اکبر کہنے کے بعد آپ ایک خاص حالت میں آ گئے، ایک خاص پوزیشن میں آ گئے اور اس پوزیشن میں آپ کے لیے یہ ساری چیزیں حرام ہو گئیں، یہ

حرمت کب تک باقی رہے گی؟ جب آپ سلام پھیریں گے اس وقت تک، اگر آپ نے دورکعت والی نماز شروع کی ہے تو دورکعت مکمل ہونے تک حرام رہے گی، جب آپ دورکعت پوری کریں گے اور السلامُ علیکم ورحمۃ اللّٰہ کہیں گے تو وہ ساری چیزیں جو آپ پر حرام ہوگئی تھیں، وہ سب چیزیں حلال ہوجائیں گی، اسی وجہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے، ترمذی شریف کی روایت ہے: وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ کہ نماز میں حرام کرنے والی چیز تکبیر ہے یعنی اللہ اکبر اور اسی نماز میں حرام شدہ چیزوں کو حلال کرنے والا کلمہ کون سا ہے؟ السلامُ علیکم ورحمۃ اللّٰہ، تو ''تکبیر'' تحریمہ ہے اور یہ سلام تحلیلہ ہے: حلال کرنے والی چیز، دیکھو! اللہ اکبر کہنے کے بعد ہم ایک خاص پوزیشن میں آ گئے تھے اور اس پوزیشن میں بہت سی چیزیں حرام اور ممنوع تھیں، اسی پوزیشن کو حرمتِ صلوۃ کہتے ہیں، ایک خاص حالت جس میں ہم یہ کام نہیں کرسکتے۔

## حرمتِ صلاۃ میں داخل ہونے کے لیے دو کام ضروری ہیں

اب ایک بات یہ یاد رکھو کہ نماز کی حرمت کے اندر داخل ہونے کے لیے دو کام کرنے پڑتے تھے: (۱) نیت (۲) تکبیر، اگر خالی نیت کرلی یعنی ابھی نماز کی نیت کرلی لیکن اللہ اکبر نہیں کہا تو ابھی نماز کے اندر داخل نہیں ہوا اور خالی اللہ اکبر کہا اور نیت نہیں کی، جیسے ابھی میں اللہ اکبر کہہ رہا ہوں لیکن میری نیت نہیں ہے نماز کی تو خالی اللہ اکبر کہنے سے آدمی نماز کے اندر داخل نہیں ہوجائے گا۔ آدمی اللہ اکبر کو تو بہت سی

مرتبہ بولتا ہے، چلتے پھرتے بھی بولتا ہے تو اس سے کوئی نماز شروع نہیں ہو جاتی تو نماز کے شروع ہونے کے لیے دو کام کرنے ہیں: نیت اور تکبیر۔ اب تکبیر جہاں کہی، وہ حرمتِ صلوۃ میں آ گیا اور وہ اس حرمت سے سلام تک باقی رہے گا۔

## حج کے احرام میں داخل ہونے کے لیے نیت اور تلبیہ ضروری ہے

بس آپ حج اور عمرے کے لیے یوں سمجھو کہ جو آدمی حج یا عمرہ کرنا چاہتا ہے تو حج اور عمرہ کرنے کے لیے شریعت نے اس کو ضروری قرار دیا کہ نیت کرو، اگر حج کرنا ہے تو حج کی نیت کرو یا عمرہ کرنا ہے تو عمرے کی نیت کرو اور نیت کرنے کے ساتھ ساتھ تلبیہ پڑھو، تلبیہ کیا ہے: لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیكَ لَكَ لَبَّیْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیكَ لَكَ، فقہاء نے اس کو پڑھنے کا طریقہ بھی یہی بتلایا ہے کہ آپ اس کو چار حصوں میں پڑھیں گے (۱) لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ (۲) لَبَّیْكَ لَا شَرِیكَ لَكَ لَبَّیْكَ (۳) إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ (۴) لَا شَرِیكَ لَكَ۔

## احرام کی وجہ سے بہت سے حلال کام حرام ہو جاتے ہیں

اب اس نے عمرے کی نیت کی تھی اور ساتھ میں تلبیہ پڑھا تو احرام شروع ہو گیا، ''احرام شروع ہو گیا'' یعنی پہلے بہت سی چیزیں حلال تھیں، وہ اب حرام ہو گئیں، پہلے سِلے ہوئے کپڑے پہننا حلال تھا، اب حرام ہو گیا، خوشبو لگانا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، بال منڈوانا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، ناخن ترشوانا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، سر ڈھانپنا پہلے حلال تھا، اب حرام ہو گیا، چہرہ ڈھانپنا پہلے حلال تھا، اب

حرام ہوگیا، اسی طرح بہت ساری چیزیں: شکار کرنا پہلے حلال تھا، اب حرام ہوگیا بہت ساری چیزیں پہلے حلال تھیں، اب حرام ہوگئیں؛ اس وجہ سے اس کا نام احرام ہے۔

## حلق اور قصر حج اور عمرے کے لیے تحلیل کے درجے میں ہیں

اب یہ چیزیں جو حرام ہوگئیں، کب تک حرام رہیں گی؟ اس وقت تک حرام رہیں گی، جب آپ عمرے کے کام پورے کر کے اپنے سر کے بال منڈوالیں گے، اگر عمرے کا احرام باندھا ہے اور اگر حج کا احرام باندھا ہے تو حج کے سب کام کرنے کے بعد اخیر میں سر کا حلق کروائیں گے تو حلال ہوجائیں گی۔ یہ حلق جو ہے، یہ تحلیل ہے، جیسے نماز میں تکبیرِ تحریمہ تحریم اور سلام تحلیل ہے، ایسے ہی حج میں تلبیہ اور نیت حرام کرنے والا ہے اور حلق حلال کرنے والا ہے لیکن ایک بات یاد رکھو! حج اور عمرے میں حلق حلال کرنے کا کام اس وقت کرے گا جب آدمی سارے کام کرنے کے بعد کرے، مثلاً عمرے کا احرام باندھا تو عمرے کا طواف کیا، عمرے کی سعی کی، اس کے بعد حلق کرایا تو حلق حلال کرنے کا کام کرے گا اور اگر عمرے کا احرام باندھ کر خالی بیت اللہ کی زیارت کرتا رہا اور حلق کرا ڈالا تو احرام نہیں کھلا۔

## حج وعمرہ کے احرام اور نماز کی تحریمہ میں فرق

دیکھو نماز کے تحریمہ اور حج کے احرام میں یہی فرق ہے۔ نماز میں تو کیا ہوتا ہے؟ کوئی ایسا کام جو نماز کے خلاف ہے کریں گے تو تحریمہ ٹوٹ جائے گی، کھانا کھا لیں گے، بات کرلیں گے، چل پھر لیں گے، سینے کو قبلے کی طرف سے ہٹالیں گے تو نماز

ختم ہو جائے گی۔ جب کہ حج اور عمرے کا احرام تو گلے پڑتا ہے، حج اور عمرے کا احرام تو ایسا ہے کہ آپ کچھ نہ کریں اور کھول دیا تو نہیں چلے گا، جب تمام کام کر کے اخیر میں حلق کرائے تو کھلے گا۔ کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں نے کچھ کیے بغیر چادریں اتار لیں، سر منڈوا لیا اور احرام کھل گیا تو نہیں کھلا، ابھی احرام باقی ہے۔ ایک عمل ایسا ہے جس سے حج کا اور عمرے کا احرام فاسد ہوتا ہے، وہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا ہے اور وہ بھی حج میں وقوفِ عرفات سے پہلے اور عمرے میں طواف سے پہلے لیکن فاسد ہونے کے بعد بھی فقہاء یوں کہتے ہیں کہ آپ کو اعمال تو کرنے ہی پڑیں گے، احرام فاسد تو ہو گیا لیکن کھلا نہیں، کھلے گا کب؟ اعمال کرنے کے بعد: طواف بھی کرنا ہے، سعی بھی کرنی ہے، اس کے بعد دوبارہ قضا کرنی ہوگی۔ ایسے ہی حج کے اندر بھی چلتے رہو، کام سب کرتے رہو، یہ فرق ہے، یہ ذہن میں رہے۔ اب میں احرام کی جو حقیقت آپ کو بتلانا چاہتا تھا، وہ آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی تو احرام اس خاص کیفیت اور خاص پوزیشن کا نام ہے۔

## چادریں احرام نہیں، احرام کا لباس ہیں

اس کی شروعات اس طرح ہوتی ہے کہ جب آدمی احرام باندھنا چاہتا ہے تو پہلے سِلے ہوئے کپڑے اتار کر کے چادریں پہن لیتا ہے تو ہماری عام زبان میں ان چادروں کو احرام کہتے ہیں، یہ احرام نہیں ہے، یہ تو احرام کا لباس ہے؛ اسی وجہ سے اگر ان چادروں کو اتار کر دوسری چادریں پہن لیں تو کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ روزانہ چادریں بدلیں، روزانہ دھلی ہوئی چادریں پہنیں، جب تک کہ آپ اس سے فارغ نہ

ہوں، کوئی اس پر زد پڑنے والی نہیں ہے۔

## احرام کی چادریں احرام شروع ہونے سے پہلے پہننے کی وجہ

یہ پہلے کیوں پہنا جاتا ہے؟ تو جیسے نماز میں کیا ہوتا ہے کہ پہلے سے پاکی حاصل کی جاتی ہے، قبلے کی طرف منہ کیا جاتا ہے، پہلے سے سب تیاری کی جاتی ہے پھر تحریمہ باندھی جاتی ہے، کیوں؟ کیوں کہ اگر منہ دوسری طرف ہو اور تحریمہ باندھ لی اور پھر منہ قبلے کی طرف کریں تو جتنی دیر میں تحریمہ باندھی اور پھر قبلے کی طرف منہ کیا، اتنی دیر تو استقبال رہا نہیں؛ اس لیے نماز نہیں ہوئی؛ اس لیے پہلے سے تیار رہنا پڑتا ہے، اسی طریقے سے حج اور عمرہ میں بھی پہلے سے تیار رہنا پڑتا ہے۔ اگر آپ یوں کریں کہ سِلے ہوئے کپڑے پہنیں پھر احرام کی نیت کر کے اتار دیں تو اتنی دیر تو گڑبڑ ہو گئی تو اس گڑبڑ کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ احرام نام ہے ایک مخصوص حالت کا کہ حج کرنے والا یا عمرہ کرنے والا حج یا عمرے کی نیت کر کے لبیک کہنے کی وجہ سے جس حالت میں پہنچ جاتا ہے، جس ہیئت میں پہنچ جاتا ہے، اس کا نام احرام ہے۔

## احرام کی قسمیں

اب حج کے احرام کی قسمیں بتلاتے ہیں، دو کام ہیں: حج اور عمرہ اور حج تو مخصوص دنوں میں کیا جاتا ہے اور حج کے لیے مخصوص مہینوں میں یعنی شوال کے اندر آدمی سفر کرتا ہے تو اگر کوئی آدمی حج کے لیے جاوے اور صرف حج کرے، عمرہ ساتھ میں نہیں کرتا، نہ پہلے، نہ بعد میں۔ اصل میں تو پہلے نہیں کرنا ہے، بعد میں نہ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں؛ اس

لیے کہ جب حج سے فارغ ہوگا تو حج کا احرام ختم ہوگیا۔ میں نے کہا نا کہ بولا جاتا ہے کہ حج کے مہینے تین ہیں لیکن حقیقت میں وہ دو مہینے اور ''۱۳'' دن ہیں تو ''۱۳'' ویں کے بعد جو کچھ بھی کرے گا تو وہ ''حج کے زمانے میں کیا'' یوں نہیں کہا جائے گا۔

## حرمِ مکی

بہرحال! اکیلا حج کرتا ہے یعنی یہاں سے جاتے وقت جہاں سے احرام باندھنا ہوتا ہے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے اندر اپنا گھر کعبۃ اللہ بنایا ہے، وہ کعبۃ اللہ خود ایک عمارت ہے اور وہ جس مسجد میں ہے، اس مسجد کو مسجدِ حرام کہتے ہیں۔ اس کعبۃ اللہ کی حرمت کو باقی رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے آس پاس کا کچھ حصہ مقرر کیا کہ یہاں تک حرم ہے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہی کے ذریعہ وہ حدیں مقرر کروائی گئیں، کعبۃ اللہ سے سب سے قریبی جگہ جہاں حرم ختم ہوتا ہے، وہ تنعیم ہے جو تقریباً سات کیلومیٹر دور ہے، بعضے وہ ہیں جو ''۱۶'' کیلومیٹر دور ہیں، بعضے وہ ہیں کہ حرم سے زیادہ سے زیادہ ''۲۴'' کیلومیٹر کی دوری پر ہیں تو مطلب یہ ہے کہ بیچ میں تو کعبۃ اللہ ہے اور اس کے اطراف کا یہ حصہ حرم کہلاتا ہے۔ ایک تو حرم بول کر مسجدِ حرام بھی مراد لیتے ہیں اور ایک حرم یہ ہے۔

## مواقیت

تو بہرحال! اس حرم کے بعد ایک علاقہ ایسا ہے کہ وہاں آگے جا کر کچھ مقامات ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے متعین کر دئے کہ

جوآدمی بھی مکہ آنے کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مقامات کو پار کرنے سے پہلے پہلے احرام باندھ لے، گویا مکہ میں آنے والے کے لیے، مکہ کے ادب واحترام اوراس کی عظمت کے خاطر ضروری قرار دیا گیا کہ وہ احرام باندھے، ہمارے حنفیہ کے یہاں تو مکہ کسی بھی کام سے جانا ہو، حج اور عمرے کا ارادہ نہ ہو، جب بھی ان جگہوں سے بغیر احرام کے پار نہیں ہو سکتے تو جگہیں متعین کر دیں کہ اِدھر یمن کی طرف سے آؤ تو یَلَمْلَمْ اور عراق کی طرف سے آؤ تو ''ذاتِ عِرْق'' ہے اور اُدھر مدینہ کی طرف سے آؤ تو ذوالحلیفہ ہے اور اسی طریقے سے شام کی طرف سے آؤ تو جحفہ ہے، یہ مقامات ہیں جن کو میقات کہتے ہیں، میقات یعنی وہ مقررہ جگہیں کہ مکہ مکرمہ جانے والا ان جگہوں کو بغیر احرام کے پار نہیں کر سکتا، اگر ان جگہوں سے بغیر احرام کے گذرے گا تو سزا ہوگی، پینلٹی لگ جائے گی، یا تو وہاں سے واپس آئے اور اگر نہیں آیا تو جرمانہ دینا پڑے گا تو ان جگہوں کو میقات کہتے ہیں۔

## احرام کی قسمیں

تو بہرحال! حج کے لیے جانے آدمی والا میقات پر سے خالی حج کا احرام باندھتا ہے اور مکہ مکرمہ جا کر حج کے جو کام ہیں، ان کو انجام دے کر احرام کھول ڈالے گا تو اس کو اِفْراد کہتے ہیں یعنی اکیلے حج کا احرام۔ اور اگر حج کے لیے جانے والا آدمی میقات پر سے عمرے کا احرام باندھتا ہے تو وہاں جا کر عمرہ ادا کرے گا اور ابھی حج کے ایام نہیں آئے، ابھی دس، پندرہ دن باقی ہیں تو وہ وہیں احرام کھول کر مکہ مکرمہ میں

ٹھیرے رہے یا مدینہ منورہ جانا ہو تو مدینے جا کر آئے پھر جب حج کے ایام آجائیں تو حج کا احرام باندھے گا تو اب اس نے میقات سے تو عمرے کا احرام باندھا تھا اور وہاں جانے کے بعد جب حج کے دن قریب آئے تو اس وقت حج کا احرام باندھا تو اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''تَمَتُّع'' کہتے ہیں اور اگر اس نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ساتھ باندھا، دونوں کی نیت کرلی، یعنی احرام باندھتے وقت دونوں کی نیت کی، باقی احرام کی چادریں تو دو ہی ہیں، ایسا نہیں کہ چار چادر باندھے تو اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''قِران'' کہتے ہیں، حج کی ادائگی کے یہ تین طریقے ہیں۔

## اپنے گھر سے احرام باندھنا بہتر ہے

ہمارے یہاں ہندوستان سے حج کے لیے جانے والے عام طور پر تمتع کرتے ہیں؛ اس لیے کہ ابھی حج کے ایام میں کچھ وقت ہوتا ہے تو اس میں سہولت ہے؛ اس لیے عمرے کے کام انجام دیئے اور احرام کھول دیا؛ اس لیے کہ احرام کے تقاضوں کو نبھانا، اس کا خیال رکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے۔ ویسے تو فقہاء کہتے ہیں کہ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْـرَةَ لِلهِ کا تقاضا یہ تھا کہ آدمی جب گھر سے حج کے لیے نکلے تو گھر ہی سے احرام باندھے، احرام جتنا لمبا ہوگا، اتنا ثواب زیادہ ہوگا؛ اس لیے کہ اس میں مشقت اور تکلیف زیادہ ہوتی ہے تو جتنی تکلیف زیادہ ہوگی، اجر اور مزدوری بھی اسی اعتبار سے زیادہ ہوگی لیکن اس میں دوسرا خطرہ بھی موجود ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس میں احرام کی پابندیوں کا لحاظ نہ ہو سکے؛ اس لیے شریعت نے کہا کہ اگر آپ گھر سے احرام نہیں باندھتے تو کوئی بات نہیں،

اتنا ہے کہ میقات سے پہلے پہلے آپ احرام باندھ لیں۔

## تَمَتُّع کا مطلب

بہر حال! میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ عام طور پر ہمارے یہاں سے جانے والے تمتع کرتے ہیں، تمتع کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے جاتے وقت تو عمرے کا احرام باندھتے ہیں اور وہاں پہنچ کر عمرے کے کام کر کے احرام کھول دیتے ہیں، اس کے بعد جب حج کے ایام آتے ہیں تو حج کا احرام باندھتے ہیں۔ میں آپ حضرات کو پہلے عمرے کا طریقہ سمجھاتا ہوں:

## عمرے کا طریقہ اور تفصیل

عمرے میں چار چیزیں ہیں: ایک تو احرام ہے اور اس کے بعد کعبۃ اللہ کا طواف ہے اور اس کے بعد صفا اور مروہ کی سعی ہے اور پھر اس بعد حلق یعنی بالوں کی صفائی ہے، یہ چار کام ہیں۔ اب اس میں بعض حضرات نے احرام کو شرط اور بعض نے رُکن قرار دیا، طواف تو رُکن ہے ہی اور صفا مروہ کی سعی اور حلق کو واجب قرار دیا ہے تو عمرے میں کل چار کام ہیں: (۱) احرام (۲) طواف (۳) سعی (۴) حلق۔

## تَمَتُّع کا طریقہ

اب ہم حج کے لیے جا رہے ہیں اور ہمیں تمتع کرنا ہے تو عمرے کا احرام باندھیں گے، ہمارے یہاں ہندوستان سے، گجرات سے جانے والے حضرات عام طور پر ممبئی سے جاتے ہیں تو ممبئی ہی سے احرام باندھ لیتے ہیں، جیسا کہ میں نے کہا کہ

احرام میقات سے باندھنا ہے لیکن ہم چوں کہ ممبئی سے ہوائی جہاز کے ذریعہ جاتے ہیں؛ اس لیے وہیں سے احرام باندھ لینا مناسب ہوتا ہے۔

## ہندوستان کے لوگوں کے لیے بمبئی ہی سے احرام باندھنا بہتر ہے

پہلے ایک زمانہ تھا کہ لوگ بحری جہاز سے یعنی اسٹیمر سے جاتے تھے تو اسٹیمر سے جانے والے یَلَمْلَمْ کے پاس سے گذرتے ہیں لیکن اب یہ بات پرانی ہوگئی، اس کی کوئی ضرورت نہیں رہی، اب ہوائی جہاز میں جانے کا مسئلہ آیا تو عام طور پر ہوائی جہاز سے جانے والے میقات پر سے گذرتے ہیں، جدہ آنے سے تقریباً گھنٹہ پون گھنٹہ پہلے اس پر سے گذرنا ہوتا ہے، ویسے حاجیوں کا جہاز ہو تو جب میقات آنے والی ہوتی ہے تو وہاں باقاعدہ اعلان بھی ہوتا ہے کہ میقات آنے والی ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جب آپ ممبئی میں ہیں تو وہاں اپنی قیام گاہ سے: اگر مسافر خانے میں ٹھہرے ہوں تو مسافر خانے سے یا کسی عزیز رشتہ دار کے یہاں ٹھہرے ہیں تو وہاں سے جب ایر پورٹ کے لیے روانہ ہوں تو آپ احرام باندھ لیں یعنی احرام کا لباس پہن لیں۔

## احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ پہلے غسل کرلیں، یہ غسل کوئی فرض یا واجب یا سنت نہیں ہے، مستحب کا درجہ رکھتا ہے، یہ غسل صرف نظافت اور صفائی کے لیے کیا جاتا ہے، طہارت کے لیے نہیں بلکہ نظافت کے لیے ہے اور اسی وجہ سے عورت اگر حالتِ حیض میں ہو پھر بھی وہ یہ غسل کرے گی، حالاں کہ حالتِ حیض میں غسل کرنے سے طہارت

حاصل نہیں ہوتی لیکن یہ ہے کہ آدمی کے جسم پر اگر میل کچیل ہے تو وہ صاف ہو جائے گا؛ اسی وجہ سے اس غسل سے پہلے نظافت کے خلاف جو دوسری چیزیں ہیں، جیسے بغل کے بال ہیں، زیرِ ناف کے بال ہیں، ناخن ہیں، ان کو بھی آدمی صاف کرلے تو یہ غسل صرف نظافت کے لیے ہے، یہ احرام کے لیے کوئی واجب یا ضروری نہیں ہے، کرلے تو بہتر ہے؛ کیوں کہ اب احرام باندھنے کے بعد ایک لمبے زمانے تک اس کی نوبت نہیں آئے گی؛ اس لیے کرلیں۔ اگر غسل کا موقع نہیں ہے تو وضو پر بھی اکتفا کر سکتے ہیں۔

## احرام باندھنے کا طریقہ

تو غسل یا وضو کرنے کے بعد احرام کی دو چادریں جو سِلی ہوئی نہیں ہیں پہن لیں، جسم اور کپڑوں پر خوشبو بھی لگا لیجیے، البتہ کپڑوں پر لگائی جانے والی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ جس کا جسم کپڑے پر باقی نہ رہے، اس کے بعد آپ دو رکعت نماز پڑھیں، یہ دو رکعت بھی فرض یا واجب نہیں ہیں، سنت کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان دو رکعتوں میں سے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص: قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ پڑھیں اور یہ دو رکعت جب آپ ادا کریں گے تو سر وغیرہ ڈھانپیں گے؛ اس لیے کہ احرام ابھی شروع نہیں ہوا ہے، میں آپ کو احرام کی حقیقت بتلا چکا ہوں، اس کے مطابق ابھی احرام شروع نہیں ہوا، ابھی تو آپ احرام کی تیاری کر رہے ہیں تو اوپر والی چادر سے سر ڈھانپ لیں۔

# عمرے کی نیت کا محل

یہ دو رکعت آپ پڑھ چکے، سلام پھیرا تو سلام پھیرنے کے بعد آپ کو عمرے کی نیت کرنی ہے تو نیت کرنے سے پہلے سر پر سے چادر ہٹا لیجیے؛ اس لیے کہ جب نیت کر چکیں گے اور سر پر چادر رہے گی تو احرام شروع ہو چکا ہوگا اور احرام شروع ہو جانے کے بعد سر کا ڈھانپنا، چہرے کا ڈھانپنا ممنوع ہے؛ اس لیے چادر ہٹا لیں اور چادر ہٹانے کے بعد نیت کریں۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے، آدمی کا کسی کام کو کرنے کے لیے دل سے ارادہ کرنا نیت کہلاتا ہے لیکن آسانی اور سہولت کے لیے زبان سے بھی اس کے الفاظ ادا کرلیں اور حج اور عمرے میں زبان سے ادا کرنا سنت ہے۔

# عمرے کی نیت اور تلبیہ کے الفاظ

اگر عمرے کی نیت کرنے والا ہے تو اس کی نیت یہ ہے: اَللّٰھُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي [1]: اے اللہ! میں عمرے کا ارادہ کر رہا ہوں، اس کو میرے لیے آسان کیجیے اور اس کے ہو چکنے کے بعد میری طرف سے اس کو قبول فرمائیے۔ اور اگر آپ کسی دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنا چاہتے ہیں تو یہاں اس کا نام لے لیں: اَللّٰھُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ مِنْ فُلَانِ ابنِ فُلَانٍ فَيَسِّرْهَا لِي وَتَقَبَّلْهَا مِنْهُ: اے اللہ! میں فلاں ابن فلاں کی طرف سے عمرے کا ارادہ کرتا ہوں، اس کی ادائگی کو میرے لیے آسان کیجیے اور اس کی طرف سے اس کو قبول فرمائیے۔ یہ تو نیت تھی، نیت کرنے

---

(١) مراقي الفلاح بإمداد الفتاح شرح نور الإيضاح ونجاة الأرواح ص ٢٨٦.

کے فوراً بعد آپ لبیک پڑھیں: لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ، جیسا کہ ابھی بتلایا کہ چار حصوں میں اس کو پڑھنا مناسب ہے اور ویسے تو تین مرتبہ پڑھنا بہتر ہے لیکن جہاں پہلی مرتبہ پڑھا، آپ احرام میں داخل ہو گئے، آپ کا احرام شروع ہو گیا تو احرام دو چیزوں سے شروع ہوا: (۱) نیت کی اور (۲) تلبیہ پڑھا، آپ عمرے کے احرام میں داخل ہو گئے۔ اب آپ پر ساری پابندیاں عائد ہو گئیں: سر نہیں ڈھانپ سکتے، چہرہ نہیں ڈھانپ سکتے، خوشبو نہیں لگا سکتے، بال نہیں کتروا سکتے، ناخن آپ نہیں ترشوا سکتے۔

## حالتِ احرام میں ہوائی جہاز میں پیش آنے والی بداحتیاطی

بہرحال! احرام آپ کا شروع ہو گیا، اب آپ ایرپورٹ پہنچے، وہاں کی کاروائیاں مکمل کر کے ہوائی جہاز میں سوار ہوئے، ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے بعد وہاں ہوائی جہاز والوں کی طرف سے آپ کی جو خدمات کی جاتی ہیں: کھانے پینے کی چیزیں آپ کو دی جائے گی تو وہاں خوشبودار رومال بھی آپ کو دیا جائے گا، اب جو حاجی مسائل سے ناواقف ہوتے ہیں، خصوصاً جو پہلی مرتبہ حج کر رہے ہیں تو وہ اس موقع پر نئے سفر کے جوش میں آ کر اس رومال سے چہرہ وغیرہ صاف کرنے لگ جاتے ہیں، حالاں کہ یہ خوشبودار ہوتا ہے، حاجی خوشبودار ہو جاتے ہیں، چہرہ بھی خوشبودار ہو جاتا ہے، حالاں کہ احرام کی حالت میں خوشبو کا استعمال ناجائز ہے، دم آ جائے گا؛ اس لیے اس سے احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر وہاں کی کھانے کی چیز میں خوشبو ہو، کھانے کی چیز

کوخوشبو کے ساتھ پکایا گیا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن اگر پینے کی چیز کے ساتھ خوشبو ہے تو اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس سے بچنا ہے، خوشبودار صابون بھی استعمال نہ کریں۔

## اگر حج کے سفر میں تردد ہو تو گھر سے احرام نہ باندھے

آپ کا یہ سفر شروع ہو گیا، یہاں جب احرام کا مسئلہ آتا ہے تو بہت سی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آپ ایر پورٹ پہنچے اور کسی وجہ سے آپ کو وہاں سے واپس آنا پڑا تو میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ یہ تو آپ کے گلے پڑ گیا، یہ لازم ہو جائے گا، اب اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے بھی کچھ اور کاروائی کرنی پڑے گی تو اگر آپ کا معاملہ ایسا تردد اور شک والا ہے تو گھر سے نیت نہ کریں، غسل کر کے احرام کے کپڑے پہن کر ایر پورٹ جائیے، ایر پورٹ پر جب آپ کی ساری کاروائی مکمل ہو جائے یعنی ٹکٹ مل جائے، بورڈنگ کارڈ مل جائے، امیگریشن کے مرحلے کو بھی پار کر لیں اور اب خالی ہوائی جہاز میں سوار ہونا باقی ہوگا اور یہ طے ہو گیا کہ آپ کا یہ سفر إن شاء اللہ ہوگا تو ہوائی جہاز کے انتظار میں آپ لاؤنج میں بیٹھتے ہیں تو وہاں آپ دو رکعت پڑھ سکتے ہیں، اگرچہ یہ نفل نماز ہے تو ہوائی جہاز میں سوار ہو کر سیٹ پر بیٹھ کر اشارے سے بھی پڑھ سکتے ہیں اور اسی طریقے سے نیت کا جو طریقہ ابھی بتلایا گیا، اس کے مطابق نیت کر لے۔

## ہوائی جہاز میں میقات آنے سے پہلے احرام ضرور باندھ لیں

بہت سے لوگ ایسا سوچتے ہیں کہ ہم ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے بعد

احرام باندھ لیں گے اور کپڑے نکال کر پہن لیں گے۔ اب احرام کی چادریں جو اپنے ہاتھ کے سامان میں لینا چاہیے تھا، وہ پیٹی میں رکھی ہیں اور جب ہوائی جہاز میں احرام باندھنے کا موقع آیا اور چادریں پیٹی میں رکھی ہیں تو ایک مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بہر حال! آپ کا احرام شروع ہو گیا، چاہے آپ نے گھر سے نیت کی ہو یا ایر پورٹ پر کی ہو یا ہوائی جہاز میں بیٹھ کر کی ہو لیکن اتنا ہے کہ ہوائی جہاز میں بیٹھنے کے بعد میقات آنے سے پہلے احرام باندھ لیں یعنی نیت بھی کر لیں، لبیک بھی کہہ لیں۔ اب جب ہوائی جہاز سے وہاں جدہ اتریں گے تو وہاں جو قانونی کاروائی ہونی ہے، وہ ہوگی، اس کے بعد آپ کو بسوں میں بٹھا کر کے مکہ مکرمہ لے جایا جائے گا۔

## گھر سے احرام باندھنے کا حکم کن لوگوں کے لیے ہے؟

دیکھیے! یہ گھر سے احرام باندھنے کا حکم اس وقت ہے جب کہ سیدھا مکہ مکرمہ جانا ہو، اب بہت سی جگہوں میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز سیدھا مدینہ منورہ لے جاتے ہیں تو ان کے لیے یہاں سے احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے، جب مدینہ منورہ میں وقت پورا کر کے مکہ مکرمہ جانے کے لیے نکلیں گے تو مدینہ کا جو میقات ہے ''بیرِ علی'' وہاں سے احرام باندھیں گے۔ خیر! مکہ مکرمہ جانے کے لیے بس میں سوار ہوئے اور جا رہے ہیں تو راستے میں ایک گیٹ آئے گا، جس پر رحل کی شکل بنی ہوئی ہے، اس پر قرآن جیسا رکھا ہوا ہے، وہاں سے حرم شروع ہوتا ہے، ویسے تو اصل حدودِ حرم کو بتلانے کے لیے وہاں کچھ علامتیں بنائی ہوئی ہیں لیکن یہ آسان ہے، یہ اصل حدود

سے ذراسا پہلے آجاتا ہے تو یہ حرم میں داخلے کا وقت آ گیا، اس وقت آپ دل ہی دل میں دعا بھی کرلیں کہ یا اللہ! یہ تیرا اور تیرے حبیب کا حرم ہے اور اس میں شرف کے اعتبار سے، کرامت کے اعتبار سے، ہیبت کے اعتبار سے، بزرگی کے اعتبار سے خوب اضافہ فرما اور جو حج یا عمرہ کرنے کے لیے آرہا ہو، اس کی بھی شرافت اور کرامت میں اضافہ اور زیادتی فرما۔ یہ دعا کرلے اور اگر یہ الفاظ یاد نہ رہے تو یاد کرلے۔

## مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد کی کاروائی

پھر جب مکہ مکرمہ پہنچ جائے تو وہاں بس والا آپ کو مُعلّم کے یہاں لے جائے گا؛ اس لیے بہت سی مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم بس میں بیٹھے ہوئے ہیں، حرم شریف کی اذان کی آواز آرہی ہے لیکن ہم چاہتے ہیں پھر بھی اتر نہیں سکتے، خیر یہ بھی ایک قانون ہے، جب مُعلّم کے یہاں لے جائے گا تو وہ معلم آپ کے پاسپورٹ وصول کر کے اس کی جگہ پر آپ کو علامت کے طور پر پٹہ دے گا کہ یہ حاجی ہے، اس کو بہت سنبھال کر کے رکھنا ہے، یہ قانونی اعتبار سے ہے، یہ کوئی مسئلۂ شرعیہ نہیں ہے پھر جب مُعلّم کی کاروائی پوری ہو جائے گی تو اگر آپ ٹور میں جا رہے ہیں تو ٹور والا آپ کو قیام گاہ پر لے جائے گا اور اگر حج کمیٹی سے جا رہے ہیں تو حج کمیٹی والوں نے آپ کے لیے جو جگہ متعین کی ہے، وہاں پہنچا دیں گے۔

## مسجدِ حرام میں کسی بھی دروازے سے داخل ہو سکتے ہیں

وہاں پہنچنے کے بعد سامان وغیرہ ٹھیک ٹھاک کر کے آپ کو مسجدِ حرام کی طرف

چلنا ہے، جب آپ مسجدِ حرام کی طرف چلیں گے تو مسجدِ حرام بہت بڑی مسجد ہے، جہاں آپ کی قیام گاہ ہے، اس طرف سے جو دروازہ آپ کو پڑے گا، وہاں سے آپ داخل ہو جیے۔ ویسے تو ہمارے فقہاء لکھتے ہیں کہ عمرے کے لیے باب السلام سے داخل ہو تو اب اس باب السلام کو ڈھونڈنے کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، ویسے وہ صفا مروہ کے درمیان جو دروازے ہیں، وہاں ہے۔ اصل باب السلام تو بابِ بنی شیبہ ہے۔ اس پر مجھے یاد آ گیا:

## حضرت دامت برکاتہم کا ایک واقعہ

میں جب پہلی مرتبہ حج میں گیا تھا تو عمرے کے لیے نکلا اور ٹیکسی والے سے کہا کہ باب السلام پر اتارنا تو اس نے بجائے باب السلام کے کسی اور دروازے پر اتار دیا، میں نے کہا: باب السلام؟ تو اس نے کہا: كُلُّ أَبْوَابِهَا بَابُ السلام، کہ مسجدِ حرام کا ہر دروازہ باب السلام ہے، اس کے جواب پر ہنسی بھی آئی۔

## کعبۃ اللہ پر نظر پڑنے کے وقت کا عمل

تو وہاں اس چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، وہاں داخل ہوئے تو جب داخل ہونے کے بعد سب سے پہلے آپ کی نظر کعبۃ اللہ پر پڑے گی تو اس وقت آپ کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی ہے، تکبیر پڑھیں، یا تو تکبیرِ تشریق پڑھیں: اللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، یا ایسے ہی اللہ اکبر پڑھیں، سبحان اللہ، لا إله إلا الله ان میں سے کچھ بھی پڑھ سکتے ہیں اور تکبیر تہلیل وغیرہ پڑھ کر مسجد میں

داخل ہوں اور مسجد میں داخل ہونے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے مطابق داخل ہوں کہ پہلے آپ دعا پڑھیں: بسم اللّٰہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہ، اللّٰھُمَّ افْتَحْ لِی أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ، اور پھر دایاں پیر داخل کریں۔ اس کے بعد جب کعبۃ اللہ پر نظر پڑے تو دعا کرے، اس وقت کی دعا قبول ہوتی ہے تو جو بھی دعا ہو، کوئی جامع دعا اپنے طور پر پڑھے، اپنی جو حاجتیں ہیں، ان کی دعا کر لی جاوے۔

## مسجدِ حرام میں داخل ہونے کے بعد کا عمل

اب وہاں مسجدِ حرام میں پہنچ کر سیدھا ہمیں طواف کرنا ہے لیکن یہ اس وقت ہے جب کسی نماز کا وقت نہ ہو اور اگر نماز کی تیاری ہے تو ظاہر ہے کہ ہمیں نماز کے اندر مشغول ہونا ہے، اس سے پہلے اگر کوئی وقتِ مکروہ نہیں ہے تو آپ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھ سکتے ہیں، ویسے مسجدِ حرام کا تحیہ طواف ہی ہے، اگر اس کا موقع ہو۔

## کعبۃ اللہ کے ارکانِ اربعہ (چار کونے)

بہر حال! اب آپ کو طواف کرنا ہے۔ چوں کہ عمرے کا احرام باندھا تو عمرے کے چار کاموں میں سے ایک کام تو ہو چکا ہے یعنی احرام۔ اب آپ کو طواف شروع کرنا ہے۔ اس کی ابتداء کہاں سے کریں گے؟ تو کعبۃ اللہ کے چار کونے ہیں: (۱) ایک کونہ تو وہ ہے جہاں حجرِ اسود لگا ہوا ہے، ہمارے سینے کے قریب اونچائی پر لگا ہوا ہے، وہ رُکن کہلاتا ہے، مطلق رُکن، ویسے تو رُکن کونے کو ہی کہتے ہیں لیکن خالی رُکن کا لفظ اسی کے لیے بولا جاتا ہے، اس کے علاوہ تین دوسرے کونے ہیں: (۲) رکنِ شامی (۳) عراقی

(۴) رکنِ یمانی۔

## طواف کا طریقہ

ہمارے طواف کی ابتدا اس کونے سے ہوگی جہاں پر یہ حجرِ اسود لگا ہوا ہے، طواف شروع کرنے کے لیے آپ کو نیت کرنی ہے۔ ویسے طواف مستقل ایک عبادت ہے لیکن ابھی آپ جو طواف کرنے جا رہے ہیں، وہ عمرے کا طواف ہے تو طواف شروع کرنے سے پہلے آپ نیت کر لیجیے۔ نیت کرنے کے بعد آپ بالکل حجرِ اسود کے سامنے آ جائیں۔ پہلے حجرِ اسود کے پاس ایک پٹہ بنایا گیا تھا جو مطاف ہے، (مطاف یعنی مسجدِ حرام میں ایک تو چھت والا حصہ ہے، داخل ہوتے ہی چھت والے حصے میں داخل ہوتے ہیں، اندر داخل ہونے کے بعد جب بالکل اندر پہنچیں گے تو کعبۃ اللہ کے پاس کھلا حصہ ہے، اس کھلے حصے کو مطاف کہتے ہیں یعنی طواف کی جگہ، وہ طواف کے لیے خاص کیا گیا ہے۔

## طواف کی ابتدا کہاں سے کریں؟

تو بہر حال! اس مطاف میں ایک پٹہ تو تھا، وہ پٹہ اب نکال دیا گیا ہے، وہ پہلے تھا بھی نہیں، لوگوں نے بنایا تھا۔ اصل تو یہ ہے کہ آدمی اپنے اندازے سے حجرِ اسود سے طواف شروع کرے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اب وہاں سے پٹہ نکال دیا گیا ہے تو ہم کیا کریں تو بھائی! پہلے پٹہ نہیں تھا تو لوگ کیا کرتے تھے؟ ہماری قدیم کتابوں میں اس پٹے کا تذکرہ آتا نہیں ہے، وہاں تو یہی آتا ہے کہ حجرِ اسود کے سامنے آ جائیں تو حجرِ

اسود کا سامنا کون سا کہلائے گا؟ حاجی خود اس کا اندازہ کرلے۔ بھائی! اس دروازے کا سامنا کون سا ہے؟ آپ خود طے کرسکتے ہیں تو جو دِکھنے والی چیز ہے، اس کے بارے میں پوچھنا کیا معنی رکھتا ہے، آپ خود فیصلہ کریں گے اور آپ اپنے لیے جو تجویز کریں گے وہی آپ کے لیے ہے، اس میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اپنے اپنے اندازے سے حجرِ اسود کے سامنے آ گئے اور اس کا استقبال کرلیا تو آپ کے لیے کافی ہے، اب کوئی دوسرا کہے کہ آپ حجرِ اسود کے سامنے نہیں آئے تھے تو اس دوسرے کی بات کا آپ کے حق میں اعتبار نہیں ہے۔

## طواف شروع کرنے سے پہلے حجرِ اسود کا استقبال اور استلام کرنا ہے

خیر! نیت کرنے کے بعد بالکل حجرِ اسود کے سامنے آ گئے۔ اصل تو یہ ہے کہ حجرِ اسود کے بالکل قریب ہوں لیکن اس کی نوبت تو کم ہی آتی ہے، جو جاتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ایسا ہونا بہت مشکل ہے، جس کی خوش قسمتی ہو، اس کو یہ چیز حاصل ہوجاتی ہے تو جو عام طور پر ہوتا ہے، اسی کا طریقہ بتلاتا ہوں کہ آپ حجرِ اسود سے دور ہیں تو اس کے سامنے آ جائیں، استقبالِ حجرِ اسود یعنی طواف شروع کرتے وقت پہلے آپ اپنے دونوں ہاتھ اسی طرح اپنے کان کی ''لَو'' کے سامنے لائیں گے، جیسے نماز میں ہاتھ اٹھاتے ہیں، اس کو استقبالِ حجرِ اسود کہتے ہیں، اس وقت بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اکبر ولِلّٰہِ الحمد پڑھیں اور ایسا کرنے کے بعد ہاتھوں کو کھول دیں، یہ استقبال ہوا، یہ ایک ہی مرتبہ کرنا ہے یعنی طواف کے شروع میں۔ اب استقبال سے فارغ ہوئے تو اب آپ کو

استلام کرنا ہے، اگر حجرِ اسود کے بالکل قریب ہوتے، تب استلام کی شکل یہ تھی کہ آپ اپنے دونوں ہاتھ حجرِ اسود کے دونوں طرف رکھتے اور اپنے منہ سے اس کا بوسہ لیتے اور اللّٰہُ اکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، الصلوٰۃُ والسلامُ علی رسول اللّٰہ، درود، تسبیح تہلیل وغیرہ پڑھتے لیکن چوں کہ ایسا ہے نہیں، آپ دور ہیں تو دور والے کے لیے طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ہاتھ میں کوئی لاٹھی جیسی چیز ہو جو پہنچ سکتی ہو تو پہنچائے، وہ بھی نہیں ہے تو صرف ہاتھ کے ذریعہ اشارہ کیا جائے اور یوں تصور کرے کہ میں حجرِ اسود کے بالکل قریب ہوں اور اس کے دونوں طرف میں نے اپنے ہاتھ رکھے ہیں۔ اب چوں کہ حجرِ اسود اتنی اونچائی پر ہے، جتنا ہمارا سینہ ہے تو ہاتھوں کو اپنے سینے کے سامنے لائے اور اللّٰہُ اکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، الصلوٰۃُ والسلامُ علی رسول اللّٰہ پڑھے اور ہاتھوں کو بوسہ دے، یہ استلام ہوا۔ یہ طواف شروع ہو رہا ہے تو پہلے استقبال تھا، اب استلام ہوا۔

استقبال اور استلام کرنے کے بعد آپ ذرا گھوم جائیں اس طرح کہ آپ کا یہ بایاں مونڈھا کعبۃ اللہ کی طرف ہو جائے اور دایاں اُدھر کی طرف ہو جائے، اب حجرِ اسود سے حطیم کی طرف چلیں گے۔

## حطیم کیا ہے؟

حطیم: کعبۃ اللہ کے پاس ایک چھوٹی سی دیوار نصف دائرے کی شکل میں بنائی گئی ہے، وہ کعبۃ اللہ ہی کا ایک حصہ ہے، قریشِ مکہ نے جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کی تھی تو اپنی مجبوری کی وجہ سے اس کو کعبہ کے اندر سے نکال دیا تھا۔ یہ حطیم ہے، طواف کرتے

ہوئے اسی حطیم کی طرف جائیں۔اب چوں کہ یہ عمرے کا طواف ہو رہا ہے؛اس لیے اس کے بعد آپ کو سعی بھی کرنی ہے تو اس طواف میں آپ کو رمل بھی کرنا ہے اور رمل جس طواف میں ہوتا ہے، اس میں اضطباع بھی ہوتا ہے۔

## اضطباع کا مطلب اور اس کا محل

اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اوپر والی جو چادر ہے، اس کا ایک کنارہ آپ کے دائیں مونڈھے کے نیچے سے نکال کر بائیں مونڈھے پر پیچھے کی طرف ڈال دینا ہے یعنی چادر کا درمیانی حصہ دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر اس کے دونوں کنارے بائیں مونڈھے پر ڈال دیں تو دایاں مونڈھا کھلا رہے گا۔ یہ صرف اس طواف میں ہے جس کے بعد سعی کرنی ہے اور اضطباع اسی میں ہوتا ہے جس میں رمل ہوتا ہے، عام حالات میں اس طرح پہننا نہیں ہے۔آپ دیکھیں گے کہ بہت سے دوسرے عرب ممالک سے آنے والے اسی طرح چادریں پہنتے ہیں کہ ان کا دایاں مونڈھا ہمیشہ کھلا رہتا ہے، ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے۔تو یہ اضطباع ہوا۔

## طواف کا چکر ختم ہونے پر صرف استلام کرنا ہے

تو آپ نے جو یہ طواف شروع کیا ہے، اس میں چوں کہ رمل بھی کرنا ہے۔ رمل یہ ہے کہ آدمی اپنا سینہ تان کر اور کندھوں کو ہلاتے ہوئے ذرا تیزی کے ساتھ چلے، اس طرح رمل کرتے ہوئے ایک چکر پورا کرے، اب گھوم کر کے پھر حجرِ اسود کے پاس آیا تو پاؤں کا رخ تو اُدھر ہی ہو لیکن پاؤں کا رُخ اُدھر کی طرف ہوتے ہوئے، چہرہ،

سینہ حجرِ اسود کی طرف گھوما کر استلام کرے، جس کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے، دیکھو! استقبال نہیں کرنا ہے، صرف استلام کرے اور پڑھے: اللّٰہُ اکبر، لا إلٰـــہ إلا اللّٰہ، الصلوۃُ والسلامُ علی رسول اللّٰہ، یہ دوسرا استلام ہوا۔

## طواف کے سات چکروں میں آٹھ مرتبہ استلام کرنا ہے

پھر دوسرا چکر شروع ہوگا، ہر چکر حجرِ اسود سے شروع ہوتا ہے اور حجرِ اسود پر آ کر ختم ہوتا ہے، اب اس دوسرے چکر میں بھی آپ کو رمل کرنا ہے، یہ جب ختم ہوگا تو حجرِ اسود کا استلام کریں گے اور تیسرا چکر ختم ہوگا تو رمل ختم، اب عام رفتار سے آپ چلیں گے یعنی مونڈھے ہلا کر کے پہلوانوں کی طرح سینہ تان کر نہیں چلنا ہے بلکہ عام رفتار سے چلنا ہے اور چار چکر اسی طرح پورے کریں گے، ہر چکر میں حجرِ اسود پر پہنچ کر اس کا استلام کرنا ہے، جب ساتواں چکر پورا ہوگا تو اس موقع پر بھی استلام کرنا ہے تو استلام آٹھ ہو جائیں گے، سات چکروں میں سے ہر چکر کے شروع میں استلام ہوا تو وہ سات ہوئے اور ساتویں چکر کے اخیر میں ایک استلام ہوا تو یہ آٹھواں استلام ہوا۔ ان استلاموں کے متعلق لکھا ہے کہ پہلا اور آخری استلام تو سنت ہے اور درمیان کے باقی چھ استلام کو مستحب قرار دیا ہے۔ یہ طواف آپ کا پورا ہو گیا۔

## طواف کے بعد مُلْتَزَمْ پر دعا کرنا ہے

طواف پورا ہو جانے کے بعد آپ کو مُلْتَزَمْ پر جانا ہے، مُلْتَزَمْ: حجرِ اسود جس کونے میں ہے اس کے اور کعبۃ اللہ کے دروازے کے درمیان میں جو جگہ ہے، وہ جگہ

مُلْتَزَمْ کہلاتی ہے۔ مُلْتَزَمْ التزام سے ہے جس کا معنی ہے چپکنا، یہ وہ جگہ ہے جہاں چپک کر کے دعا کی جاتی ہے تو آپ وہاں پہنچے، لیکن وہاں آپ کو چپکنا نہیں ہے؛ کیوں کہ لکھا ہے کہ وہاں عام طور پر خوشبو لگی ہوئی ہوتی ہے، اگر آپ وہاں چپک کر دعا کریں گے تو وہ خوشبو آپ کے ہاتھوں کو، کپڑوں کو لگ سکتی ہے؛ اس لیے بغیر چپکے وہاں قریب میں جا کر دعا کرلیں۔

## مقامِ ابراہیم اور اس کے قریب طواف کی دو رکعت نماز

پھر وہاں سے آپ مقامِ ابراہیم کے پاس آئیں گے، مقامِ ابراہیم: ایک خاص پتھر ہے، جس پر کھڑے رہ کر حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی، یہ جنت سے آیا ہوا پتھر تھا، بعد میں وہ پتھر وہیں رہا، پہلے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی زمانے میں بیت اللہ کے بالکل قریب لگا ہوا تھا، بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں دیکھا کہ وہاں طواف کرنے والے طواف سے فارغ ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور اس کی وجہ سے دوسرے طواف کرنے والوں کو کافی زحمت ہوتی ہے؛ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو پیچھے ہٹا دیا، مقامِ ابراہیم بیت اللہ سے ایک خاص دوری پر کر دیا گیا ہے، وہاں نماز پڑھنی ہے، اگر طواف کرنے والوں کی اس وقت کثرت ہے تو اس سے اتنا پیچھے چلے جائیں کہ طواف کرنے والوں کو آپ کی نماز کی وجہ سے دشواری نہ ہو، ہاں اتنا ہے کہ آپ اس طرح کھڑے رہ کر نماز پڑھیں کہ آپ کے اور کعبۃ اللہ

کے بیچ میں مقامِ ابراہیم آوے۔

## طواف کی دو رکعت کا حکم

طواف کی یہ دو رکعت واجب ہیں اور ان کو ادا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وقتِ مکروہ نہ ہو، چناں چہ اگر آپ نے فجر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد طواف شروع کیا ہے اور طلوعِ آفتاب کے بعد وقتِ مکروہ نکلا نہیں ہے تو اس وقت آپ نہیں پڑھ سکتے یا عصر کے وقت آپ طواف کر رہے ہیں تو اس وقت بھی آپ یہ نماز نہیں پڑھ سکتے، اگر اس وقت طواف کیا ہے تو جب وقتِ مکروہ نکل جائے تو پڑھ لیں، بہر حال! یہ دو رکعت واجب ہیں، اس کو پڑھیں اور دعا کریں۔

## طواف کی دو رکعت کے بعد زمزم پینا ہے

ان دو رکعتوں کو ادا کرنے کے بعد زمزم پر جاویں۔ پہلے تو زمزم کے کنویں سے لوگ پانی نکال کر پیتے تھے، بعد میں زمزم کے کنویں پر مشینیں لگ گئیں اور وہیں قریب میں پانی کا انتظام تھا اور اب تو وہ بھی بند ہو گیا، اب تو نل وغیرہ باہر ہی ہیں، وہاں جا کر زمزم پیے اور سر پر لگائے، جتنا زیادہ سے زیادہ پیے اتنا اچھا ہے، کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے خوب سیر ہو کر پیے اور دعا کرے، یہ دعا قبول ہوتی ہے۔

## ملتزم پر جانا اور زمزم پینا طوافِ مسنون کے اجزاء ہیں

اب یہ ملتزم پر جانا اور زمزم پینا یہ کوئی فرض یا واجب نہیں ہے لیکن طواف کا جو مسنون طریقہ ہے، وہ یہی ہے، اگر کوئی آدمی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے ملتزم پر نہیں گیا اور

زمزم نہیں پیا، تب بھی طواف میں کوئی نُقص نہیں آئے گا، ہاں طواف کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب اور ضروری ہے۔

## صفا، مروہ کی سعی

جب زمزم پی کر فارغ ہو گئے تو اب آپ کو صفا مروہ کی سعی کے لیے جانا ہے، صفا مروہ کی سعی کی شروعات صفا کے اوپر سے ہوتی ہے۔ حجرِ اسود جس کونے میں ہے، اسی طرف بالکل سامنے مطاف جہاں پورا ہوتا ہے، وہیں صفا بھی ہے۔ صفا مروہ کی سعی کے لیے جانے سے پہلے آپ کو ایک استلام اور کرنا ہے، یہ حجرِ اسود کا نواں استلام ہے، سعی کے لیے جانے سے پہلے حجرِ اسود کا اسی طریقے سے استلام کریں جیسا کہ پہلے بتایا تھا، اس کے بعد آپ سعی کے لیے صفا کی طرف جائیں۔

## صفا پر کیے جانے والے اعمال

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ [البقرۃ: ۱۵۸]، أَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ (۱) استلام کریں تو تو ٹھیک ہے، ورنہ کوئی ضروری نہیں ہے، ابتدا صفا سے کرنی ہے۔ صفا کے بارے میں جیسا کہ میں نے بتلایا، وہاں حجرِ اسود کے سامنے ایک بالکل سبز رنگ کی ٹیوب لائٹ روشن رہتی ہے، وہیں سے آگے صفا کی طرف جایا جاتا ہے۔ جب صفا پر جائیں گے تو وہاں کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے، ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے، اس دعا میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرے، حمد وثنا

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، باب حَجَّةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم.

کے لیے سورۂ فاتحہ کے شروع کے الفاظ ہیں، تیسرا کلمہ ہے، چوتھا کلمہ ہے، اس طرح کی جو چیزیں یاد ہوں، وہ پڑھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھیں اور دعا کریں، صفا پر بالکل اوپر جائیں جہاں کالے پتھر نظر آتے ہیں، وہاں سے کعبۃ اللہ نظر آتا ہے، وہاں کھڑے ہوکر دعا کریں، اس کے بعد صفا مروہ کی سعی کی نیت کرے اور نیت کوئی ضروری نہیں ہے، ویسے نیت تو دل کے ارادے کا نام ہے اور جب آپ سعی کے ارادے سے صفا پر پہنچے ہیں تو نیت تو پائی ہی گئی۔

## صفا، مروہ کی سعی کا طریقہ

اب آپ صفا سے مروہ کی طرف آگے بڑھیں گے۔ صفا مروہ کی سعی میں سات چکر ہیں لیکن اس میں یہ ہے کہ آپ صفا سے مروہ پر جائیں گے تو یہ ایک چکر کہلائے گا اور وہاں سے مروہ پر واپس آئیں گے تو دوسرا چکر پورا ہوگا، ایسا نہیں کہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا آ کر ایک چکر ختم ہو۔ بہرحال! آپ صفا سے مروہ کی طرف آگے بڑھیں گے عام چال کے ساتھ جیسے ہم چلتے ہیں، اس طرح چلیں گے، اس میں دعا، تسبیح وغیرہ میں مشغول رہیں۔ جب آپ صفا سے مروہ کی طرف آگے بڑھیں گے تو کچھ دور چلنے کے بعد، تھوڑے سے فاصلے پر دو سبز رنگ کے ستون آتے ہیں، وہاں سبز رنگ کی ٹیوب لائٹ بھی جلی ہوئی ہے اس کو ''مِیلَین أَخضَرَین'' کہتے ہیں یعنی سبز رنگ کے دو ستون، جہاں یہ سبز رنگ کی ٹیوب لائٹ لگی ہوئی ہے، وہاں سے چھ ہاتھ یا ''۹'' فٹ کے قریب پہلے سے ذرا تیزی سے چلنا ہے، درمیانی قسم کی دوڑ ہو، بہت تیز

بھی نہیں اور یہ صرف مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے نہیں ہے۔ اس کے بعد ایک دوسرا سبز رنگ کا ستون آئے گا، اس سے آگے تقریباً ۹ رفٹ تک درمیانی دوڑ لگائے گا، اس دوران دعا کرے: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ(۱) اور دوسری دعائیں بھی کرے اور پھر عام چال چلتا رہے، چلتے چلتے مروہ پہنچ جائے گا، وہاں بھی کچھ چڑھائی ہے، وہاں بھی کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرے گا، وہاں سے کعبۃ اللہ بیچ کی دیواروں کی وجہ سے نظر نہیں آتا۔ صفا پر جس طرح دعا کی تھی، یہاں پر بھی کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، درود، دعا وغیرہ، قرآن پاک کی چالیس پچاس آیتیں پڑھے اتنی دیر مشغول رہے۔

## سعی بین الصفا والمروہ کے سات چکر

پھر مروہ سے صفا کی طرف آئے، مروہ سے صفا کی طرف آتے ہوئے وہی دو سبز ستون آتے ہیں، وہاں اسی طرح کرنا ہے، تیزی سے چلنا ہے اور پھر صفا پہنچیں گے تو یہ دوسرا چکر پورا ہوگیا، اب یہاں پہلے کی طرح کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے دعا کرنی ہے۔ ہر چکر میں ہر پہاڑی پر کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے دعا کرنی ہے۔ اب یہاں سے مروہ کی طرف تیسرا چکر شروع کریں گے تو اس طرح سات چکر پورے کریں گے: صفا سے مروہ ایک، مروہ سے صفا دو، صفا سے مروہ تین، مروہ سے صفا چار، صفا سے مروہ پانچ، مروہ سے صفا چھ اور صفا سے مروہ سات، مروہ پر جا کر ساتواں اور

---

(۱) بدائع الصنائع، ۴ر ۱۷۴.

آخری چکر ختم ہوگا، اس کے بعد دعا کرے۔

## حلق، قصر سے افضل ہے

پھر مسجدِ حرام کے اندر جا کر دو رکعت نماز کو مستحب قرار دیا گیا ہے کوئی فرض، واجب، سنت نہیں ہے۔ مسجدِ حرام کے اندر جا کر پڑھ لے اور اس کے بعد آپ سر کا حلق کروالیں، بالوں کو منڈوالیں۔ منڈوانا افضل ہے، کتروا بھی سکتے ہیں لیکن کتروانے میں یہ شرط ہے کہ آپ کے بال ایک پوروے سے زیادہ ہوں، یعنی کترنے کے بعد کٹے ہوئے بال اگر اس سے چھوٹے ہیں تو مونڈنا ضروری ہے اور اگر کٹے ہوئے بال ایک پوروے سے زائد ہیں تو کتروا سکتے ہیں لیکن منڈوانا افضل ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے دعا زیادہ فرمائی ہے (۱)۔

جب آپ نے بال منڈوالیے تو اب آپ کا عمرے کا احرام کھل گیا، اب آپ چادریں اتار لیجیے، غسل کر لیجیے اور سلے ہوئے کپڑے پہن لیجیے، اب آپ حلال ہو گئے یعنی عمرے کے احرام سے نکل گئے اور یہ عمرہ پورا ہو گیا۔

---

(۱) صحیح مسلم شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلق کروانے والے کے لیے تین مرتبہ اور کتروانے والے کے لیے ایک مرتبہ دعا فرمائی:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہ تعالیٰ عنھما أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلی الله علیه وسلم- قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ، قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ، قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ رَحِمَ اللّٰهُ الْمُحَلِّقِينَ قَالُوا وَالْمُقَصِّرِينَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَالْمُقَصِّرِينَ . (باب تَفْضِيلِ الْحَلْقِ عَلَى التَّقْصِيرِ وَجَوَازِ التَّقْصِيرِ .)

## عمرے میں تلبیہ کہنے اور ختم کرنے کے مواقع

عمرے میں چار کام ہوئے: پہلا کام احرام باندھنا، اب یہ احرام باندھتے وقت تو تلبیہ کہنا ضروری ہے، اس کے بغیر احرام شروع نہیں ہوگا لیکن اس کے بعد بھی لبیک موقع بموقع پڑھتے رہیں گے: نمازوں کے بعد، کسی جگہ جارہے ہیں تب، اتر رہے ہیں تب، کسی سے ملاقات ہورہی ہے تب، کوئی وقت بدل رہا ہے، صبح سے شام ہو رہی ہے، رات ہورہی ہے، سورج طلوع ہورہا ہے، غروب ہورہا ہے، الغرض مختلف اوقات میں تلبیہ پڑھتے رہیں۔ تلبیہ پڑھنے کا یہ سلسلہ طواف شروع کرنے تک رہے گا، جہاں آپ طواف شروع کرنے کے لیے حجرِ اسود کے پاس پہنچیں گے اور طواف شروع کریں گے تو وہاں تلبیہ کا سلسلہ ختم ہوجائے گا۔ بہرحال! دوسرا کام طواف ہوا، تیسرا کام سعی ہوئی اور (چوتھا کام) حلق ہوا۔ حلق نے احرام ختم کردیا۔

## بغیر طواف کیے بال منڈوانا ایک جرم ہے

اب اگر کوئی آدمی طواف کیے بغیر حلق کروالے اور سمجھے کہ میرا احرام کھل گیا تو یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ بغیر طواف کیے بال منڈوانا ایک جرم ہوگیا، جس پر اس کو سزا ہوگی، پینلٹی لگے گی تو عمرے کے سب کام کرنے کے بعد سر منڈوانا احرام سے باہر نکالتا ہے، یہ عمرے کے افعال آپ کو بتلادئے۔

## عمرے کے بعد حج کا احرام کب باندھیں؟

اب عمرہ پورا ہونے کے بعد آپ وہیں مکہ مکرمہ میں ٹھیرے رہیں اور جب حج

کے ایام قریب آ جائیں تو حج کا احرام باندھ لیں- چوں کہ میں تمتع کا طریقہ بتلا رہا ہوں- آٹھویں ذی الحجہ جب آئے گی تب مکہ مکرمہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہونے والے ہیں تو آپ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو فجر کی نماز مسجدِ حرام میں پڑھنے کے بعد وہاں سے منیٰ کے لیے روانہ ہوں گے؛ اس لیے اس سے پہلے حج کا احرام باندھ لیجیے۔ احرام کا طریقہ وہی ہے جو پہلے بتلا چکا ہوں کہ غسل کریں گے اور یہ غسل نظافت اور صفائی کے لیے ہوگا، طہارت کے لیے نہیں، غسل کے بعد احرام والا لباس، اس کی چادریں بغیر سِلی ہوئی پہن لیجیے۔

## حج کی نیت

اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھئے، چوں کہ آپ مکہ میں ہیں اور مسجدِ حرام آپ کو میسر ہے تو اس سے اچھا موقع کیا ہوگا تو وہیں جا کر یہ دو رکعت پڑھئے، ورنہ آپ اس کو اپنے کمرے میں بھی پڑھ سکتے ہیں، دوسری جگہ بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ مسجدِ حرام میں جا کر احرام کی دو رکعت پڑھ کر کے حج کی نیت کر لیں: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي: اے اللہ! میں حج کی نیت کر رہا ہوں، اس کو میرے لیے آسان کر دیجیے اور اس کو میری طرف سے قبول فرمائیے۔ اور اگر دوسرے کی طرف سے حج کر رہے ہوں، حجِّ بدل ہو تو یوں کہہ لیجیے: میں فلانے کی طرف سے حج کی نیت کر رہا ہوں، اس کی ادائگی آسان کر دیجیے اور اس کو فلانے کی طرف سے قبول فرمائیے۔ حج کی نیت کی اور لبیک پڑھی تو حج کا احرام شروع ہوگیا۔

## آج کل منیٰ کے لیے روانگی کے سلسلے میں معلمین کا طرزِ عمل

اب آپ یہاں سے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد منیٰ جانے کے لیے روانہ ہوں گے، آج کل چوں کہ حاجیوں کا ہجوم بہت ہوتا ہے؛ اس لیے معلمین حضرات سہولت کے لیے آٹھویں کی صبح کے بجائے ساتویں کی شام کو ہی حاجیوں کو منیٰ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں تو اس میں آپ کو ان کے ساتھ مزاحمت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، آپ مزاحمت کریں گے تو وہ آپ کو واپس کرنے والے نہیں ہیں، اگر آپ الگ سے اس کا انتظام کر سکتے ہیں کہ آٹھویں کی صبح کو منیٰ جا سکیں تو وہ دوسری بات ہے، ورنہ آپ کے لیے سہولت اسی میں ہے کہ ان کے ساتھ رات کو چلے جائیں، کسی مزاحمت میں مت پڑو، ورنہ پریشانی میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

## منیٰ جا کر اپنا خیمہ کس طرح تلاش کریں گے؟

تو آٹھویں کی صبح کو فجر کی نماز پڑھ کے منیٰ پہنچے، اب اگر آپ پیدل حج کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے الگ راستہ بھی ہے اور بڑا آسان ہے، خصوصاً جوانوں کے لیے بہت آسان ہے۔ وہاں منیٰ میں خیمے لگے ہوئے ہیں، آپ کے معلم نے آپ کو آپ کے خیمے کا نمبر دیا ہوگا، اس کے اعتبار سے تلاش کریں، اگر آپ بس میں جائیں گے تو بس وہیں جائے گی جہاں اس معلم کے خیمے لگے ہوئے ہیں تو وہاں اتر کر اپنے نمبر کا خیمہ تلاش کر لیں اور اپنی جگہ پر قبضہ کر کے وہاں ٹھیر جائیں۔

## منیٰ میں نمازوں میں قصر کریں گے یا اتمام؟

اب آٹھویں تاریخ کو جو منیٰ میں آپ کو قیام کرنا ہے، وہاں کوئی عمل نہیں کرنا ہے، صرف آرام کرنا ہے، وہاں ظہر کا وقت آئے گا تو ظہر کی نماز ادا کیجیے اور عصر کا وقت آئے گا تو عصر کی نماز ادا کیجیے، مغرب کا وقت آئے گا تو مغرب کی نماز پڑھیں، عشاء کا وقت آئے گا تو عشاء کی نماز ادا کیجیے۔ اب ایک مسئلہ یہاں یہ بھی ہے کہ وہاں نماز میں قصر کریں یا پوری نماز پڑھیں؟ تو آج کل تو منیٰ اور مزدلفہ دونوں کو مکہ ہی کا ایک حصہ قرار دیا گیا ہے، مکہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے وہاں تک پہنچ گئی ہے؛ اس لیے اب یہی بتلایا جاتا ہے کہ جب آپ مکہ میں حج کے ارادے سے داخل ہوں، اس دن سے لے کر جس وقت آپ کو مکہ سے نکلنا ہے، چاہے مدینہ جانے کے لیے یا گھر واپس آنے کے لیے تو اس کے درمیان اگر پندرہ دن کا وقت ہے تو آپ مقیم ہو گئے اور اب آپ کو نماز پوری پڑھنی ہے اور اگر پندرہ دن سے کم کا وقت ہے تو آپ مسافر ہیں اور آپ کو قصر کرنی ہے۔

## نویں ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات کے لیے روانگی کا وقت

منیٰ میں آپ آٹھویں تاریخ کی شام تک ٹھیریں گے، آپ نے وہاں عشاء پڑھ لی، اب نویں کی فجر کی نماز بھی آپ یہاں منیٰ ہی میں پڑھیں گے۔ اب اس میں بھی یہی ہونے لگا ہے کہ رات ہی کو منیٰ سے عرفات لے جاتے ہیں، پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا لیکن اب بھیڑ بھاڑ کی زیادتی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں تو وہاں بھی مزاحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ کے اندر طاقت ہے، آپ وہاں سے اپنے طور پر جا سکتے

ہیں، کوئی گڑبڑ نہیں ہوسکتی تو ٹھیک ہے اور یہی بہتر طریقہ بھی ہے کہ آپ رات منیٰ میں گذاریں اور نویں کی صبح فجر کی نماز پڑھ کر عرفات کے لیے روانہ ہوں، منیٰ میں جب فجر پڑھیں گے تو نویں کی فجر سے چوں کہ تکبیرِ تشریق کا سلسلہ بھی شروع ہوتا ہے اور تلبیہ تو آپ کو ہر نماز کے بعد کہنا ہی ہے تو فجر کی نماز کا سلام پھیریں گے تو پہلے تکبیرِ تشریق پڑھیں گے اور اس کے بعد تلبیہ پڑھیں گے۔

## وقوفِ عرفہ حج کا رکنِ اعظم ہے

اب نویں کی فجر کی نماز آپ نے منیٰ میں پڑھی تو سورج طلوع ہونے کے بعد آپ عرفات کے لیے روانہ ہوجایئے، بس سے جانا ہو تو بس کے ذریعہ سے اور پیدل جانا ہو تو پیدل، جو طریقہ بھی چاہیں اختیار کریں، بہر حال! اب آپ یہاں سے عرفات جاویں۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے منیٰ جارہے ہیں تو تصور یہ ہونا چاہیے کہ میرا آقا مجھ کو بلا رہا ہے، جیسے آقا کی طرف سے غلام کے لیے بلاوا آیا ہو تو وہ حکم سمجھ کر جاتا ہے، حالاں کہ دیکھیے! یہاں مسجدِ حرام کو چھوڑ کر کے منیٰ جارہا ہے لیکن بہر حال اللہ کا حکم ہے؛ اس لیے جانا ہی ہے۔ اب نویں تاریخ کو فجر کے بعد آپ عرفات کے لیے جارہے ہیں، جب آپ عرفات پہنچ جائیں گے تو عرفات کا وقوف فرض ہے، حج کا رکنِ اعظم ہے، اصل بڑا فریضہ وہی ہے لیکن اس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے۔

## وقوفِ عرفہ سے پہلے اس کی تیاری کرلیں

اگر آپ زوال سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو وہاں بھی خیمے لگے ہوئے ہیں لیکن

منیٰ کے مقابلے میں یہاں کے خیمے کومن ہیں، منیٰ میں خیموں کے اندر کمرے بھی بنے ہوئے ہوتے ہیں لیکن یہاں کے خیمے لوگوں کی کثرت کی وجہ سے ویسے نہیں ہوتے، ان خیموں میں پہنچ جایئے، ابھی زوال میں چوں کہ دیر ہے تو آپ آرام کرسکتے ہیں، زوال کے بعد کی تیاری بھی ابھی سے کرلیں اور اگر موقع ہو تو غسل بھی کرلیں لیکن اس میں صابون وغیرہ کا استعمال نہیں کرنا ہے، جسم پر خالی پانی ڈالنا ہے، وہاں اس کا انتظام ہے، غسل وغیرہ کرکے تیار ہو جائیں۔

## میدانِ عرفات میں اپنے خیمے میں نماز پڑھنے میں سہولت ہے

یہاں عرفات میں مسجد ہے: مسجدِ نمرہ، امیر الحج وہیں آتا ہے، وہاں اذان بھی ہوتی ہے اور اذان کے بعد ظہر کی نماز بھی پڑھاتے ہیں اور اس کے بعد فوراً عصر کی نماز پڑھاتے ہیں لیکن وہاں ہمارے لیے جانا مشکل ہے، اپنا خیمہ چھوڑ کر جانے میں پریشانی ہوتی ہے؛ اس لیے ہم یہ نمازیں اپنے خیموں میں ادا کرتے ہیں، اتنا ضرور ہے کہ وہاں سے آواز ضرور آئے گی اور جب آواز آئے گی تو اندازہ ہو جائے گا کہ زوال ہو چکا ہے، اب آپ اپنے خیموں میں مقیم ہیں تو آپ کے اندر جو پڑھا لکھا عالم ہو، اس کو مقرر کرلیں، وہ آپ کو ظہر کی نماز پڑھائے گا۔ ویسے تو عرفات کے میدان میں ظہر اور عصر کی نماز کو جمع کرنا ہے یعنی ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد وہیں ساتھ میں عصر کی نماز بھی ادا کرنی چاہیے لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے شرط یہ ہے کہ نماز کا امام حاکم یا امیر الحج ہو اور وہ ہمارے خیمے میں ہوتا نہیں ہے؛ اس لیے وہاں خیمے میں ظہر

اپنے وقت پر پڑھیں گے اور عصر بھی اپنے وقت پر پڑھیں گے۔اب قصر پڑھنی ہے یا پوری پڑھنی ہے تو منیٰ کے سلسلے میں مسئلہ بتا دیا۔

## وقوفِ عرفہ کے دوران کیے جانے والے اعمال

ظہر پڑھتے ہی وقوف شروع ہو گیا، وقوف کا مطلب ہے عرفات کا قیام، یہ حج کا رکنِ اعظم ہے، اس میں آپ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں، اگر آپ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تو نوافل بھی پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح ذکر، دعا اور عبادات کے جو دوسرے طریقے ہیں، ان کو اختیار کریں، وہاں دھوپ میں کھڑے رہنے کو بھی اچھا بتایا گیا ہے تو اگر طاقت ہو تو دھوپ میں کھڑے رہیں، ورنہ اپنے خیمے میں رہیں، کھڑے رہنا بیٹھنے سے اور بیٹھنا لیٹنے سے افضل ہے اور عبادات میں مشغول رہیں، یہاں تک کہ جب عصر کا وقت ہو جائے تو اپنے خیمے ہی میں اپنے امام کے پیچھے عصر کی نماز پڑھیں اور عصر کے بعد بھی عبادت میں مشغول رہیں: دعامیں، ذکر میں، تلاوت میں، یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

## غروب سے پہلے میدانِ عرفات سے نکلنا گناہ ہے

دیکھیے! زوال سے لے کر کے سورج کے غروب ہونے تک عرفات میں قیام کرنا ہے، اگر کوئی آدمی سورج کے غروب ہونے سے پہلے عرفات سے نکل جائے گا تو دم واجب ہوگا، ویسے تو وہاں غروب سے پہلے کوئی نکلنے دیتا ہی نہیں، آج کل تو غروب سے پہلے وہاں دروازے بند کر دئے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی آدمی زوال کے فوراً بعد

نکل گیا تو نکل بھی سکتا ہے اور ایسی صورت میں دم واجب ہوگا، حج تو ادا ہو جائے گا لیکن دم واجب ہوگا۔

## میدانِ عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانگی

آپ نے زوال کے بعد ظہر کی نماز پڑھ کر جو وقوف شروع کیا تھا، وہ آفتاب غروب ہونے تک رہا، آفتاب ڈوب گیا تو اب آپ کو عرفات میں مغرب نہیں پڑھنی ہے بلکہ آپ کو عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلنا ہے، بہت بڑا مجمع ہوتا ہے، بسوں اور لوگوں کا ایک جمِّ غفیر ہوتا ہے، کوئی خوش قسمت ہو، وہ جلدی پہنچ جاتا ہے، ورنہ تو دیر ہی ہوتی ہے، بعض لوگ تو صبح تک بھی نہیں پہنچ پاتے تو حج اور عمرے کے موقع پر اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرنی چاہیے کہ: فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي: اے اللہ! آپ اس کو میرے لیے آسان فرمائیے، اس کو قبول فرمائیے اور سنت کے مطابق حج کرائے۔

## مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ ادا کرنا ہے

آپ مزدلفہ پہنچ گئے، چاہے بس سے پہنچے ہوں یا پیدل چل کر۔ مزدلفہ پہنچنے کے بعد اگر ابھی عشاء کا وقت نہیں آیا ہے تو ابھی آپ کو مغرب کی نماز نہیں پڑھنی ہے؛ اس لیے کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ عشاء کے وقت میں پڑھی جاتی ہیں؛ اس لیے جب تک عشاء کا وقت نہیں ہوگا، یہ دونوں نمازیں نہیں پڑھیں گے اور اگر وقت ہو چکا ہے تو استنجاء اور طہارت سے فارغ ہو کر پہلے مغرب کی نماز تین رکعت پڑھیے اور سلام پھیر کر کے تکبیرِ تشریق اور تلبیہ پڑھیے اس کے بعد فوراً، مغرب

کی دو سنت پڑھے بغیر، بغیر اقامت کے عشاء کی نماز پڑھیے، اگر مسافر نہ ہوں تو چار اور اگر مسافر ہوں تو دو رکعت پڑھیے، سلام پھیرنے کے بعد تکبیرِ تشریق اور تلبیہ پڑھیے، اس کے بعد مغرب اور عشاء کی سنتیں اور وتر وغیرہ پڑھیں، ان دو نمازوں سے فارغ ہو کر آپ کو وہیں پر قیام کرنا ہے، وہاں کھانے پینے اور دوسری ضروریات سے فارغ ہو لیجیے۔

## مزدلفہ کی بابرکت رات کو خوب وصول کیجیے

یہ رات بڑی بابرکت ہے، بہت سے لوگوں نے اس کو لیلۃ القدر کے برابر قرار دیا ہے؛ اس لیے اس رات میں لغویات، بات چیت اور گپ شپ میں مشغول ہونے کے بجائے اللہ کی عبادت میں مشغول ہوں۔ چوں کہ آئندہ کل ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں؛ اس لیے تھوڑا آرام بھی کرلیں۔ وہاں عرفات سے تھکے ہوئے آئے ہیں، اگر طبیعت کا تقاضا ہو تو عشاء وغیرہ سے فارغ ہو کر پہلے تھوڑا آرام کر لیجیے، دو، تین گھنٹے لیٹئے اور صبحِ صادق سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اٹھ جائیے اور تہجد وغیرہ سے فارغ ہو کر دعا، تلاوت وغیرہ میں مشغول ہو جائیے، یہاں تک کہ صبحِ صادق ہو جائے تو آپ اذان دیں گے اور فجر کی نماز کو شروع وقت میں پڑھیں گے اور فجر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ دعائیں، ذکر میں تلاوت میں مشغول ہوں گے۔ فجر کی نماز کے بعد آفتاب نکلنے سے پہلے تک وہاں ٹھیریں گے، اس کو وقوفِ مزدلفہ کہتے ہیں اور یہ واجب ہے۔

## وقوفِ مزدلفہ کا وقت

لیکن ہمارے یہاں وقوفِ مزدلفہ نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے

واجب ہے، اب آپ وہاں دیکھیں گے کہ بہت سے عرب حضرات رات ہی سے، آدھی رات سے مزدلفہ سے چلنا شروع کردیتے ہیں، ہمارے ہندوستانی لوگ بھی ان کو دیکھا دیکھی مزدلفہ چھوڑ ردیتے ہیں۔ ویسے عورتوں، بچوں، کمزوروں اور بیماروں کو تو گنجائش دی گئی ہے لیکن دوسرے اگر ایسا کریں گے اور صبحِ صادق سے پہلے مزدلفہ سے نکل جائیں گے تو مزدلفہ کا وقوف چھوٹ جائے گا اور اس کی وجہ سے دم واجب ہوگا؛ اس لیے اس کا خاص خیال کریں۔

## مزدلفہ میں فجر کی اذان دینے میں صبحِ صادق کا خاص خیال رکھنا ہے

دوسرا یہ خیال رکھیں کہ صبحِ صادق ہونے کے بعد اذان دیں گے۔ وہاں بہت سے لوگ منٰی جانے کی جلدی میں صبحِ صادق سے پہلے ہی اذان دے دیتے ہیں اور آدھی رات ہی سے اذان کی آواز آنا شروع ہوجاتی ہے، اگرچہ آج کل تو مائک کا بہترین انتظام ہے اور وہاں مزدلفہ میں مسجد مشعرِ حرام ہے، اس سے اذان کی آواز آتی ہے اور ویسے آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ اتنے دنوں تک حرم میں رہے ہے، گذشتہ روز بھی آپ نے فجر کی نماز حرم میں پڑھی تھی تو وہاں صبحِ صادق کب ہوتی ہے، وہ آپ کو معلوم ہے تو ان دنوں میں آپ اوقات کا خوب دھیان رکھئے اور اس کے مطابق دو چار منٹ آگے پیچھے کر کے اذان دیجیے، اگر صبحِ صادق سے پہلے اذان دے دی اور نماز پڑھ لی تو فریضہ ہی ادا نہیں ہوگا اور اسی طرح صبحِ صادق سے پہلے نکل گئے تو آپ کا وقوفِ مزدلفہ بھی نہیں ہوا؛ اس لیے اس سلسلے میں خاص احتیاط کرنی ہے۔

# مزدلفہ سے منیٰ کی طرف روانگی

صبحِ صادق کے بعد آپ اذان دیں گے، سنت اور فرض پڑھیں گے، اس کے بعد وقوف کریں گے اور سورج طلوع ہونے کے قریب ہے، بالکل تیاری ہے تو آپ منیٰ کی طرف روانہ ہو جائیں گے، ویسے تو فجر کی نماز پڑھنے کے بعد دس پندرہ منٹ تک وقوف کیا اور آپ روانہ ہو گئے تو بھی وقوفِ مزدلفہ کا وجوب ادا ہو گیا لیکن سنت طریقہ یہ ہے کہ سورج نکلنے کے بالکل قریبی زمانے تک ٹھیرے رہیں، سورج طلوع ہونے میں پانچ سات منٹ باقی ہیں، تب آپ وہاں سے منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔

# مزدلفہ سے رمی کے لیے کنکریاں اٹھالینا بہتر ہے

مزدلفہ کے قیام کے دوران آپ کنکریاں بھی اٹھالیں، یہ کنکریاں اٹھانا کوئی واجب یا فرض نہیں ہے، یہاں کنکریوں کی بہتات بھی ہے، آسانی سے کنکریاں مل جاتی ہیں تو چھوٹی چھوٹی مکئی کے دانے کے برابر ''۷۰'' کے قریب کنکریاں اٹھالیں؛ اس لیے کہ یہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ہے اور آج سات کنکریاں مارنی ہیں اور باقی تینوں دن ٹھہریں گے تو تین جمروں کو سات سات کنکریاں مارنی ہیں تو ہر دن اکیس، اکیس کنکریاں ہوں گی تو ''۷۰'' ہو جائیں گی اور احتیاط کے طور پر اگر کچھ زائد کنکریاں لے لیں تو بہتر ہے اور بڑے بڑے پتھر نہ لیں، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شیطان کو مارنی ہیں تو بڑے بڑے پتھر ماریں گے، حالاں کہ یہ تو محض ایک علامت ہے، حقیقی شیطان نہیں ہے لیکن لوگ اس کو حقیقت میں شیطان سمجھتے ہیں تو بعض تو بڑے بڑے پتھر مارتے

ہیں، بعض چپل اور بعض اس پر چڑھ جاتے ہیں، تو حقیقت تو یہ ہے کہ جب اس پر چڑھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ میں شیطان پر چڑھا ہوں، حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان اس پر چڑھا ہے۔ حاصل یہ کہ جو طریقہ سنت بتلایا گیا ہے، اسی کے مطابق عمل کرنا ہے۔

## جمرات کی حقیقت

کنکریاں لے لیں اور منیٰ کے لیے روانہ ہو گئے، جب منیٰ پہنچ گئے تو آپ کے پاس جو تھوڑا بہت سامان ہے، اس کو اپنے خیمے میں رکھ دیا یا اس کو اپنے ساتھ لے کر سیدھے جمرۂ عقبہ پر پہنچ گئے، جمرۂ عقبہ کو لوگ بڑا شیطان کہتے ہیں۔ مزدلفہ سے جب منیٰ چلیں گے تو منیٰ کے شروع ہونے کے بعد دوسرے کنارے پر یہ جمرات ہیں۔ یہ جمرات جن کو لوگ شیطان کہتے ہیں، اصل میں کچھ مخصوص جگہیں ہیں لیکن علامت کے طور پر ان جگہوں کے پاس کچھ ستون بنا دئے گئے ہیں، ان کو جمرہ کہتے ہیں تو اصل تو وہ جگہ ہے جہاں کنکر گرنا چاہیے۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بہکانے کے لیے آیا تھا تو اس جگہ یہ علامت بنا دی گئی ہے۔

## جمرۂ عقبہ کی رمی اور اس کا وقت

بہر حال! جب آپ مزدلفہ سے منیٰ میں داخل ہوں گے تو اس کے بعد دوسرے کنارے پر یہ تین جمرات آئیں گے، پہلے جو آئے گا، اس کو جمرۂ اولی کہتے ہیں، لوگ اس کو چھوٹا شیطان کہتے ہیں، اس کے بعد جو دوسرا آئے گا، وہ جمرۂ وُسطی ہے یعنی درمیانی جمرہ، اس کے بعد سب سے اخیر میں، منیٰ ختم ہونے سے کچھ پہلے جو جمرہ

آتا ہے، وہ جمرۂ عقبہ کہلاتا ہے جس کو لوگ بڑا شیطان کہتے ہیں۔ آج دسویں تاریخ کو صرف اسی جمرۂ عقبہ کی رمی کرنی ہے، ابھی لبیک کا سلسلہ جاری ہے؛ اس لیے آپ لبیک پڑھتے جارہے ہیں، جب آپ منٰی پہنچیں گے تو زوالِ آفتاب تک اس کی رمی کرنی ہے، طلوعِ آفتاب سے زوال تک اس کا وقت مسنون ہے اور زوال سے لے کر غروب تک جائز ہے لیکن غروب سے لے کر دوسرے دن یعنی گیارہویں کی صبحِ صادق تک کا وقت مکروہ ہے، وہ بھی جب بھیڑ نہ ہو اور اگر بھیڑ تو بلا کراہت جائز ہے۔

## رمیِ جمرات کا طریقہ

جب آپ جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے لیے جائیں گے تو آپ کا رخ اِدھر کعبۃ اللہ کی طرف ہوگا اور سات کنکریاں تو آپ کے پاس ہیں ہی، ان میں سے ہر کنکری اس طرح انگوٹھے اور انگلی کے بیچ میں رکھ کے ہاتھ اٹھا کر ماریں گے، جمرہ جہاں پر ہے، اس سے تقریباً سات فٹ دور کھڑے رہ کر ہر کنکر مارا جائے گا اور ہر کنکر پر آپ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ رَغْمًا لِلشَّیْطَانِ وَرِضًا لِلرَّحْمٰنِ پڑھیں گے، نہ یاد رہے تو صرف بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ پڑھیں اور یہ بھی نہ پڑھیں تو کوئی حرج نہیں، اس سے حج میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ جمرات کے اردگرد اس طرح جگہ بنائی گئی ہے جیسے بھینسوں کے طبیلے میں ان کو گھاس چارا ڈالنے کے لیے بنایا ہوا ہوتا ہے، آپ جو کنکریاں ماریں گے، وہ اس جگہ میں گرنی چاہئیں، اگر اس میں نہیں گری، اس کے باہر کہیں گری تو جمرے سے اگر تین فٹ کی دوری پر گرے تو ٹھیک ہے، اس سے زیادہ دور گری ہو تو اس کی جگہ دوسری کنکری

مارنی پڑے گی۔

## رمی شروع کرتے ہی تلبیہ کا سلسلہ ختم کر دیں

اس طرح سات کنکریاں مارے گا اور جہاں کنکریاں مارنے کا سلسلہ شروع کیا، وہیں تلبیہ پڑھنے کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ یہ کنکریاں مارنا ''رمیِ جمرۂ عقبہ'' کہلاتا ہے، یہ حج کے واجبات میں سے ہے، اس سے پہلے وقوفِ مزدلفہ بھی واجب تھا، اب یہ دوسرا واجب آیا۔

## تمتع کرنے والے پر ہدی کی قربانی واجب ہے

چوں کہ تمتع کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے اور حجِّ تمتع میں جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد جانور بھی ذبح کرنا ہے، جس کو قربانی کرنا کہتے ہیں، ویسے تو قرآن وحدیث اور فقہاء کی اصطلاح میں اس جانور کو عربی میں ھَدِیٌ کہتے ہیں اور ہمارے یہاں اس کو قربانی کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں گھروں میں (بقر) عید کے روز جو ذبح کیا جاتا ہے، اس کو بھی اردو میں قربانی کہتے ہیں، حالاں کہ عربی میں اس کو ''اُضحیہ'' کہتے ہیں، عربی میں دونوں کے لیے الگ نام ہیں اور اردو میں دونوں کے لیے ایک ہی لفظ بولا جاتا ہے؛ اس لیے اشتباہ ہو جاتا ہے تو اصل میں یہ ہدی ہے۔ جس نے تمتع کیا ہے، اس کے لیے جانور ذبح کرنا بھی واجب ہے۔

## رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے

اور اس میں ترتیب بھی ہے کہ پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کرے، اس کے بعد جانور

ذبح کرے یعنی بکری یا بکرا یا بڑے جانور کا ساتواں حصہ۔ جانور ذبح کرنے کے بعد تیسرے نمبر پر سر کے بال اتروانے ہیں جس کو حلق کہتے ہیں، یہ تینوں واجب ہیں اور ان تینوں میں ترتیب بھی واجب ہے، اب بولنے میں تو یہ بہت آسان ہو گیا کہ جمرۂ عقبہ کی رمی کی اور جانور ذبح کیا اور سر کے بال اتروادئے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ آدھے پونے گھنٹے میں ہو جائے گا لیکن یہ سب کام کتنی دیر میں ہوتے ہیں وہ جانے والے ہی سے پوچھئے، اگر اللہ تعالیٰ آسان کر دے اور کسی خوش قسمت کو اللہ تعالیٰ آسانی میسر کر دے تو اس سے بڑھیا اور کیا بات ہوگی!

## مذکورہ تین کاموں کے بعد طوافِ زیارت کو انجام دینا سنت ہے

جب ان تینوں کاموں سے فارغ ہو گئے تو اب آپ کو طوافِ زیارت کے لیے مکہ مکرمہ جانا ہے، مذکورہ تینوں کام انجام دینے کے بعد طوافِ زیارت کرنا سنت ہے لیکن اگر آپ جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہوئے اور قربانی کا مرحلہ آیا تو قربانی کے لیے ایک مخصوص جگہ ہے۔

## حاجی کے لیے عید والی قربانی کا حکم

دیکھو! یہ جانور جو ذبح کیا جائے گا تو ایک خاص نیت سے ذبح کیا جائے گا کہ میں نے تمتع کیا ہے یعنی عمرہ کیا اور یہ حج کیا اس کے شکرانے کے طور پر ذبح کر رہا ہوں۔ یہ قربانی تو حج کی ہوئی، یہ تو تمتع کرنے والے کے لیے واجب ہے، ایک مسئلہ عید کی قربانی کا آتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ تو اگر وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد مقیم ہو چکا ہے

یعنی وہاں پندرہ دن قیام کی نیت کرلی، جیسا کہ پہلے نماز کے قصر اور اتمام کے سلسلے میں مسئلہ بتادیا ہے اور مقیم ہونے کے ساتھ صاحبِ نصاب ہے تو اس پر یہ عید کی قربانی بھی واجب ہے لیکن عید والی قربانی کا جانور وہیں ذبح کرنا ضروری نہیں ہے، وہاں بھی ذبح کرسکتا ہے اور یہاں اپنے گھر پر اس کا انتظام کر کے جائے تو یہ بھی جائز ہے، جب کہ حج اور تمتع والی قربانی یہاں گھر پر ذبح نہیں کرسکتے، اس کو تو وہیں ذبح کرنا ہوگا۔ بعض لوگ کیا کرتے ہیں؟ حج والی قربانی کے لیے بھی فون کردیتے ہیں کہ آپ گھر پر کرلیجیے، یہ حماقت ہے، حج والی قربانی تو یہاں حرم ہی میں ذبح کرنا ہے۔

## ہدی کی قربانی میں احتیاط ضروری ہے

اب اس قربانی کے جانور کا انتظام کرنا، اس کو ذبح کرنے کے لیے وہاں قربان گاہ جانا بہت مشکل ہے کہ جانور ذبح کرنے کی جگہ وہاں سے کافی دور ہے؛ اس لیے وہاں کے جو مقیمین ہیں، وہاں کے پرانے لوگ ہیں، ذرا ان کا تعاون لیا جائے، خوب تحقیق کرلی جائے، آج کل بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو آپ سے پیسے لیتے ہیں کہ آپ کی قربانی ہم کرادیں گے لیکن وہ پیسے لینے کے بعد ''رفو چکر'' ہوجاتے ہیں اور ہماری قربانی رہ جاتی ہے، اس لیے ذرا محتاط رہیں۔ اگر آپ کے قافلے میں نوجوان سمجھ دار ساتھی ہیں جو تجربہ کار ہیں، پہلے بھی حج کے لیے آچکے ہیں اور خود جا کر کے سب کی طرف سے جانور ذبح کرسکتے ہیں تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، بہت بہتر ہے، ویسے قربانی کے لیے وہاں حکومت کی طرف سے باقاعدہ ایک انتظام ہوتا ہے، وہاں اس جگہ کی بینک ہے،

چاہے جو بھی ہو، اس میں آپ کو جانور ذبح کرانے کے لیے رقم جمع کرانی پڑتی ہے اور وہ آپ کو رسید بھی دیتے ہیں، رقم جمع کراتے وقت آپ جو وقت دیں گے کہ فلاں تاریخ کو، فلاں وقت میں جانور ذبح کرنا تو وہ وقت لکھ کر دیتے ہیں، اب اگر اسی وقت میں انھوں نے جانور ذبح کیا تو ٹھیک ہے۔

## قربانی ذبح ہو جانے کے اطمینان پر ہی حلق کروائیں

اس طریقے پر بھی قربانی کر سکتے ہیں، کوئی حرج نہیں ہے لیکن آپ کو اطمینان بھی ہونا چاہیے کہ آپ کے بتائے ہوئے وقت کے مطابق جانور ذبح ہو گیا ہوگا؛ اس لیے کہ یہ ترتیب واجب ہے کہ پہلے آپ جمرۂ عقبہ کی رمی کریں پھر جانور ذبح کرنا ہے، اس کے بعد سر کے بال اتروانے ہیں یعنی حلق کروانا ہے تو چوں کہ جانور ذبح کرنے کے بعد حلق کروانا ہے؛ اس لیے ''جانور ذبح ہو گیا'' اس کا اطمینان بھی ضروری ہے۔ اگر اپنے ساتھیوں کو جانور ذبح کرنے کی ذمہ داری سونپی ہے یا کسی معتبر آدمی کے حوالے کیا ہے تو جب اس کی طرف سے جانور ذبح ہونے کی اطلاع مل جائے تو اب آپ حلق کرا لیجیے۔ مرد اپنے بال حلق کروائے گا یا قصر کروائے گا جیسا کہ پہلے بتلا دیا ہے کہ اگر اتنے بڑے بال ہیں کہ کٹنے کے بعد بھی کٹے ہوئے بال پورو ے کے برابر ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے چھوٹے ہیں تو حلق ضروری ہے۔

## عورت کے لیے بال ترشوانے کا طریقہ

عورت کے لیے حلق نہیں ہے بلکہ قصر ہے، چوٹی کی طرف سے پورو ے کے

برابر بال کاٹے گی، چوں کہ چوٹی جو نیچے کی طرف ہوتی ہے، اس میں سر کے سارے بال نہیں ہوتے ہیں؛ اس لیے اِدھر اُدھر تین طرف سے پوروے کے برابر بال کاٹے تو بہتر ہے؛ اس لیے کہ اس صورت میں یقین ہو جائے گا کہ بال برابر کٹے ہیں۔

## حلق کا طریقہ

حلق کا طریقہ بھی بتلایا ہے کہ حلق کراتے وقت قبلہ کی طرف منہ ہو، دائیں طرف سے شروع کیا جائے، حلق کرانے والا بھی قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور حلق کرنے والا بھی قبلہ رو ہو۔ تو آج کے تین کام ہو گئے: (۱) جمرۂ عقبہ کی رمی (۲) قربانی (۳) حلق۔

## متمتع کے لیے طوافِ زیارت کے بعد سعی بھی کرنی ہے

جب یہ حلق کروالیا تو آپ کا احرام کھل گیا۔ اب غسل کر کے سِلے ہوئے کپڑے پہن لیجیے اور مکہ مکرمہ کی طرف طوافِ زیارت کرنے کے لیے روانہ ہو جائیے، یہ طوافِ زیارت حج کا رکن ہے، حج کے دو رکن ہیں: (۱) وقوفِ عرفات اور (۲) طوافِ زیارت، یہ طوافِ زیارت ہے جو آپ کرنے کے لیے جائیں گے۔ اگر یہ تینوں کام زوال تک یا شام تک ہو گئے تو آپ مکہ مکرمہ پہنچ جائیے اور وہاں جا کر کے طوافِ زیارت کر لیجیے۔ یہ طوافِ زیارت بھی آج کل بڑا مشکل ہوتا ہے، بھیڑ بھاڑ بہت زیادہ ہوتی ہے، اتنا بڑا حرم ہونے کے باوجود جگہ تنگ محسوس ہوتی ہے لیکن بہر حال ہمت تو کرنی ہی ہے، اس طوافِ زیارت کے بعد آپ کو سعی بھی کرنی ہے، یہ تمتع کرنے والے

کے لیے حج کی سعی طوافِ زیارت کے بعد ہے، احناف کے یہاں یہی بہتر ہے، اس طواف میں آپ کو رمل بھی کرنا ہے۔ اور یہ بات بتائی جا چکی ہے کہ جس طواف میں رمل ہو، اس میں اضطباع بھی ہے لیکن اگر آپ حلق کرا کر کے اپنا احرام کھول چکے ہیں اور سِلے ہوئے کپڑے پہن چکے ہیں تو چادر رہے ہی نہیں تو اضطباع کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

## قربانی اور حلق سے پہلے بھی طوافِ زیارت کر سکتے ہیں

لیکن اگر آپ جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کے بعد ابھی قربانی نہیں کرا سکے کہ جمرۂ عقبہ کی رمی تک کافی وقت ہو گیا تو آپ نے سوچا کہ قربانی کل کروائیں گے۔ اب آپ سوچ رہے ہیں کہ قربانی تو کل کرنی ہے، آج طوافِ زیارت کر لیتے ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔

## متمتع کے لیے طوافِ زیارت میں رمل اور اضطباع بھی کرنا ہے

اب اگر طوافِ زیارت کے لیے آپ گئے تو احرام والی چادریں ابھی باقی ہیں، آپ کو طوافِ زیارت کے بعد سعی کرنی ہے۔ اس لیے اس میں رمل تو کرنا ہی ہے تو اضطباع بھی کریں گے۔ اب وہاں سِلے ہوئے کپڑے میں رمل کریں گے تو بہت سے لوگ آپ کو پکڑیں گے، ان سے الجھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور پہلے طواف کا جو طریقہ بتلا دیا، اسی کے مطابق استقبال اور استلام وغیرہ کے ساتھ سات چکر لگانے ہیں، طواف کے بعد ملتزم اور اس کے بعد طواف کی دو رکعت اور زمزم پینا، اس کے بعد استلام کر کے سعی کے لیے صفا مروہ کی طرف جانا اور اس کی سعی کرنا، یہ سب اسی طریقے سے ہوگا جو آپ کو پہلے بتلا دیا گیا ہے۔

## طوافِ زیارت کا وقت

یہ جو طوافِ زیارت ہے، اس کا وقت دسویں ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے اور بارہویں کی غروبِ آفتاب سے پہلے تک رہتا ہے، تین دن ہیں جو ایامِ نحر کہلاتے ہیں: (۱) دسویں (۲) گیارہویں (۳) بارہویں۔ بارہویں کا سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے طوافِ زیارت ہو جانا چاہیے، اگر دسویں کو کر لیا تو بہت بہتر اور اگر بھیڑ بھاڑ یا تھکان وغیرہ کی وجہ سے دسویں کو نہیں کیا تو گیارہویں کو کرلے، دن میں، رات میں، صبح میں، شام میں، جب بھی آپ کو موقع ملے، کرلیں لیکن تیسرے دن غروبِ آفتاب سے پہلے فارغ ہو جانا چاہیے۔ اگر بارہویں کا آفتاب غروب ہو گیا اور ابھی تک آپ نے طوافِ زیارت نہیں کیا تو اس کے بعد بھی کرنا ہو گا لیکن اب آپ کو پینلٹی لگے گی، دم واجب ہو جائے گا اور اگر اکثر حصہ یعنی طواف کے چار چکر پورے کیے پھر آفتاب غروب ہوا تو دم واجب نہیں ہو گا۔

## عذر کی وجہ سے سعی میں تاخیر بلا کراہت جائز ہے

اس طوافِ زیارت کے بعد سعی بھی کرنی ہے، چوں کہ آدمی تھک تھکا جاتا ہے، اچھے خاصے تن درست آدمی بھی تھک جاتے ہیں تو طوافِ زیارت کے بعد تھوڑا آرام کرلیں، اس کے بعد سعی شروع کریں، تب بھی کوئی حرج کی بات نہیں ہے اور اگر سعی میں بیماری یا کمزوری کی وجہ سے مزید تاخیر ہو گئی اور آپ نے بارہویں کے بعد تیرہویں یا چودہویں وغیرہ کو کی، تب بھی کوئی دم نہیں ہے اور مکروہ بھی نہیں ہے، ہاں

اگر بلا وجہ مؤخر کیا ہے تو مکروہ تو ہے لیکن دم واجب نہیں۔

## طوافِ زیارت کے بعد راتیں منٰی میں گذارنا سنتِ مؤکدہ ہے

اگر آپ دسویں کو آئے تھے اور طوافِ زیارت اور سعی کرلی تو اب منٰی روانہ ہو جائیں گے اور رات وہاں گذاریں گے، احناف کے نزدیک رات منٰی میں گذارنا سنتِ مؤکدہ ہے۔ پھر گیارہویں تاریخ منٰی میں آئے گی تو اس دن سوائے کنکریاں مارنے کے اور کوئی کام نہیں ہے، دسویں کو تو ایک ہی جمرے کو ماری تھی، گیارہویں کو تینوں جمرات کی رمی کرنی ہے۔ گیارہویں کو کنکریاں مارنے کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، آپ اپنے خیموں میں ظہر کی نماز پڑھ کر کے تینوں جمرات کی رمی کیجیے۔

## گیارہویں کو تینوں جمرات کی رمی کا طریقہ

ان تینوں جمرات کے بارے میں آپ کو بتایا تھا کہ پہلے چھوٹا شیطان آتا ہے (جمرۂ اولیٰ) اس کو سات کنکریاں ماریں گے اور مارنے کا طریقہ وہی ہے جو پہلے بتادیا گیا ہے کہ بِسْمِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ رَغْمًا لِلشَّیْطَانِ وَرِضًا لِلرَّحْمٰنِ پڑھیں اور کنکریاں ماریں۔ ساتوں کنکریاں مار لینے کے بعد ذرا ہٹ کر کے دعا مانگیں، یہ دعا کرنا سنت ہے اور پھر درمیانی شیطان (جمرۂ وسطیٰ) کو کنکریاں ماریں گے اور ہٹ کر کے دعا کریں گے، پھر آخری جمرے کو سات کنکریاں ماریں گے تو یہاں دعا نہیں کرنی ہے بلکہ مار کے اپنی قیام گاہ پر واپس آجانا ہے، یہ گیارہویں کی رمی ہوگئی، آج دوسرا کوئی کام نہیں ہے، اپنے خیموں میں بیٹھ کر تلاوت، ذکر وغیرہ عبادت میں مشغول رہیں، بہت سے حضرات

وہاں گپ شپ میں مشغول ہوتے ہیں، بہت سے تو گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں، ریڈیو سنتے ہیں، یہ غلط طریقہ ہے، اس سے اپنے آپ کو بچائیں، ان ایام میں کثرت سے اللہ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ خاص اللہ کو یاد کرنے کے زمانے ہیں۔

## گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت

بارہویں تاریخ ہوگئی، بارہویں کو بھی یہی ہے اور آج بھی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوگا لیکن بہت سے لوگ فجر کے بعد ہی شروع ہو جاتے ہیں اور کنکریاں مار کے مکہ پہنچ گئے اور جدہ بھی آ گئے، حالاں کہ یہ وقت شروع ہونے سے پہلے ماری ہے؛ اس لیے ادا نہیں ہوئی؛ دم واجب ہوگا؛ اس لیے لوگوں کے دیکھا دیکھی ہمیں ایسا نہیں کرنا ہے بلکہ زوال تک ٹھیر جائے اور زوال کے بعد ظہر پڑھ کر اطمینان سے رمی کیجیے، ان تین دنوں میں بھیڑ بھاڑ بہت ہوتی ہے؛ اس لیے آپ اطمینان سے ان تینوں جمرات کی رمی کیجیے۔

## تیرہویں ذی الحجہ کی رمی کب واجب ہوتی ہے؟

اس کے بعد اگر آپ کا ارادہ منیٰ میں ٹھیرنے کا نہیں تو بارہویں کو غروبِ آفتاب سے پہلے مکہ مکرمہ جائیں گے اور اگر آپ جانا تو چاہتے ہیں لیکن بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے آپ رمی نہیں کر سکی اور اس کی وجہ سے آپ نے تاخیر کی تو کوئی حرج نہیں، رات کو بھی رمی کر کے آپ جا سکتے ہیں، صبحِ صادق سے پہلے پہلے آپ منیٰ چھوڑ دیں تو حرج نہیں لیکن اگر صبحِ صادق ہوگئی تو اب تو آپ کے لیے تیرہویں کی رمی بھی ضروری ہوگئی،

اب تیرہویں کو بھی رمی کا وقت وہی زوال کے بعد ہے۔

## طوافِ وداع واجب ہے

زوال کے بعد رمی کرکے آپ مکہ مکرمہ جائیں گے اور وہاں جانے کے بعد اگر آپ کی گھر واپسی یا مدینہ منورہ جانے میں ابھی دیر ہے تو مکہ میں قیام کریں گے اور عبادات میں مشغول رہیں گے اور جب گھر جانے یا مدینہ منورہ جانے کا وقت آئے گا تو آپ آخری طواف کریں گے، اس کو طوافِ وداع کہتے ہیں، یہ واجب ہے، یہ طوافِ وداع کرکے آپ گھر یا مدینہ منورہ جائیں گے۔ یہ حجِّ تمتع کا مختصر طریقہ آ گیا۔

## حجِّ اِفْراد کا طریقہ

اکیلے حج کا احرام باندھنا اِفراد کہلاتا ہے، اس میں اپنے گھر سے یا بمبئی سے حج کا احرام باندھے گا، نیت کرے گا: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْحَجَّ فَيَسِّرْهُ لِي وَتَقَبَّلْهُ مِنِّي، اور جب مکہ مکرمہ پہنچے گا اور مسجدِ حرام میں جائے گا تو وہاں ایک طواف کرے گا جس کو طوافِ قُدوم کہتے ہیں، یہ سنت ہے، طوافِ قدوم کرنے کے بعد مکہ میں ٹھہرا رہے گا؛ کیوں کہ حج کی تاریخ ابھی آئی نہیں ہے، دو چار دن باقی ہیں پھر آٹھویں تاریخ کو کیا کرنا ہے، اس کی تفصیل بتلادی ہے، اب احرام تو بندھا ہوا ہی ہے، بس آٹھویں تاریخ کو منیٰ جائے گا اور اس کے بعد کی تفصیل پہلے بتائی جا چکی ہے، البتہ اس پر قربانی واجب نہیں ہے؛ اس لیے دسویں تاریخ کو بڑے شیطان (جمرۂ عقبہ) کو سات کنکریاں مارنے کے بعد جو جانور ذبح کرنا ضروری تھا، وہ نہیں کرے گا بلکہ کنکریاں مارنے کے

بعد حلق کرالے گا لیکن ان دو چیزوں میں ترتیب ضروری ہے: پہلے کنکریاں مارے پھر حلق کرائے، اس کے بعد طوافِ زیارت کے لیے جانا ہے۔

## حجِّ قِران کا طریقہ

اور اگر کسی نے قِران کا احرام باندھا ہے تو وہ اس طرح نیت کرے گا: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُرِيدُ الْعُمْرَةَ وَالْحَجَّ فَيَسِّرْهُمَا لِي وَتَقَبَّلْهُمَا مِنِّي: اے اللہ! میں عمرہ اور حج کی نیت کرتا ہوں، ان کو میرے لیے آسان کر دیجیے اور میری طرف سے ان کو قبول فرمائیے، دونوں کی نیت ہوگئی، جیسا کہ میں نے بتلایا کہ احرام کی چادریں چار نہیں بلکہ دو ہی پہننی ہیں۔ احرام شروع ہوگیا، اب جب مکہ مکرمہ پہنچیں گے تو آپ کو طواف اور سعی کرنی ہے، پہلے طواف پھر سعی ہے تو چوں کہ طواف کے بعد سعی بھی ہے؛ اس لیے اس میں رمل بھی ہے۔ طواف کے بعد وہی آپ کو ملتزم پر جانا ہے پھر طواف کی دو رکعت پڑھ کر زمزم پینا ہے اور اس کے بعد سعی کرنی ہے۔ یہ طواف اور سعی عمرہ کی ہوئی۔

## قِران کرنے والے کے لیے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کرنی مسنون ہے

اس کے بعد ایک اور طواف اور سعی کرنی ہے، یہ طواف حج کا طوافِ قدوم ہوا اور سعی حج کی ہوئی تو قِران کرنے والے کے لیے حج کی سعی طوافِ قدوم کے ساتھ کرنی مسنون ہے، بہتر ہے، ویسے تو اِفراد کرنے والا بھی طوافِ قدوم کے ساتھ حج کی سعی کرسکتا ہے۔

## طواف کے بغیر سعی معتبر نہیں ہے

دیکھو! حج کی سعی کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے، سنت ہے، بہتر طریقہ بتلایا گیا، کوئی ضروری نہیں ہے، تمتع والا بھی جو شروع میں بتلایا گیا کہ وہ طوافِ زیارت کے ساتھ سعی کرتا ہے، اس کو اگر یوں محسوس ہو کہ طوافِ زیارت کے ساتھ سعی دشوار ہوگی تو وہ بھی ابھی کر سکتا ہے لیکن اتنا ہے کہ سعی کا قاعدہ ہے کہ وہ طواف کے ساتھ ہی ہوگی، یہ ضروری ہے، طواف کے بغیر سعی معتبر نہیں ہے، تمتع کرنے والا پہلے سعی کرنے کے ساتھ جو طواف کرے گا، وہ نفل ہوگا، طوافِ قدوم بھی نہیں ہے لیکن ایسی صورت میں اس کو طواف میں رمل اور اس کے بعد سعی کرنی ہوگی، یہ تو تمتع والے کی بات ہوئی۔

## مُفرِد بھی طوافِ قدوم کے ساتھ سعی کر سکتا ہے

اِفراد والا یہاں سے گیا تھا، اس کو بھی طوافِ قدوم کرنا تھا تو وہ بھی اس طواف کے بعد سعی کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اگر اس کا ارادہ سعی کرنے کا ہے تو وہ طواف میں رمل بھی کرے گا، قران والا تو طوافِ قدوم کرے گا ہی اور اس کے ساتھ سعی بھی کرے گا۔ حج میں ابھی دو چار دن باقی ہیں تو مکہ میں ٹھہرے گا، اس کے بعد سارے کام وہی ہیں جو تمتع میں بتلا دئے ہیں کہ بڑے شیطان کو کنکریاں مارنے کے بعد جانور ذبح کرنا ہے، اس کے بعد حلق کرانا ہے، اب حلال ہو گیا اور اس کے بعد طوافِ زیارت ہے۔

## بیوی طوافِ زیارت کے بعد حلال ہوتی ہے، نہ کہ حلق کے بعد

دیکھو! حلق کرانے کے بعد حاجی حلال ہو جاتا ہے لیکن سب چیزوں کے حق

میں حلال نہیں ہوتا، جو لوگ اپنی بیوی کے ساتھ حج کے لیے جاتے ہیں، وہ ذرا سن لیں! کہ حلق کی وجہ سے احرام ختم ہوا لیکن بیوی کے حق میں ختم نہیں ہوا؛ اس لیے بیوی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ عام طور پر ہمارا نوجوان طبقہ جب طوافِ زیارت کرنے کے لیے مکہ جاتا ہے تو وہاں قیام گاہ بھی ہوتی ہے تو بہت سی مرتبہ گڑبڑ کر لیتے ہیں، حالاں کہ طوافِ زیارت کرنے سے پہلے بیوی حلال نہیں ہے، طوافِ زیارت سے فارغ ہونے کے بعد حلال ہوگی، اس کے بعد وطی کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس سے پہلے اگر کر لی تو دم واجب ہوگا اور دم میں بھی خالی بکری سے کام نہیں چلے گا بلکہ اونٹ کی قربانی دینی ہوگی؛ اس لیے اس کا خاص خیال رکھنا ہے۔

## حج سے پہلے اس کے احکام سیکھنے کا اہتمام ضروری ہے

یہ حج کا طریقہ اجمال کے ساتھ مکمل ہوگیا، اس میں بڑی تفصیلات ہیں؛ اس لیے حج میں جانے والوں کو چاہیے کہ حج کے بارے میں جو کتابیں لکھی ہوئی ہیں، ان کو بار بار پڑھیں، سمجھیں اور آپس میں بار بار مذاکرہ کریں، تلبیہ بھی یاد کریں، بہت سے تو ایسے ہیں کہ حج کر کے آتے ہیں اور ان کو لبیک یاد نہیں ہوتا، جب لبیک نہیں پڑھی تو احرام کہاں شروع ہوا؟ اس لیے یہ چیزیں ضروری ہیں، جب ایک فرض کی ادائگی کا اتنا زیادہ اہتمام ہو رہا ہے تو ان چیزوں کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

## مدینہ منورہ کا سفر

حج سے فارغ ہوگئے، اب اگر مدینہ منورہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں تو

اس سفر میں درود شریف کی کثرت کا اہتمام کریں۔ مدینہ منورہ پہنچ جائیں تو اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر کے غسل کریں، دھلے ہوئے سفید کپڑے پہن کر، خوشبو وغیرہ لگا کر مسجدِ نبوی میں پہنچیں، اگر مسجدِ نبوی میں آسانی سے بابِ جبرئیل سے داخلہ ممکن ہو تو وہاں سے داخل ہو، ورنہ کسی بھی دروازے سے اندر جا کر تحیۃ المسجد پڑھے گا، اگر وہ تحیۃ المسجد ریاض الجنہ میں نصیب ہو جائے تو زہے قسمت۔ تحیۃ المسجد پڑھنے کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضے پر سلام پیش کرنے کے لیے جائے، جب جائے گا تو اس طرح کہ وہاں ایک ستون ہے، وہاں اس طرح کھڑا رہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور ہمارے سامنے رہے۔

## روضۂ اقدس پر سلام پیش کرنے کا طریقہ

وہاں تین جالیاں ہیں اور تینوں جالیوں میں سوراخ بنے ہوئے ہیں لیکن تیسری جالی میں تین سوراخ بنے ہوئے ہیں، ایک بڑا ہے اور دو چھوٹے ہیں، وہی اصل ہے، جہاں بڑا سوراخ بنا ہوا ہے، اسی کے سامنے، محاذات میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور پڑتا ہے تو وہاں بالکل سامنے نہیں بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ کر پیچھے کھڑا رہے گا، اس تصور کے ساتھ کہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخِ انور کے سامنے ہوں اور سلام کرے: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خِيرَةَ اللّٰهِ مِنْ جَمِيعِ خَلْقِهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيبَ اللّٰهِ، اور اگر کوئی دوسرا یاد ہو تو وہ پڑھے اور اخیر میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه بھی ملا لے۔ پھر کہے کہ: اے اللہ کے رسول! میں

گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے اللہ کے پیغام کو پہنچایا، امت کی خیر خواہی کی، اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور ہر امتی کی طرف سے بہترین جزاء عطا فرمائے اور اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے۔

## حضرات شیخین کو سلام کرنے کا طریقہ

اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کرے، پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آ کر اسی طرح سلام کرے: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللَّهِ وَثَانِيَهُ فِي الْغَارِ، اور اسی طرح اخیر میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه کہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سلام کرے: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرَ الْفَارُوقَ الَّذِي أَعَزَّ اللَّهُ بِهِ الْإِسْلَامَ، جو الفاظ بھی یاد ہوں۔ سلام کرے یا السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرَ بنَ الخطاب وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه کہے اور وہاں بھی کہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے، پوری امت کی طرف سے بہترین بدلہ عطا فرمائے اور پھر دعا کرے اور جب تک وہاں قیام ہو، روزانہ موقع بموقع سلام پیش کرتا رہے، وہاں درود کی کثرت رہے اور وہاں کے آداب کا بھی خیال رہے۔

## مدینہ منورہ کے متبرک مقامات کی زیارت کا ضرور اہتمام ہو

پھر یہاں جو متبرک جگہیں ہیں، خود مسجدِ نبوی کے اندر ریاض الجنہ ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبرِ مبارک اور روضۂ شریفہ کا درمیانی حصہ ہے، وہاں کسی پرانے آدمی سے پوچھو گے تو آپ کو بتائیں گے۔ یہاں کچھ ستون بھی ہیں جہاں دعا کی جاتی

ہے اور وہ قبول ہوتی ہے، وہاں نماز پڑھی جاتی ہے، جیسے اسطوانۂ حنّانہ، اسطوانۂ ابولبابہ وغیرہ اور مدینہ منورہ کے اندر بھی بہت سی جگہیں ہیں، ان کی زیارت کی جائے، جیسے جنت البقیع ہے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مزار ہے، اور دوسرے صحابہؓ کے، امہات المؤمنین کے، بناتِ طاہرات کے اور بزرگوں کے مزارات ہیں۔ ان کی قبروں کی بھی زیارت کی جائے۔ قبا کی زیارت کے لیے جائے۔

خیر وہاں مزید تفصیل معلوم ہو جائے گی، وہاں کے قیام کے دوران ادب کا پورا خیال رکھا جائے، درود کی کثرت ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو وہاں کے آداب کی رعایت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# بندگانِ الٰہی کے ساتھ خیرخواہی دینِ اسلام کی نظر میں

بمقام: جودھ پور

بوقت: جنوری ۲۰۱۱ء

# اقتباس

وَاللّٰہُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ أَخِیہِ: **اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی** مدد کرتے ہیں، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے یعنی گویا آپ اللہ کی مدد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان راستہ بتادیا، ہر آدمی کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے، ہر ایک اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے محنت کر رہا ہے، کوشش کر رہا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو رہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو ایک ایسا نسخہ بتادیا جو ہماری پریشانیوں کا بہترین علاج ہے، وہ یہ ہے کہ ہم جس مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی اس پریشانی کو دور کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے، جو کچھ کر رہے ہیں وہ ناکام ہو رہی ہے لیکن ہمارے آس پاس جو ہمارے بھائی ہیں، وہ پریشان ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہم اس کی پریشانی کو یقینی طور پر دور کر سکتے ہیں، اللہ نے مجھے مال دیا ہے یا صلاحیت دی ہے یا عہدہ دیا ہے یا اثر ورسوخ دیا ہے اور میں اپنے اس مال کو، اس عہدے کو، اس اثر ورسوخ کو استعمال کر کے اپنے بھائی کی تکلیف کو دور کر سکتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ اگر اپنے بھائی کی مدد میں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ہماری پریشانیوں کا عجیب وغریب علاج بتلادیا کہ آپ تو اپنی پریشانی دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، آپ کے پاس وہ قوت نہیں ہے لیکن آپ کے دوسرے بھائی جو پریشان ہیں، ان کی پریشانی دور کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنۡ أَبِی هُرَیۡرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَنۡ نَفَّسَ عَنۡ مُؤۡمِنٍ كُرۡبَةً مِنۡ كُرَبِ الدُّنۡيَا نَفَّسَ اللَّهُ عَنۡهُ كُرۡبَةً مِنۡ كُرَبِ يَوۡمِ الۡقِيَامَةِ وَمَنۡ يَسَّرَ عَلَى مُعۡسِرٍ يَسَّرَ اللَّهُ عَلَيۡهِ فِی الدُّنۡيَا وَالآخِرَةِ وَمَنۡ سَتَرَ مُسۡلِمًا سَتَرَهُ اللَّهُ فِی الدُّنۡيَا وَالآخِرَةِ وَاللَّهُ فِی عَوۡنِ الۡعَبۡدِ مَا كَانَ الۡعَبۡدُ فِی عَوۡنِ أَخِيهِ (صحیح مسلم، باب فَضۡلِ الاِجۡتِمَاعِ عَلَى تِلاَوَةِ الۡقُرۡآنِ وَعَلَى الذِّكۡرِ) أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## القابات میں مبالغہ کی ممانعت

حضراتِ علماء کرام اور میرے مسلمان بھائیو! ہمارے کرم فرما جنھوں نے کچھ باتیں پیش کیں، ایسا مبالغہ کرنے سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منع فرمایا ہے، بس مختصر طور پر اہلِ علم کے لیے جن القابات کا استعمال کیا جاتا ہے، اتنا کرو۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض خصوصیات

ابھی آپ کے سامنے مسلم شریف کی ایک روایت کا اقتباس پیش کیا گیا جس کے متعلق حضراتِ علماء اور محدثین فرماتے ہیں کہ یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوامع الکلم میں سے ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ خصوصیات اور کچھ امتیازی اوصاف ایسے عطا فرمائے تھے جو کسی اور نبی کو نہیں دیئے گئے، بخاری شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلاَةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ (۱)، وفی روایةٍ لأبی ھریرة رضی اللہ عنہ بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ (۲)۔

## حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت اور رعب

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے ایسی پانچ چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی اور نبی کو عطا نہیں کی گئیں ان میں سے پہلی چیز: نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ:

---

(۱) صحیح البخاری، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا.

(۲) صحیح البخاری، باب قَوْلِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری مدد فرمائی رعب اور ہیبت کے ذریعہ سے جو ایک مہینے کی مسافت تک پہنچتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا رعب عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے دشمن بھی جب آپ کے سامنے آتے تھے تو وہ مرعوب اور ہیبت زدہ ہو جاتے تھے۔

## کِسریٰ شاہِ ایران کے نام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ

جس زمانے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے مختلف حکمرانوں کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط روانہ فرمائے تو ایک خط حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کِسریٰ شاہِ ایران کے نام بھی بھیجا، اس خط کو لے کر جانے والے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے، اس زمانے کے دستور کے مطابق براہِ راست جو حاکمِ اعلی اور شہنشاہِ وقت ہوا کرتا تھا، اس کے پاس سفیر براہِ راست خط نہیں پہنچا سکتا تھا بلکہ اس کے ماتحت جو حکام ہوا کرتے تھے، ان میں سے کسی ایک کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ پھر حاکمِ اعلیٰ کی خدمت میں پیش کرتا تھا، چنانچہ اس زمانے میں بحرین کا، یمن کا علاقہ بھی کسریٰ ہی کی ماتحت تھا، بحرین کے حاکم منذر بن ساویٰ کے پاس جا کر حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خط پیش کیا۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کِسریٰ کی گستاخی

جب وہ یہ خط لے کر کِسریٰ کے پاس پہنچا تو کسریٰ نے منذر بن ساویٰ سے سے لیا، اس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو باتیں تحریر فرمائی تھیں، اس کی ابتدا اس طرح فرمائی تھی: بسم اللہ الرحمن الرحیم من محمد رسول اللہ إلی کسریٰ عظیم

فارس (۱)، بسم اللہ سے خط کو شروع کیا اور یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے رسول ہیں، کسری کی طرف جو فارس کا بڑا حاکم ہے، اس میں تھا: أَسْلِمْ تُسْلَمْ: اسلام لے آؤ تو سلامت رہو گے۔ جب یہ خط اس نے پڑھا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مخاطب بنانے کے لیے جو انداز اختیار فرمایا تھا، وہ اس کو ناگوار گذرا؛ کیوں کہ عرب کا ایک حصہ: یمن، بحرین وغیرہ کسریٰ ہی کے ماتحت تھا؛ اس لیے اس نے یہ کہا کہ ایک ایسے شخص نے جو میری حکومت کے اندر ہے، اس نے میری طرف خط بھیجا اور مجھے ادنیٰ خطاب کے ذریعہ مخاطب کیا اور اس نے غصے ہو کر اسلام تو کیا قبول کرتا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامۂ مبارک کو، خط مبارک کو چاک کر دیا، پھاڑ دیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس زمانے میں یمن بھی کسریٰ کے ماتحت تھا اور یمن کے حاکم باذان کو کسریٰ نے کہلوایا کہ تم ان آدمی کو یعنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجو، انھوں نے میرے ساتھ اس طرح گستاخی کا معاملہ کیا۔

## باذان کے فرستادوں پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت

چناں چہ باذان نے دو طاقت ور پہلوان آدمیوں کو خط دے کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا؛ تا کہ وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے لائیں۔ یہ دونوں جب مدینہ منورہ پہنچے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر نظر پڑی تو کانپ گئے، بہت زیادہ کانپ گئے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اطمینان دلایا تو ان کا یہ لرزہ ختم ہوا، پوچھا: کون

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب كتاب النبي صلى الله عليه وآله وسلم إلى كسرى وقيصر.

ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ ہم یمن کے حاکم باذان کی طرف سے آپ کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور خط بھی دیا ہے اور خط میں بھی یہی چیز تھی تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کا جواب تم کل لے لینا۔ ان کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، ان کا یہ حلیہ دیکھ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناگواری کا اظہار فرماتے ہوئے اپنا رخِ انور پھیر لیا اور یہ بھی فرمایا- حالاں کہ وہ مسلمان نہیں تھے- تم نے اپنی شکل ایسی کیوں بنائی ہے؟ تو جواب دیا کہ ہمارے رب نے یعنی کسریٰ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے تو مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں ڈاڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو کم کروں (۱)۔

## کسریٰ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی

خیر! دوسرے دن یہ دونوں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے آقا باذان کو جا کر کے کہو کہ تمہارے رب کو یعنی بادشاہ کو یعنی کسریٰ کو میرے رب نے آج رات قتل کر دیا اور یہ بھی کہنا کہ میری حکومت وہاں تک پہنچے گی، جہاں تک کسریٰ کی حکومت ہے۔ یہ دونوں یہ جواب لے کر اپنے آقا باذان کے پاس پہنچے اور واقعہ سنایا اور بتایا کہ انھوں نے کسریٰ کی موت کی خبر بھی سنائی ہے اور یہ کہ یہ تاریخ تھی اور غالباً بدھ کی شب تھی (۲)، پھر تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ ایسا ہی ہوا ہے۔

---

(۱) ولكن ربي أمرني باعفاء لحيتي وقص شاربي (البداية والنهاية ۴/ ۳۰۷)

(۲) قال الواقدي رحمه الله: وكان قتل كسرى على يدي ابنه شيرويه ليلة الثلاثاء لعشر ليال مضين من جمادى الآخرة من سنة سبع من الهجرة لست ساعات مضت منها (البداية والنهاية ۴/ ۳۰۸)

## باپ بیٹے کی ایک دوسرے کو قتل کرنے کی سازش

کِسریٰ جس کے نام خط بھیجا گیا تھا اور جس نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک خط کی توہین کی تھی، اس کو چاک کر دیا تھا، اس کا نام پرویز تھا، پرویز بن ہرمز بن نوشیران۔ نوشیروان جو کہ ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے، اس کا یہ پوتا ہوتا ہے، اس پرویز کو اسی کے بیٹے شیرویہ نے قتل کر دیا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ پرویز کے نکاح میں شیرین نامی عورت تھی، شیرویہ اس پر، اپنی باپ کی بیوی پر عاشق ہو گیا اور اس کو حاصل کرنے کے لیے اس نے اپنے باپ کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا اور اس کو حاصل کیا، باپ کو یقین ہو گیا کہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا تو اس یقین کی وجہ سے قبل اس کے کہ وہ اس کو ختم کرے، اس نے بیٹے کو ختم کرنے کی یہ تدبیر کی کہ اپنے خاص کمرے میں الماری کے اندر جہاں مختلف دوائیاں وغیرہ چیزیں رکھی ہوئی تھیں، وہاں ایک شیشی کے اندر زہرِ ہلاہل کو بند کر دیا اور اس پر چِٹ لگا دی ''الدواء النافع للجماع'' یعنی یہ ایک ایسا نسخہ ہے جو قوتِ باہ کے لیے بہت زیادہ مفید ہے؛ کیوں کہ اس کا بیٹا عورتوں کا بڑا رسیا تھا اور ایسے لوگ ایسی دواؤں کی تلاش ہی میں رہتے ہیں۔

## شیرویہ کے ہاتھوں اپنے باپ اور دیگر خاندان والوں کی تباہی

ادھر یہ کرنے کے بعد ایک رات کو: اسی رات کو جس میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قتل کی خبر دی تھی، وہ اپنے باپ کے پاس جہاں اس کو نظر بند کیا تھا، وہاں گیا اور اس کے اوپر چڑھ کر کے اس کا گلا کاٹ دیا اور قتل کر دیا اور ساتھ ہی ساتھ اس کے خاندان

کے لوگ بھی تھے، بھائی بھی تھے، بھائیوں کو اس نے یہ سوچ کر قتل کر دیا کہ کہیں کل وہ حکومت کے دعوے دار بن کر کے نہ کھڑے ہوں، گویا میرا مدِّ مقابل کوئی رہنا نہیں چاہیے، خاندان میں مردوں میں سے کسی کو باقی نہیں رکھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ کِسریٰ نے آپ کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ بد دعا نکلی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس کی حکومت کو بھی ایسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے جیسے اس نے میرے خط کے کیے تھے، چنانچہ بعد میں یہی ہوا۔

## وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنا حکمران کسی عورت کو بنائے

پھر یہ شیرویہ ایک دن اپنے باپ کے کمرے میں گیا اور الماری میں رکھی ہوئی چیزیں دیکھنے لگا، اس میں یہ شیشی بھی دیکھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا تو بہت خوش ہوا کہ میری مراد مل گئی، اس نے جب اس کا استعمال کیا تو اسی وقت اس کی موت واقع ہوگئی اور ایران کے لوگ کِسریٰ کے خاندان کے علاوہ کسی اور کو ان کی حکومت کے تخت پر بٹھانا نہیں چاہتے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ اس خاندان کا کوئی مرد تو باقی بچا نہیں ہے تو اسی کی ایک بیٹی تھی جس کا نام بوران تھا، اس کو انھوں نے تختِ حکومت پر بٹھایا اور جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَنْ يُفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً(۱) وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنا حکمران کسی عورت کو بنائے۔

تو بہر حال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ رضي الله عنه، باب كِتَابِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ.

وہ ہیبت عطا فرمائی تھی کہ بڑے بڑے بہادر بھی آپ کے سامنے آ کر لرزنے لگتے تھے، یہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے تھی، خصوصی اوصاف میں سے تھی۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری خصوصیت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے: وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے پوری زمین کو جائے نماز: نماز ادا کرنے کی جگہ اور طہارت کا ذریعہ بنادیا گیا یعنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے جتنے نبی آئے ان کے مذہبوں میں، ان کے دین میں حکم یہ ہوتا تھا کہ نماز ہر جگہ نہیں ہوتی تھی بلکہ جو مقام نماز کی ادائگی کے لیے بنایا جاتا تھا، اسی میں نماز ادا کی جاتی تھی، گھر پے یا مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ نماز ادا کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا، یہی حکم تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وسعت عطا فرمائی کہ آپ کی امت کے لیے پوری زمین جائے سجود بنادی گئی۔

## مسجد میں نماز ادا کرنے کا حکم تاکیدی ہے

ویسے تو تاکید یہی ہے کہ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے، اسی کی تاکید ہے، جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنے کا ثواب ''۲۵'' یا ''۲۷'' گنا بتلایا گیا ہے اور جماعت چھوڑنے والے کو فاسق قرار دیا گیا، اس کی گواہی معتبر نہیں سمجھی جاتی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے آدمی کے لیے بڑی وعیدیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ البتہ آدمی اگر سفر میں ہے اور وہاں مسجد نہیں ہے تو آدمی جہاں بھی نماز پڑھ لے گا: گھر میں، باہر تو اس کی نماز درست ہو جائے گی تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ایک

امتیاز اور خصوصیت عطا فرمائی کہ پوری زمین کو آپ کے اور آپ کی امت کے لیے نماز ادا کرنے کی جگہ قرار دیا۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت: مٹی کو پاکی کے حصول کا ذریعہ بنادیا

اور پاکی کا ذریعہ بھی بنادیا۔ ویسے تو ہم اپنی نجاستوں کو دور کرتے ہیں، چاہے وہ نجاستِ حقیقی ہو یا حکمی ہو تو اس کے لیے پانی کا استعمال کرتے ہیں، وضو کریں گے تو پانی سے کریں گے، غسل کریں گے تو پانی سے کریں گے، گویا پانی ہی وہ چیز ہے جو آدمی کو پاک کرتا ہے لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ آپ کے اور آپ کی امت کے حق میں مٹی کو بھی پاک کرنے والا قرار دیا گیا، چنانچہ اگر پانی نہ ہو یا پانی تو ہے لیکن بیماری کی وجہ سے کوئی آدمی اس کو استعمال نہیں کرسکتا تو شریعت نے مٹی سے تیمم کرنے کی اجازت دی کہ پانی نہیں ہے تو مٹی سے تیمم کرکے نماز پڑھو تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خصوصیت عطا فرمائی۔

## شریعت نے نماز چھوڑنے کے لیے کوئی بہانہ نہیں رہنے دیا

آگے فرماتے ہیں: فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: جہاں بھی نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لو، اب ظاہر میں نماز پڑھنے کے لیے ان دو چیزوں کی ضرورت ہے: نماز پڑھنے کی جگہ اور طہارت حاصل کرنا، اپنے جسم میں طہارت حاصل کرنے کے لیے پاک کرنے والی چیز یعنی پانی۔ اب اگر سمندر میں ہوگا تو وہاں تو پانی موجود ہے اور خشکی پر ہوگا تو وہاں مٹی تو موجود ہے، ان میں سے جو بھی

چیز ہو اس سے پاکی حاصل کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؛ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''جہاں بھی ہو'' یہ کہہ کر آدمی اپنے آپ کو چھٹی نہیں دے سکتا کہ پانی نہیں تو میں کیا کروں؟ پانی نہیں ہے تو تیمم کرو اور نماز پڑھ لو، یہی وہ خصوصیت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم ﷺ کو عطا فرمائی۔

## نبیِ کریم ﷺ کی ایک اور خصوصیت

اور تیسری خصوصیت: وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَلَمْ تَحِلَّ لأَحَدٍ قَبْلِي: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مالِ غنیمت کو میرے لیے اور میری امت کے لیے حلال قرار دیا گیا، آپ سے پہلے، حضور ﷺ سے پہلے کسی کو یہ اجازت نہیں تھی، دشمن کے ساتھ جنگ کے نتیجے میں جب ان کا مال ہاتھ میں آتا ہے، اس کو مالِ غنیمت کہا جاتا ہے۔ پہلے یہ حکم ہوتا تھا کہ لڑنے والے اس کو استعمال نہیں کر سکتے تھے بلکہ سارا مال پہاڑی پر رکھ دیا جاتا تھا اور آسمان سے ایک آگ آ کر اس کو کھا جاتی تھی، یہ علامت ہوتی تھی کہ اللہ کی طرف سے ہمارے جہاد کو قبول کر لیا گیا لیکن خود ان کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اور آپ کے صدقہ اور طفیل میں امت کو یہ خصوصیت عطا فرمائی کہ یہ مال ان کے لیے حلال قرار دیا گیا کہ اپنے استعمال میں لائیں۔

## میدانِ حشر میں لوگوں کی پریشانی

آگے ہے: وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ: آگے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاعت کا بھی حق عطا فرمایا یعنی شفاعتِ کبریٰ: بڑی شفاعت، ایسی جو کوئی

اور کر سکے گا نہیں، بخاری شریف کی روایت میں ہے اور بھی تمام کتبِ احادیث میں ہے کہ قیامت کے دن جب لوگوں کو میدانِ حشر میں جمع کیا جائے گا اور اس وقت سورج سوا نیزہ پر ہوگا اور گرمی اپنے عروج پر ہوگی، اتنی سخت گرمی کہ گرمی کی شدت کی وجہ سے ہر آدمی اپنے گناہوں کے بقدر پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا کوئی ٹخنے تک، کوئی گھٹنے تک، کوئی کمر تک، کوئی کان کی لو تک اپنے پسینے میں ڈوبا ہوا ہوگا اور لوگ وہاں کھڑے ہیں، ابھی حساب کتاب شروع نہیں ہوا ہوگا، لوگ پریشان ہوں گے اور کہیں گے کہ جو بھی ہونا ہو، ہو جائے لیکن حساب کتاب شروع ہو جائے، یہ انتظار کب تک؟ تو اب آپس میں لوگ بات چیت کریں گے کہ ہم کسی پاس جا کر درخواست کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حساب کتاب لینے کا سلسلہ شروع کر دیں؛ تاکہ یہ پریشانی تو ختم ہو جائے۔

## حضرت آدمؑ کی خدمت میں لوگوں کی درخواست اور سفارش کرنے سے آپ کی معذرت

لوگ پہلے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کے پاس پہونچیں گے اور عرض کریں گے کہ آپ تو ہمارے جدِّ امجد ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے آپ کو بنایا اور تمام فرشتوں کو آپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا، جنت میں بسایا گیا، اب ہم مصیبت میں ہیں، اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہو تو حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام معذرت فرمائیں گے کہ مجھے اللہ تبارک

وتعالیٰ نے درخت کے پاس نہ جانے کا حکم دیا تھا لیکن میں نے اس کو پورا نہیں کیا تھا، مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، مجھ میں اس کی ہمت نہیں ہے، آج اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے غضب ناک ہیں کہ ایسے غضب ناک نہ کبھی پہلے ہوئے، نہ بعد میں ہوں گے؛ اس لیے میں تو کچھ نہیں کرسکتا، تم حضرت نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

## دیگر انبیاءؑ کی خدمت میں درخواست اوران کی بھی سفارش کرنے سے معذرت

لوگ ان کے پاس جائیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے پھر وہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا حوالہ دیں گے، لوگ وہاں جائیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا حوالہ دیں گے، وہ بھی معذرت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا حوالہ دیں گے۔

## سرورِ ہر دوسرا اور شافعِ روزِ جزا

پھر اخیر میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دیں گے، یہ تو اس لیے کروائیں گے کہ لوگوں کو محشر میں معلوم ہوجائے کہ وہ شخصیت کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے حضور میں لوگوں کی اس مصیبت کو دور کرانے کے سلسلے میں سفارش کرسکے تو آخر میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہوکر کے سجدے میں گرجاؤں گا، دیر تک اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدے میں گرے گرے اللہ کی حمد وثنا ایسے کلمات کے ذریعے سے کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ کلمات

ابھی مجھے بھی یاد نہیں، اللہ تعالیٰ اس وقت وہ کلمات مجھے القا فرمائیں گے، یہاں تک کہ دیر تک سجدے میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ارْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَقُلْ يُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ (۱) اپنا سر اٹھایئے اور سفارش کیجیے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، کہیے، آپ کی کہی ہوئی بات کو سنا جائے گا۔

## شفاعتِ کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے

اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باری تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ لوگوں کا حساب کتاب شروع کیا جائے، چناں چہ حساب کتاب کا سلسلہ شروع ہوگا، یہی شفاعتِ کبری ہے، اسی کو مقامِ محمود کہتے ہیں، گویا یہی وہ منصب ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا ہے، کسی اور نبی کو نہیں، ویسے تو شفاعت کا حق ہر نبی کو، شہید کو، علماء کو بھی دیا جائے گا لیکن یہ بڑی شفاعت صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی جائے گی، کسی اور کو نہیں اسی کو فرمایا: وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ۔

## آپ ساری دنیا کے لیے نبی ہیں

اور آگے فرماتے ہیں: وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً: پہلے یہ ہوتا تھا کہ جو نبی بھیجا جاتا تھا، وہ خاص اپنی قوم ہی کے لیے رہنما بنا کر کے، ہدایت دینے والا بنا کر بھیجا جاتا تھا، حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم کے لیے، حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم کے لیے،

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب صِفَةِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ.

حضرت نوح علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ نے ۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا ہے، یہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جامع کلمات عطا فرمائے یعنی ایسی باتیں کہ جو ہیں تو مختصر لیکن اپنے اندر بہت بڑے مضامین کو لیے ہوئے ہے۔

## کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا اس کو حضراتِ محدثین اور شراحِ حدیث نے جوامع الکلم کے اندر شمار کرایا ہے۔ اس کی تشریح کرنے سے پہلے دو باتیں اور عرض کرنی ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی مخلوق اور اپنے بندوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت اور تعلق ہے؛ اس لیے جو لوگ اللہ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتے ہیں، ان کو راحت پہنچاتے ہیں، ان کی خدمت کرتے ہیں، ان کے کاموں میں ان کی مدد کرتے ہیں، وہ لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں بہت زیادہ محبوب ہوتے ہیں، پسندیدہ ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے محبت فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ: اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللهِ، فَأَحَبُّ الْخَلْقِ إِلَى اللهِ مَنْ أَحْسَنَ إِلَى عِيَالِهِ (۱) کہ پوری مخلوق اللہ کا پریوار ہے اور جو آدمی اللہ کے پریوار کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے گا، وہ اللہ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ بن جاتا ہے، گویا

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، قِيَامُ الْأَوْزَاعِيِّ مَعَ الْمَنْصُورِ وَعِظَتُهُ إِيَّاهُ.

آپ اللہ کی مخلوق کی جتنی زیادہ خدمت کریں گے، اتنا اللہ راضی ہوں گے، کوئی آدمی آپ کے بیٹوں کی خدمت کرے، راحت پہنچائے تو آپ کا دل اس سے محبت کرے گا کہ دیکھو! میرے بیٹے کے ساتھ یہ معاملہ کر رہا ہے تو اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بہت چاہتے ہیں، اس کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ، اپنے بندوں کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہے؛ اس لیے لوگ جتنا اس کے ساتھ بھلائی کریں گے، اتنا ہی وہ اللہ کی نگاہوں میں ہے محبوب بنیں گے۔

## عجب نہیں تیری رحمت کی حد نہ ہو کوئی

چناں چہ روایتوں میں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ قیدی آئے، ان قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی، اس کا ایک بچہ تھا لیکن وہ بچہ اس وقت اس سے بچھڑ گیا تھا، اس کے پاس نہیں تھا، وہ عورت اپنے بچے کی تلاش کے اندر بالکل حواس باختہ ہو رہی ہے، اِدھر جا رہی ہے، اُدھر جا رہی ہے، بچے کو ڈھونڈ رہی ہے، اچانک بچے پر نظر پڑی تو اس کو لے کر کے اپنی چھاتی سے لپٹا دیا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے پوچھا: بتلاؤ! یہ عورت اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ تو حضراتِ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہرگز نہیں ڈالے گی تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَللّٰہُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هٰذِهِ بِوَلَدِهَا(۱)

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، باب من ترك صبية غيره حتى تلعب به أو قبلها أو مازحها.

اللہ اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ مہربان ہیں اور اپنے بندوں پر رحم کرنے والے ہیں، جتنا یہ ماں اپنے بچے پر رحم کرتی ہے، ماں کو اپنے بیٹے کے ساتھ جتنی محبت، شفقت اور مہربانی ہے، اللہ تعالیٰ کو اس سے زیادہ اپنے بندوں کے ساتھ محبت ہے۔

## چرند و پرند کی اپنے بچوں کے ساتھ محبت کا ایک عجیب واقعہ

بلکہ ایک اور روایت ہے حضرت عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے، ایک آدمی چادر اوڑھے ہوئے آیا، اس کے ہاتھ میں کچھ تھا جس پر چادر کا ایک کونا رکھا ہوا تھا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں درختوں کے جھنڈ کے پاس سے گذر رہا تھا، مجھے اس کے اندر پرندے کے بچوں کے بولنے اور چہچہانے کی آواز آئی، میں اندر گیا تو ایک گھونسلے میں یہ چھوٹے چھوٹے بچے تھے، ان کو میں نے اپنے ہاتھ میں لیا اور باہر نکل آیا، ان پر چادر ڈال دی تھی، ان بچوں کی ماں آئی اور سر پر منڈلانے لگی، چکر کاٹنے لگی، میں نے اس چادر کا کونا ہٹا دیا تو وہ اپنے بچوں کے اوپر آ کر گر گئی، چمٹ گئی، حالاں کہ وہ جانتی ہے کہ یہ تو مجھے پکڑ لے گا یعنی گویا بچوں کی محبت میں اس نے بھی اپنے آپ کو گرفتار کرا دیا۔

## اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ماں سے بھی زیادہ شفیق ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو نیچے رکھو۔ نیچے رکھ دیا، بچے ابھی اڑنے کے قابل نہیں ہوئے تھے، ان کے پروں میں اور بازوؤں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ اڑ سکیں

لیکن ماں تو اڑ سکتی تھی لیکن بچوں کی محبت کی وجہ سے وہ بھی انہی کے ساتھ چمٹی ہوئی ہے، یہ منظر دیکھ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا: أَتَعْجَبُونَ لِرُحْمِ أُمِّ الأَفْرَاخِ فِرَاخَهَا قَالُوا نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - قَالَ فَوَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ لَلَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ أُمِّ الأَفْرَاخِ بِفِرَاخِهَا(۱): تم کو اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ جو محبت ہے، اس پر تعجب ہو رہا ہے! قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے دینِ حق لے کر بھیجا ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے زیادہ محبت اور شفقت ہے جتنی اس ماں کو اپنے بچوں کے ساتھ ہے۔

## بندوں پر اللہ تعالیٰ کی انتہائی شفقت کا ایک نمونہ

اور اسی لیے اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن انسان سے بہت سے سوالات کریں گے اور ساری چیزوں کے متعلق حساب کتاب لیں گے تو ایک سوال یہ بھی ہوگا، باری تعالیٰ انسان سے کہیں گے: اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا، تو نے میری خبر نہیں لی، عیادت نہیں کی۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بیمار ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کی خبر گیری کرتا تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ بیمار تھا، تم نے اس کی عیادت نہیں کی، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے وہاں پاتے (۲)۔

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ عَامِرٍ الرَّامِ أَخِي الْخُضْرِ رضي الله عنه، باب الأَمْرَاضِ الْمُكَفِّرَةِ لِلذُّنُوبِ.
(۲) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب فَضْلِ عِيَادَةِ الْمَرِيضِ.

دیکھو! بندے کی بیماری کو اللہ تعالیٰ نسبت کر رہے ہیں، کس کی طرف؟ اپنی طرف، میں بیمار تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ بیماری سے اور اس طرح کے حالات سے منزہ اور پاک ہے لیکن یہاں بندے کے ساتھ اللہ کا تعلق کتنا زیادہ ہے، اس کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ آگے پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بھوکے ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا! تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرے فلانے بندے نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو کھانا دیتے تو اس کو یہاں پاتے۔

اسی طرح باری تعالیٰ آگے پھر پوچھیں گے: اے انسان! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے پیاسے ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کو پانی دیتا! تو باری تعالیٰ جواب میں یہی ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ پیاسا تھا، تم نے اس کو پانی نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو پانی دیتے تو اس کو یہاں پاتے۔

دیکھو! یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں پر طاری ہونے والے ان حالات کو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں، گویا بندوں کے ساتھ اور مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا محبت کا اور شفقت کا اتنا زیادہ معاملہ ہے، باری تعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں، ہم جب کسی چیز کو بناتے ہیں نا تو ہمیں اپنی بنائی ہوئی چیز بہت اچھی لگتی ہے، چاہے دنیا کچھ کہے، تو اپنی بنائی ہوئی چیز کے ساتھ انسان کو بہت زیادہ تعلق اور محبت ہوتی ہے۔

## قوم کے لیے بددعا کرنے پر حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے تنبیہ

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق مولانا روم علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ وہ ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے لیکن چند آدمیوں ہی نے آپ کی دعوت قبول کی، آخر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے بددعا کی، ان پر پانی کا طوفان آیا، آسمان سے بھی برسایا اور زمین سے بھی اُبلا، اتنی کثیر مقدار میں اللہ تعالیٰ نے پانی چھوڑا کہ سب ہلاک ہو گئے، صرف حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر چند ایمان لانے والے- ان کے لیے کشتی بنائی گئی تھی- وہ محفوظ رہے۔ اس کے بعد ساری دنیا انسانوں سے خالی ہوگئی تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو مٹی کے برتن بنانے کا حکم دیا کہ مٹی کے برتن بناؤ، بناتے رہے، ایک مدت تک بناتے رہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا کہ اس کو توڑ دو تو حضرت نوح علیہ السلام کو یہ حکم گراں گذرا کہ میں نے اتنی محنت سے مٹی کے یہ برتن بنائے اور اب اسی کو توڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے! باری تعالیٰ نے فرمایا: تم نے بددعا نہیں کی تھی میرے بندوں کے لیے؟ کہ ان کو میں ہلاک کردوں، تمہارے کہنے پر سارے ہلاک کر دیئے گئے ایمان نہ لانے کی وجہ سے، گویا بتلایا جا رہا تھا کہ بھلے ان کو ان کے قصور کی وجہ سے ہلاک کیا گیا لیکن پھر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی شانِ رحمت ان کو عذاب دینا نہیں چاہتی تھی۔ بہت سی مرتبہ آدمی اپنی اولاد کو سزا دیتا ہے، مارتا ہے لیکن جی نہیں چاہتا مارنے کو لیکن مجبوری کی وجہ سے مارتا ہے لیکن اس کی اصلاح کے پیشِ نظر اسی میں خیر ہے؛ اس لیے سزا دیتا ہے۔

## رحمتِ خدا بہانہ می جوید

تو بہر حال! اللہ تبارک وتعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ بہت محبت ہے اور اللہ تعالیٰ کا جو بندہ اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بھی بہت پیار کرتے ہیں۔ ایک بہت بڑے عالم تھے جو مختلف شکلوں میں دین کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، وعظ وتبلیغ کے ذریعہ، درس وتدریس کے ذریعہ، تصنیف وتالیف کے ذریعہ، بہت ساری شکلیں اختیار کی تھیں اور ان کی بڑی خدمات تھیں، کارنامے تھے، انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ تو اس کے جواب میں انھوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کردی لیکن ایک عجیب بات پیش آئی! انھوں نے پوچھا: کیا بات پیش آئی! جواب دیا: ایک مرتبہ میں کتاب تصنیف کر رہا تھا، کتاب لکھ رہا تھا تو اس زمانے میں دوات ہوتی تھی جس میں روشنائی ہوتی تھی اور قلم اس میں ڈبو کر لکھتے تھے تو کہا کہ لکھنے کے دوران روشنائی ختم ہوگئی اور قلم دوات کے اندر ڈبویا اور نکال کر لکھنے کے لیے کاغذ پر رکھنا چاہتا تھا تو ایک مکھی آگئی اور وہ نب پر بیٹھ گئی اور روشنائی جو اس نب پر لگی ہوئی تھی، پینے لگی، میں نے سوچا کہ یہ مکھی روشنائی سے اپنی پیاس بجھالے، وہاں تک میں لکھنے کے کام کو روک دوں؛ کیوں کہ لکھنے جاؤں تو اس کو اڑنا پڑے گا تو میں نے لکھنے کے کام کو موقوف کردیا اور وہ خود اپنی پیاس بجھا کر اڑی تو میں نے لکھنا شروع کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے ہماری ایک مخلوق کی پیاس بجھانے کے لیے یہ کام کیا تھا، اسی

پر میں نے تمہاری مغفرت کردی۔ یہ اللہ کے بندوں کے ساتھ، اس کی مخلوق کے ساتھ بھلائی کا نتیجہ ہے، اس کا بہت بڑا اجر ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی شانِ رحیمی کا عجیب وغریب واقعہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے اندر ایک واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں کسی شخص کا انتقال ہوگیا، انتقال کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا کہ اس پر عذاب ہو رہا ہے، خواب میں دیکھنے والے نے اس کو کہا کہ تم تو عذاب میں گرفتار ہو، تم نے پیچھے کوئی چھوڑا نہیں ہے جو تمہارے لیے دعاءِ مغفرت کرتا ہو، ایصالِ ثواب کرتا ہو، جواب دیا کہ میری ایک بیٹی ہے، خواب دیکھنے والے نے کہا کہ اپنی بیٹی کا پتہ ہمیں دے دو، ہم جا کر اس سے کہتے ہیں کہ تمہارا باپ تو عذاب میں گرفتار ہے، تم اس کے لیے کچھ کرو، دعا کرو، کرواؤ، ایصالِ ثواب کرو، چنانچہ خواب ہی میں اس آدمی نے اپنی بیٹی کا پتہ دیا کہ فلاں محلے میں فلاں مکان کے اندر رہتی ہے۔

وہ گیا اس کے گھر، تلاش کرتا ہوا، ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا، مکان کے متعلق پتہ کرایا کہ یہی مکان ہے، لوگوں سے پوچھا کہ اس میں کون رہتا ہے؟ جواب ملا کہ ایک آدمی تھا، اس کا تو انتقال ہوگیا ہے، اس کی ایک لڑکی ہے لیکن وہ آوارہ ہوگئی ہے۔ پوچھا وہ اس وقت کہاں ہے؟ کہا کہ وہ اپنے ایک مرد دوست کے ساتھ نہانے کے لیے جمنا گئی ہے، بوائی فرینڈ (boyfriend) کے ساتھ، آج کل تو یہ فیشن عام ہے، اب ان کو تو مرحوم کا پیغام پہنچانا تھا، وہاں جمنا پر پہنچا، دیکھا کہ وہ ندی میں، دریا میں دونوں کھڑے

ہیں اور چلّو سے یہ اس پر پانی ڈال رہا ہے اور وہ اس پر ڈال رہی ہے، اس نے وہیں کنارے پر کھڑے لڑکی کو اس کے باپ کا پیغام پہنچایا کہ تیرا باپ تو عذاب میں گرفتار ہے اور چاہتا ہے کہ تو نیکی کا کوئی کام کر کے اس کا ثواب اس کو پہنچائے تو اس لڑکی نے مذاق کے انداز میں ایک چلو پانی بھر کے اس کی طرف ڈالا کہ لو یہ میرے باپ کے لیے ہے، یہ بے چارہ شرمندہ ہو گیا، وہاں سے واپس آ گیا۔

## اس کے لطف وکرم کے کیا کہیے

رات کو خواب میں پھر دوبارہ اس آدمی کو دیکھا، دیکھا کہ اس کا عذاب اٹھالیا گیا ہے، اس نے کہا کہ بھائی! میں تو تیرے بتلائے ہوئے پتے کے مطابق وہاں پہنچا لیکن تیری لڑکی تو اب آوارہ ہو گئی ہے، وہ اپنے کسی مرد دوست کے ساتھ جمنا ندی پر نہانے گئی تھی، میں وہاں گیا تو وہ پانی سے کھیل رہے تھے اور تیرا پیغام اس کو پہنچایا تو اس نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا، میں تو شرمندہ ہو کر وہاں سے واپس آ گیا۔ اس نے کہا کہ اس کے اس ایک چلو پانی نے جو اس نے تمہاری طرف کنارے پر پھینکا تھا، اسی نے تو میری مغفرت کرائی، وہی میری مغفرت کا ذریعہ بن گیا۔ بات یہ ہوئی کہ جمنا کے کنارے پر ایک جانور تین دن سے پیاسا پڑا ہوا تھا جو آگے بڑھ کر اپنی پیاس بجھا سکتا نہیں تھا، وہ جو ایک چلو پانی اس نے تمہاری طرف ڈالا، اس کا ایک قطرہ اس جانور کے منہ میں پڑا، اسی پر اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرما دی، اللہ تعالیٰ کے یہاں مغفرت کے لیے صرف بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔

## دنیا کی معمولی تکلیف دور کرنے پر آخرت کی بڑی تکلیف دور کرنے کی بشارت

تو بہرحال! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد میں نے آپ کے سامنے نقل کیا، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اللہ کے بندوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی تاکید فرمارہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ: کہ جو کوئی ایمان والے کی دنیا کی کوئی معمولی تکلیف دور کرے گا۔ جو عربی زبان جاننے والے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ عربی میں تنوین جو آتی ہے، وہ مختلف مقاصد ومعانی کے لیے آتی ہے، کبھی تنوین آتی ہے تحقیر کے لیے اور کبھی تنوین کسی چیز کی تعظیم بیان کرنے کے لیے آتی ہے، بڑا بتانے کے لیے آتی ہے تو یہ پہلے كُرْبَةً کے اندر جو تنوین ہے، وہ تحقیر کے لیے ہے کہ بندۂ مؤمن کی دنیا کی کسی معمولی تکلیف کو دور کر دیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی بڑی تکلیف کو دور فرمائیں گے۔

## قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا

قیامت کی تکلیفوں کا حال تو یہ ہے کہ وہاں کوئی کسی کو کام نہیں آسکے گا، قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ: اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور سب کو دیکھ کر بھاگے گا اور کوئی کسی کی مدد نہیں کرے گا، وہاں ہر ایک اجنبی معلوم ہوں گے تو ایسے موقع پر وہ نیکی جو یہاں دنیا میں کی تھی، اس کے لیے نجات کا ذریعہ

بنے گی، اللہ تعالیٰ وہاں کی تکلیفوں کو دور کر دے، اس سے بڑی بات اور کیا ہو گی!

## پر ہے وہی بھلا جو کسی کا بھلا کرے

اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنے بھائیوں کی تکلیف دور کرنے کی طرف خاص توجہ کریں۔ آج کل اغراض پرستی اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ بہر حال آدمی اپنا فائدہ، اپنا مفاد مدِّ نظر رکھتا ہے، دوسروں کو راحت پہنچانے کی طرف توجہ دیتا نہیں ہے، حالاں کہ ضرورت یہ ہے کہ آدمی اس میں لگا رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: خیر الناس من ینفع الناس (۱) لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا ہو، تمہاری ذات سے جتنا زیادہ پہنچ سکتا ہے اس کو پہنچانے میں ذرّہ برابر بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے، پتہ نہیں کون سی نیکی قیامت کے دن ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بن جائے۔

## رحمتِ خدا ''بہا'' نمی جوید

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، فرماتی ہیں کہ کسی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر مت چھوڑو، بہت سی مرتبہ آدمی کسی نیکی کے کام کو معمولی سمجھتا ہے اور معمولی سمجھ کر اس کو دھیان میں نہیں لاتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کسی نیکی کو چھوٹا سمجھ کر مت چھوڑو، پتہ نہیں وہی نیکی آپ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں نجات کا ذریعہ بن جائے، ابھی واقعہ گذرا کہ ایک مکھی کی پیاس بجھائی گئی، اس پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا فیصلہ فرمایا۔

---

(۱) کنز العمال، عن خالد بن الولید رضی اللہ عنہ، خطب النبي صلی اللہ علیہ وسلم ومواعظہ، رقم الحدیث: ۴۴۱۵۴.

## پیاسے کتے کو پانی پلانے پر مغفرت

بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ ایک آدمی جا رہا تھا، جنگل کے اندر سے گذر رہا تھا، پیاس لگی، وہاں ایک کنواں تھا، جنگل کا کنواں جہاں ڈول اور رسی بھی نہیں ہوتی تو وہ پیاس بجھانے کے لیے اندر اترا، کنویں کے اندر خانے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ان خانوں کے ذریعہ اترا، اپنی پیاس بجھائی اور باہر آیا، باہر آیا تو دیکھا کہ ایک کتا پیاس کی وجہ سے بے چین ہے، تڑپ رہا ہے، اس نے سوچا کہ پیاس کی جو تکلیف میں نے اٹھائی، وہی یہ کتا بھی محسوس کر رہا ہے، اب پانی نکالنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے، نہ ڈول رسی ہے، نہ کوئی اور چیز، خود اس نے اندر اتر کر پانی پیا تھا تو اس نے سوچا کہ اس کی پیاس بجھاؤں، اس کے پاس چمڑے کے موزے تھے، وہ اتارے، کنویں میں اترا اور اس موزے کے اندر پانی بھر کر کے اپنے دانتوں میں دبایا؛ اس لیے کہ ہاتھ اور پاؤں تو چڑھنے کے لیے استعمال کرنا ہے، ہاتھ سے پکڑ نہیں سکتا تھا، دانتوں میں موزہ دبا کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔

## یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی

بخاری شریف کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات پر اس کی مغفرت فرمادی اور یہ عمل اس کے لیے دخولِ جنت کا سبب بنا، یہ سن کر حضراتِ صحابہ نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں بھی ہمیں ثواب ملے گا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ: ہر ترجگر والے کے ساتھ بھلائی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے[۱]۔

کتے جیسے جانور کی پیاس بجھانے پر - جس کو لوگ اتنا حقیر سمجھتے ہیں کہ قریب بھی نہیں آنے دیتے - اللہ کے یہاں جنت کا فیصلہ ہو رہا ہے تو انسانوں کی پیاس بجھانے پر اللہ تعالیٰ کیا کچھ اجر عطا فرمائیں گے، ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

## تنگ دستوں کے لیے آسانی پیدا کرنا

اور دوسری بات آگے ارشاد فرماتے ہیں: وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ: جو شخص کسی تنگ دست آدمی کے لیے آسانی کر دے۔ تنگ دست آدمی وہ ہے جس کے پاس مال نہیں ہے، اس کی آسانی کی شکلیں بہت ساری ہیں: ایک تو یہ کہ وہ قرض لے گیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ فلاں دن ادا کر دوں گا، ایک مہینے کے بعد میرے پاس رقم آنے والی ہے، اس وقت ادا کر دوں گا، اب اتفاق کی بات کہ مذکورہ تاریخ کو اس کی رقم نہیں آئی، اس کی امید پوری نہیں ہوئی اور آپ قرضہ ادا کرنے کے لیے اس کے پاس پیسہ نہیں ہے، اب آپ اس کے پاس سے ''پٹھانی اُگھرانی'' (بذریعۂ طاقت وصولی) کرتے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَإِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلٰى مَيْسَرَةٍ: اگر تمہارا مدیون جس پر تمہارا دین اور قرضہ ہے، اگر وہ تنگ دست ہو اور تنگ دستی کی وجہ سے وہ آپ کا قرضہ ادا کرنے سے

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب الآبَارِ عَلَى الطُّرُقِ إِذَا لَمْ يُتَأَذَّ بِهَا۔

قاصر ہے تو اس کے اوپر سختی مت کرو بلکہ جب اس کے پاس مال آ جائے، اس وقت تک کے لیے اس کو مہلت دے دو کہ بھائی! اچھا، نہیں ہے تو بعد میں ادا کر دینا اور اگر معاف کر دو تو بہت اچھا ہے: ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ:۲۸۰]۔

## ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

تو بہر حال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ تنگ دست کے اوپر آسانی کی ایک صورت ہے۔ بہت سی مرتبہ وہ کہتا تو نہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ تنگ دست ہے تو ایسی صورت میں ہم ہی جا کر اس کی مدد کر دیں، اس کے لیے آسانی پیدا کریں، پریشان ہے تو اس کی پریشانی دور کرنے کی کوشش کریں، بیمار ہے تو بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیماری انتہائی نازک حالت میں پہنچ چکی ہے اور علاج کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں تو ہم اس کے لیے آسانی کر دیں، علاج کے لیے پیسوں کا انتظام کر دیں، یہ بھی آسانی کرنا ہوا، اس پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ بہت بڑا اجر دیتے ہیں۔

## حاجت مند کی حاجت پوری کرنے پر حج کا ثواب

کسی تنگ دست کی پریشانی کو دور کرنا: ایک آدمی حج ہو چکنے کے بعد ایک آدمی کو تلاش کرتا ہوا آیا اور آ کر کے اس سے یوں کہا کہ بھائی! تو نے حج کس طرح کیا؟ تو جواب دیا کہ میں نے تو حج ہی نہیں کیا۔ تو اس نے کہا کہ میں حج میں تھا اور میں خواب میں دیکھا کہ منیٰ یا عرفات کے اندر سے کہا جا رہا ہے کہ فلاں آدمی کی وجہ سے سب کا حج اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا اور اس نے تمہارا نام لیا، مجھے تعجب ہوا کہ کیا بات

ہے، ایسا کیوں ہوا! تو اس نے کہا کہ میں نے حج کرنے کے لیے پیسے جمع کیے تھے اور میں حج کرنے والا ہی تھا، ایک روز ایسا ہوا کہ میرے گھر میں بیوی یا بیٹی تھی، اس کا جی چاہا گوشت کھانے کو تو اس وقت میرے پاس گوشت تھا نہیں، پڑوس میں گوشت پکنے کی خوشبو آ رہی تھی تو میں وہاں گیا، دروازہ کھٹکھٹایا، اس نے دروازہ کھولا تو میں نے کہا کہ آپ کے یہاں گوشت پک رہا ہے، تھوڑا سا دے دو، ہماری بیوی یا بیٹی کا گوشت کھانے کو جی چاہ رہا ہے تو اس نے کہا کہ میں معذور ہوں، میرے پاس گوشت نہیں ہے، میں نے کہا کہ خوشبو تو آ رہی ہے تو اس نے جواب دیا کہ تم اس کو نہیں کھا سکتے ہو۔ میں نے کہا کہ کیسے! تم بھی مسلمان ہو، میں بھی مسلمان ہوں، تم جس گوشت کو کھا سکتے ہو میں کیوں نہیں کھا سکتا! جب میں نے بہت ہی زیادہ اصرار کیا تو اس نے بتلایا کہ کئی روز سے ہمارے گھر میں فاقہ تھا اور اب ہماری حالت اضطراری ہو گئی تھی کہ اگر اب کھانا نہ ملے تو موت واقع ہو سکتی تھی تو مجبوری میں کتا لا کر ذبح کیا تھا اور اسی کا یہ گوشت پک رہا ہے جو میں اور میرے گھر والے تو کھا سکتے ہیں لیکن آپ نہیں کھا سکتے۔

## دل بدست آور کہ حجِّ اکبر است

جب میں نے یہ سنا تو میرے دل نے میری ملامت کی کہ تیرا پڑوسی تو بھوکے مر رہا ہے اور تو حج میں جانے کی بات کر رہا ہے تو سارا مال جو میں نے حج کے لیے جمع کیا تھا، وہ اس کو لا کر دے دیا کہ تو یہ مال اپنی ضرورتوں میں صرف کر۔ اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ صرف اس کو حج کا ثواب عطا فرمایا بلکہ سارے حاجیوں کا حج اس کی وجہ سے قبول فرمایا، یہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کا نتیجہ ہے۔

## مسلمِ خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو

ضرورت ہے کہ ہم مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان تعلیمات کو اپنائیں۔ آج ہم نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو اپنائیں، اس پر عمل کرنا شروع کریں تو اس ملک میں ہمارے لیے بہت بڑا امیدان ہے، مسلمان بہت سے مسلمانوں کو اور ملک کے دوسرے لوگوں کو بہت کچھ دے سکتا ہے، سائنس میں ترقی کے لیے، عصری تعلیم کے لیے درس گاہوں کا قیام، ڈاکٹر، انجنیئر، سب بن رہے ہیں۔

## ملک کی بدحالی کو دور کرنے میں ہم بہت بڑا کردار ادا کر سکتے ہیں

حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی مسلمان اس ملک کو بہت کچھ دے سکتا ہے آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنی جگہ اعلیٰ تعلیم دی جا رہی ہے لیکن بہت سے بڑے بڑے لوگ ہیں جن میں امانت و دیانت نہیں ہے، وزیر ہے ملک کا اور وہ قوم کا پیسہ کھا رہا ہے، رشوت لے رہا ہے، غبن کر رہا ہے، بہت بڑا افسر ہے، بہت اونچے عہدے پر ہے، بہت ساری ڈگریاں لیے ہوئے ہے لیکن یہ ساری ڈگریاں اس کو غبن کرنے سے اور ملک کے ساتھ غداری کرنے سے روک نہیں رہی ہیں، ہر جگہ یہی ہے۔ آج آپ اخبارات پڑھیں گے تو اخبارات کے سارے صفحات انہی چیزوں سے بھرے ہوئے ملیں گے۔

## انسان کا شکار خود انسان ہے آج کل

ڈاکٹر ہے، مشہور ڈاکٹر لیکن اگر کوئی بیمار آ جائے تو اس وقت خدمت کے لیے

تیار نہیں، بیمار آ گیا تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس سے پیسے بٹورے، آج کوئی آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ میں کیسے علاج کراؤں! علاج اتنا مہنگا ہو گیا ہے۔ بڑے بڑے تعلیم یافتہ جنھوں نے دنیوی اعلی تعلیم حاصل کر رکھی ہے لیکن ان میں امانت نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔

## تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آج کا مسلمان یہی ڈگریاں حاصل کر کے اور انہی خدمات میں لگ کر، اسلامی تعلیمات کو اپنا کر، امانت و دیانت کے ساتھ اگر زندگی گذارے گا تو وہ اس ملک والوں کو سبق دے سکتا ہے کہ ہم وہ دولت دے رہے ہیں جو کسی اور کے پاس نہیں ہے۔ آج اس کی ضرورت ہے۔

## جہاں ہے تیرے لیے، تو نہیں جہاں کے لیے

تو بہر حال! آج تو مسلمانوں نے بھی وہی کرنا شروع کر دیا، جو مسلمان ڈاکٹر ہیں، وہ بھی کرتا ہے، بدسلوکی، گالیاں، رشوت خوری، اور وہی سب کچھ جو غیر کرتے ہیں، حالاں کہ ہمیں تو اللہ تعالیٰ اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے کہ دنیا اصل مقصود نہیں، ہمارا مقصود تو آخرت کی فلاح ہے، وہاں کی چیزوں کے حصول کے لیے محنت کرنا ہے۔ تو بہر حال! جو شخص کسی تنگ دست پر آسانی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا اور آخرت میں آسانی کرتے ہیں۔

## دوسروں کی عیوب پوشی درحقیقت اپنی عیوب پوشی ہے

وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ: جو کسی کے مسلمان کے عیب

کو چھپائے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیب کو چھپائیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ لوگوں کے عیوب کو تلاش کرنا اور ٹوہ میں لگے رہنا کہ اس کا کوئی فالٹ (fault) ہو تو میں معلوم کرلوں، اس کی تو شریعت اجازت ہی نہیں دیتی، قرآن میں آیا ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ [الحجرات:۱۲] بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اے وہ لوگو! جو اپنی زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں لیکن ان کا دل ایمان نہیں لایا، تم مسلمانوں کے عیوب کو تلاش کرنے کے پیچھے نہ رہو، جو کسی مسلمان کا عیب تلاش کر کے اس کو لوگوں کے سامنے لاتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ، وہ اپنے گھر کے اندر جو کام کرے گا، اس کو بھی ظاہر کر کے رکھ دیں گے(۱)؛ اس لیے کسی کے عیب کی تلاش میں رہنا بڑا خطرناک ہے۔

لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم تو تلاش کرنے نہیں گئے لیکن ہمارے سامنے غیر اختیاری، غیر ارادی طور پر کسی کی کوئی چیز آ گئی تو اس کے متعلق شریعت ہمیں کہتی ہے کہ اس کو چھپاؤ، دوسروں کے سامنے ظاہر مت کرو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مسلمان کی عیب پوشی کرے گا اور عیب کو چھپائے گا دنیا میں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو چھپائیں گے۔

## برادر ہے جب تک برادر کا یاور

وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ: اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد کرتے ہیں، جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے یعنی گویا آپ اللہ کی مدد حاصل

(۱) سنن ابی داود، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ رضی اللہ عنہ، باب فِي الْغِيبَةِ.

کرنا چاہتے ہیں تو اس کا آسان راستہ بتادیا، ہر آدمی کسی نہ کسی پریشانی میں مبتلا ہے، ہر ایک اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے محنت کررہا ہے، کوشش کررہا ہے لیکن وہ کامیاب نہیں ہورہا ہے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم کو ایک ایسا نسخہ بتادیا جو ہماری پریشانیوں کا بہترین علاج ہے، وہ یہ ہے کہ ہم جس مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی اس پریشانی کو دور کرنے کی کوئی تدبیر نہیں ہے، جو کچھ کررہے ہیں وہ ناکام ہورہی ہے لیکن ہمارے آس پاس جو ہمارے بھائی ہیں، یہ بھائی، فلاں بھائی پریشان ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ہم اس کی پریشانی کو یقینی طور پر دور کرسکتے ہیں، اپنی تکلیف تو دور کرنے کی کوشش کے باوجود دور نہیں کرپارہا ہوں، لیکن میرا یہ بھائی جس مصیبت کے اندر گرفتار ہے، جس پریشانی کے اندر مبتلا ہے، اللہ نے مجھے مال دیا ہے یا صلاحیت دی ہے یا عہدہ دیا ہے یا اثر ورسوخ دیا ہے اور میں اپنے اس مال کو، اس عہدے کو، اس اثر ورسوخ کو استعمال کرکے اپنے بھائی کی مدد کرسکتا ہوں، تکلیف کو دور کرسکتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ آپ اگر اپنے بھائی کی مدد میں رہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیں ہماری پریشانیوں کا عجیب وغریب علاج بتلادیا کہ آپ تو اپنی پریشانی دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے، آپ کے پاس وہ قوت نہیں ہے لیکن آپ کے دوسرے بھائی جو پریشان ہیں، ان کی پریشانی دور کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا، گویا یہ ایک ایسا قاعدۂ کلیہ اور ایسا نسخہ ہے کہ ہم اور آپ سب اس کو آسانی کے ساتھ استعمال کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرماوے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل

# (۱)

بمقام: ،موٹاوراچھا،سورت

بوقت: ۱۸/۱/ ۲۰۱۳

# اقتباس

مسجد کی بڑی اہمیت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا: جب جنت کی کیاریوں پر سے تم گذرو تو اس میں چرلیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ: اے اللہ کے رسول! جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ تو جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کہ مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: اس میں چرنے کا مطلب کیا ہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہاں مسجد میں جا کر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھا کرو۔ ان میں سے ایک ایک جملہ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، ایک سُبْحَانَ اللّٰهِ بولیں گے، جنت میں آپ کے لیے درخت لگ جائے گا، یہ جنت کا درخت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له ونشهد أن سيدنا و مولا نا محمداعبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجامنيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ [التوبة:۱۸]

وقال النبی ﷺ: مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ۔ (۱)

وقال النبی ﷺ: إِنَّ بُيُوتَ اللَّهِ فِي الأَرْضِ مَسَاجِدُهَا (۲)

وقال النبی ﷺ: أَحَبُّ الْبِلاَدِ إِلَى اللَّهِ مَسَاجِدُهَا وَأَبْغَضُ الْبِلاَدِ إِلَى اللَّهِ أَسْوَاقُهَا (۳)

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ، بَابُ وَمَنْ بَنَى لِلّٰهِ مَسْجِدًا۔

(۲) المعجم الكبير للطبرانی، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بن مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ۔

(۳) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ الْجُلُوسِ فِي مُصَلاَّهُ بَعْدَ الصُّبْحِ۔

وقال النبی ﷺ:المساجد سوق من اسواق الآخرة،من دخلها کان ضیفاً لله،قراه المغفرة وتحفته الکرامة(۱).

وقال النبی ﷺ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ -عد منها- وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُودَ إِلَيْهِ(۲).

وقال النبی ﷺ: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا،قيل:وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ، قَالَ: الْمَسَاجِدُ،قيل:وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟قَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ(۳).أو کماقال علیه الصلوٰة والسلام

## مسجد کے اللہ کا گھر ہونے کا مطلب

میرے قابلِ احترام بھائیو! آج ہم سب کے لیے بڑا خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر ازسرِ نو بہترین انداز میں تعمیر کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔ مسجد کی اہمیت ایک ایسی واضح اور کھلی ہوئی چیز ہے کہ کسی کو سمجھانے کی ضرورت نہیں، ہر آدمی جانتا ہے کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، نبی کریم ﷺ کا بھی ارشاد ہے:إِنَّ بُيُوتَ اللّٰهِ فِي الْأَرْضِ مَسَاجِدُهَا: روئے زمین پر اللہ کے گھر مسجدیں ہیں، اللہ کے گھر کا مطلب ایسا نہیں جیسے ہم اور آپ اپنے گھروں میں فروکش ہوتے ہیں قیام پذیر ہوتے ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ اس میں فروکش ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان تو بہت اونچی ہے، اللہ

(۱)تفسیر السمعانی ۲/۲۹۵،سورۃ التوبۃ،آیت:وجعلتم سقایۃ الحاج الآیۃ.

(۲)شعب الإیمان،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ،بابٌ فی الِاخْتِيَارُ فِي صَدَقَةِ التَّطَوُّعِ.

(۳)سنن الترمذی،عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رضی الله عنه.

تعالیٰ نے مسجد کو جو اپنے گھر سے تعبیر فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ان مساجد کے اوپر نازل ہوتی ہے، اس کے پیشِ نظر یہ فرمایا، جیسے آئینہ ہوتا ہے، اس کو سورج کے سامنے کر دیا جائے تو سورج کا عکس آئینے کے اندر آتا ہے تو آئینہ خود بھی روشن ہوتا ہے اور جن چیزوں کی طرف اس کا رخ کیا جائے، وہ بھی روشن ہو جاتی ہیں، اب ظاہر ہے کہ سورج ہماری زمین سے کروڑ ہا کروڑ گنا بڑا ہے، اتنے بڑے سورج کا عکس ایک چھوٹے سے آئینے میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی تجلیات خاص طور پر ان مقامات پر نازل ہوتی ہیں؛ اس لیے ان کو اللہ کے گھر سے تعبیر کیا۔

## اللہ کے نزدیک روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب خطہ مسجد ہے

حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین ختم ہو جائے گی لیکن جن جگہوں پر مسجدیں ہیں، ان ساری جگہوں کو اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچائیں گے، واقعہ یہ ہے کہ ان مسجدوں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں اور خصوصی تجلیات نازل ہوتی ہیں، روئے زمین پر اگر بہترین خطہ کوئی ہے تو وہ مسجد ہے۔ ایک بڑے یہودی عالم نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ: أَيُّ البِلَادِ خَيْرٌ: روئے زمین پر کون سا خطہ، کون سا حصہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں، جبرئیل آئیں گے تو ان سے پوچھ کر بتلاؤں گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی سوال ان سے کیا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر میں بتلاتا ہوں۔

چناں چہ حضرت جبرئیل علیہ السلام گئے اور آ کر کہنے لگے کہ آج میں اللہ تعالیٰ سے اتنا قریب ہوا، اتنا قریب ہوا کہ پہلے کبھی اتنا قریب نہیں ہوا تھا، میں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ: روئے زمین پر کون سا خطہ، کون سا حصہ آپ کے یہاں سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے؟ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب دیا: أَحَبُّ الْبِلاَدِ إِلَى اللّٰہِ مَسَاجِدُھَا وَأَبْغَضُ الْبِلاَدِ إِلَى اللّٰہِ أَسْوَاقُھَا: روئے زمین پر سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ اور محبوب خطہ اللہ کے نزدیک مسجدیں ہیں اور روئے زمین پر سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ جگہ اللہ کے نزدیک بازار ہے[۱]۔

## قیامت کے دن اللہ کے سایے میں جگہ پانے والا خوش نصیب

اب دیکھو! ہمارا دل سب سے زیادہ کہاں لگتا ہے؟ آدمی کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ جو مساجد اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں، وہاں جی نہیں لگتا اور جو سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ جگہ ہے، وہاں جی لگتا ہے، جن پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں اور رحمتیں ہوتی ہیں، ان کا دل مسجد ہی کے اندر لگتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایے میں جگہ عطا کریں گے، جب کہ اللہ کے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان سات لوگوں میں ایک ہے: رَجُلٌ قَلْبُہُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْہُ حَتَّى یَعُودَ إِلَیْہِ: وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے، نماز پڑھ کر جب مسجد سے باہر ضرورت کی وجہ سے جاتا ہے،

---

(۱) مشکوۃ شریف، عن أبي أمامة رضي اللہ عنہ باب المساجد ومواضع الصلاۃ، الفصل الثاني.

باہر کاروبار ہے، اپنی گذر بسر کے لیے دوکان پر جاتا ہے، اس پر بیٹھتا ہے، کھیتی باڑی کی مشغولی ہے؛ اس لیے جاتا ہے لیکن وہاں جانے کے باوجود اس کا دل مسجد ہی میں اٹکا ہوا ہے، یہاں تک کہ جب دوبارہ نماز کا وقت آتا ہے تو مسجد میں آتا ہے، تب اس کو سکون ملتا ہے، یہ وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے سایے میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

## مساجد اور ان سے ہماری بے اعتنائی

ہمارا معاملہ بالکل الٹا ہو گیا، جب دنیوی مشاغل چھوڑ کر ہم مسجد میں آتے ہیں تو ہمارا دل وہیں پر اٹکا ہوا ہوتا ہے، یہاں تو جلدی جلدی نماز پڑھی، سلام پھیرا، دعا بھی جیسی مانگنی چاہیے، ویسی مانگے بغیر باہر دوڑے چلے گئے پھر دوبارہ دوکان پر جا کر بیٹھے اور دنیوی مشاغل میں مصروف گئے۔ معاملہ الٹ گیا، حالاں کہ چاہیے یہ تھا کہ مسجد میں دل لگتا اور دوکان پر اچاٹ رہتا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مساجد کو آخرت کا بازار اور مارکیٹ فرمایا، جیسے دنیا کے بازار ہوتے ہیں، لوگ وہاں جا کر دنیا کی تجارت کرتے ہیں، اگر کوئی آخرت کی تجارت کرنا چاہے تو گویا مساجد اس کا شاپنگ سینٹر ہیں۔

## بلا کشانِ محبت بکوئے یار روند

حضرت مفتی شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ کا ایک رسالہ ہے: ''آداب المساجد'' اس میں حضرت نے مساجد کے آداب اور فضیلتوں کے بارے میں کچھ احادیث اور تفصیلات ذکر کی ہیں، اس میں ایک شعر بڑا عمدہ ذکر کیا ہے:

| بوقتِ صبح خورشید جب منہ دکھاتا ہے | | کوئی حرم کو، کوئی میکدے کو جاتا ہے |
|---|---|---|
| اپنے دل سے پوچھتا ہوں: تو کدھر کو جاتا ہے | | |
| بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ پڑھ سناتا ہے: | | |
| صبح دم کہ مردم بکاروبار روند | | بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند |

پہلے دو شعر تو اردو کے ہیں، وہ تو آپ کی سمجھ میں آ گئے ہوں گے، آخری شعر فارسی کا ہے: صبح دم کہ مردم بکاروبار روند: صبح کے وقت جب لوگ اپنے کام کاج کے لیے جاتے ہیں، بلاکشانِ محبت بکوئے یار روند: جو عاشق لوگ ہوتے ہیں، وہ اپنے معشوق کی گلی میں جاتے ہیں، گویا میں اللہ کا عاشق ہوں؛ اس لیے لوگ جب صبح اٹھ کر اپنے کاروبار کو جاتے ہیں تو میں تو مسجد کو جاتا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی اٹھ کر جب فجر کی نماز کے لیے آتا ہے، وہ اللہ کا جھنڈا اٹھا کر آتا ہے۔

## مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں

بہر حال! مسجد کی بڑی اہمیت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں: إِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوا: جب جنت کی کیاریوں پر سے تم گذرو تو اس میں چر لیا کرو۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا: وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ: اے اللہ کے رسول! جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ تو جواب میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مسجدیں جنت کی کیاریاں ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا: اس میں چرنے کا مطلب کیا ہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہاں مسجد میں جا کر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا

اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھا کرو۔ان میں سے ایک ایک جملہ اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی قیمت ادا نہیں کرسکتی، ایک سُبْحَانَ اللّٰهِ بولیں گے، جنت میں آپ کے لیے درخت لگ جائے گا، یہ جنت کا درخت ہے۔

## سُبْحَانَ اللّٰهِ وغیرہ ذکر کے جملے جنت کے درخت ہیں

آپ کے آس پاس یہاں زمینیں ہیں، ان میں باغات ہیں، آم کے ہیں اور دوسرے پھلوں کے باغات ہیں، آپ جانتے ہیں کہ کوئی آدمی سو، دوسو آم کے درخت کا باغ لگانا چاہے تو کتنا بڑا سرمایہ خرچ کرنا پڑے گا، زمین خریدے گا، اس کے لیے پودے لائے گا، زمین کو تیار کرے گا، اس میں پودے لگائے گا، کھاد، پانی سے اس کی نگہداشت کرے گا تو کتنے سالوں اور کتنی محنتوں کے بعد یہ باغ تیار ہوگا اور جنت کا باغ! سُبْحَانَ اللّٰهِ بولا اور وہاں درخت لگ گیا تو سُبْحَانَ اللّٰهِ پورا ایک درخت ہے اور جنت کا تو ایک خوشہ ہی اتنا قیمتی ہے کہ ساری دنیا کے لیے کافی ہو جائے گا۔

## جنت کی نعمتیں لازوال ہیں

ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں سورج گرہن ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی، نماز کے دوران نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عادت کے خلاف کچھ قدم آگے بڑھے اور اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، گویا کوئی چیز آپ لینا چاہتے ہیں، اسی نماز کے دوران کچھ قدم پیچھے ہٹے، گویا اپنے آپ کو کسی چیز سے بچانا چاہتے ہوں، نماز کے بعد خطبہ دیا، اس کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آج

آپ نے نماز کے دوران کچھ ایسی حرکات کیں جو پہلے کبھی نہیں کی تھیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج میں نے نماز کے اندر جنت اور جہنم کا نظارہ کیا، اللہ نے مجھے دکھلایا (۱)۔ جب جنت دکھائی گئی تو میں جنت کا ایک خوشہ توڑنے کے لیے آگے بڑھا، اگر میں اس خوشے کو توڑ کر لاتا تو تم سب اس خوشے سے قیامت تک کھاتے رہتے تو بھی ختم نہ ہوتا۔

## ایک منٹ میں ہم جنت کے سو درخت حاصل کر سکتے ہیں

جنت کی نعمتیں ختم نہ ہونے والی، دیرپا ہوتی ہیں، اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس خوشہ سے ایک دانہ توڑا تو خود بخود، آٹومیٹیک (automatic) وہاں دوسرا دانہ آجائے گا، ساری دنیا قیامت تک کھاتی رہے تو بھی وہ خوشہ ختم نہیں ہوتا، جب جنت کے ایک خوشے کا یہ حال ہے تو درخت کا کیا حال ہوگا! اور یہ درخت ہم کو کتنی آسانی سے مل جاتا ہے! آپ ذرا گھڑی لے کر بیٹھیں اور دیکھیں کہ سُبْحَانَ اللّٰہِ بولنے میں کتنی دیر لگتی ہے، ایک منٹ کے اندر آپ آہستہ آہستہ سُبْحَانَ اللّٰہِ، سُبْحَانَ اللّٰہِ پڑھیں گے تو ساٹھ مرتبہ پڑھ لیں گے اور ذرا جلدی پڑھیں گے تو سو سے اوپر ہو جائے گا تو ایک منٹ کے اندر ہم جنت کے سو درخت حاصل کر سکتے ہیں، یہ سو درخت اگر ہمیں دنیا میں لینے ہوں تو اس میں کتنا وقت اور روپیہ خرچ پڑتا ہے اور کس قدر محنت کرنی پڑتی ہے جیسا کہ میں نے بتلایا، پھر بھی ہم جنت میں کتنے درخت حاصل کرتے ہیں؟۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُمَا، باب طول السجود في الکسوف.

## آخرت کی زندگی بہتر اور دیر پا ہے

ہم لوگوں کے دل و دماغ میں دنیا کی اہمیت اور قدر و قیمت ہے، ہمارے خیالات اور تصورات میں دنیا ایسی چھائی ہوئی ہے کہ آخرت کا کوئی دھیان اور فکر ہی نہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا، وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى﴾ [الأعلى:۱۶، ۱۷]: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں انسانوں کی فطرت بتلائی ہے کہ تم دنیوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حالاں کہ آخرت کی زندگی اس کے مقابلے میں بہتر بھی ہے اور زیادہ باقی رہنے والی بھی ہے لیکن اگر مجھے اور آپ کو کہا جائے کہ آپ جتنی مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ بولیں گے، اتنے روپے ملیں گے تو سب تسبیح لے کر بیٹھ جائیں گے اور گھر بھی فون کر دیں گے کہ ہمارا انتظار مت کرنا، ہم تو اب روپیوں کی گڈیاں لے کر آنے والے ہیں تو ہمارے لیے سب کچھ یہی ہے۔

## کعبۃ اللہ روئے زمین پر بننے والا پہلا گھر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو آخرت کی دولت حاصل کرنے کے ایسے سہل اور آسان راستے بتلائے جس کا کوئی شمار اور اندازہ نہیں ہے، میں تو مسجد کی اہمیت اور فضیلت کے سلسلے میں جو ارشادات ہیں، وہ بیان کر رہا تھا۔ قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [آل عمران:۹۶] سب سے پہلا گھر جو دنیا میں لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہ کعبۃ اللہ ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے، برکت والا بھی ہے اور لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بھی ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی، اس کے بعد اس پر کوئی گھر تعمیر کیا جاتا تو وہ ٹکتا نہیں تھا، یہ ہلتی اور وہ گر جاتا، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیجا اور انھوں نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ کی بنیاد رکھی۔ تو سب سے پہلا گھر روئے زمین پر کعبۃ اللہ کی صورت میں تیار ہوا اور طوفانِ نوح کے وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو آسمان پر اٹھالیا تھا اور آسمان پر یہ فرشتوں کا قبلہ بنا، روزانہ ستر ہزار فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں (۱)۔ تو روئے زمین پر سب سے پہلی عمارت یہی کعبۃ اللہ گھر کی شکل میں پائی گئی اور اسی کے بعد زمین نے انسانوں کو گھر بنانے کا موقع دیا۔

## مؤمن کی سب سے پہلی فکر مسجد کی تعمیر ہونی چاہیے

ایک مؤمن بھی جب کسی جگہ جائے تو اس کی نگاہ میں مسجد کی اتنی اہمیت ہونی چاہیے کہ سب سے پہلے اسی کو تعمیر کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ کا مکان تو وہاں تھا نہیں اور ہر انصاری صحابی کی خواہش یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے یہاں قیام فرمائیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کی درخواست منظور نہیں کی اور آگے بڑھتے گئے، اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا کہ آپ کی اونٹنی کو ہماری طرف سے حکم دے دیا گیا ہے، وہ جہاں جا کر رکے گی، وہیں آپ کا قیام ہوگا۔ چلتے چلتے صحابہ کبھی اونٹنی کی نکیل پکڑ لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے

---

(۱) (وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ) قال علي و ابن عباس و غيرهما: هو بيت في السماء حيال الكعبة يدخله كل يوم سبعون ألف ملك ثم يخرجون منه فلا يعودون إليه (تفسير القرطبي ۱۷/ ۶۰)

کہ اس کو چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، اس کو حکم ملا ہوا۔ چناں چہ اِس وقت جہاں مسجدِ نبوی کا منبر ہے، وہاں وہ جا کر بیٹھ گئی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اٹھایا، دو چار قدم چلی اور دوبارہ اسی جگہ آ کر بیٹھ گئی، اس کے بالکل سامنے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، وہ آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان اٹھایا اور آپ کو اپنے گھر لے گئے۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مکان سے پہلے مسجد بنانے کی فکر فرمائی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا مکان تو تھا نہیں، ان کے مکان میں چھ مہینے سے کچھ زیادہ آپ کا قیام وہاں رہا، اس درمیان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس زمین کو جہاں مسجدِ نبوی ہے، وہ دو یتیموں کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے والیوں سے گفتگو کر کے اس کو خریدنا چاہا، انھوں نے پیش کش کی کہ ہم اس کی قیمت ادا کر کے آپ کی خدمت میں مفت ہی پیش کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا اور قیمتاً لی اور یہ قیمت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جیبِ خاص سے ادا فرمائی یعنی مسجد پہلے بنی اور اس کی قیمت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ادا کی اور مسجد تعمیر ہو جانے کے بعد اس کے برابر میں ازواجِ مطہرات کے کمرے تعمیر فرمائے، وہ جب تیار ہوئے، تب آپ اس میں فروکش ہوئے، گویا اپنا مکان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعد میں بنایا اور اللہ کا مکان پہلے بنایا، اپنے اس عمل سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت تک آنے والے مؤمنین کو یہ سبق دیا کہ ایک مؤمن جہاں بھی جائے گا، اس کو چاہیے کہ پہلے اللہ کا گھر بنائے پھر اپنا گھر بنانے کی فکر کرے۔

## مسجد کے بغیر مؤمن کی زندگی گذر ہی نہیں سکتی

مسجد کی تعمیر بڑی اہمیت کی حامل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جگہ تھوڑی دیر کے لیے بھی قیام فرماتے، سفر میں بھی آپ جہاں ٹھہرتے تھے، وہاں آپ ایک جگہ نماز کے لیے مخصوص فرما لیتے تھے، اس کو مسجد سے تعبیر کیا جاتا تھا، جہاں کہیں بھی آنا جانا ہوتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول تھا، گویا مسجد کے بغیر تو مؤمن کی زندگی گذر ہی نہیں سکتی۔ تو بہر حال! مسجد کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز کا حکم دیا ہے۔

## تو برائے بندگی ہے یاد رکھ

اب دیکھیے! اللہ نے ہم کو نماز کا حکم دیا، ہم اللہ کی ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اللہ نے ہمیں بنایا، ساری کائنات اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بنائی کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے بنایا۔

## اللہ تبارک تعالیٰ ہماری عبادت کے ہرگز محتاج نہیں ہیں

کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ - نعوذ باللہ - اللہ تبارک تعالیٰ ہماری عبادت کے محتاج ہیں، ہرگز نہیں مسلم شریف میں ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے- حدیثِ قدسی ہے۔- حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک تعالیٰ کا ارشاد نقل کریں- تو باری تعالیٰ نے فرمایا- بہت لمبی روایت ہے- اس کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ

ذَٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، سب کے سب ایسے بن جائیں، جیسے دنیا میں سب سے زیادہ نیک آدمی ہے، اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے، پوری انسانیت میں اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گویا سب لوگ ایسے فرماں بردار بن جائیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھارے سب کے سب اس طرح فرماں بردار بن جانے سے میرے ملک میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں، میری بڑائی میں کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

## ہماری فرماں برداری اور نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں ہے

آگے فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَٰلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، تم میں جو سب سے زیادہ بدکار، سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، اس کی طرح بن جائیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان کون ہے؟ شیطان! یعنی تم سب کے سب شیطان کی طرح بن جاؤ، کوئی اللہ کا حکم ماننے والا نہ رہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری شان میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی [1]۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کے محتاج نہیں ہیں۔

---

(۱) مسلم شریف، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ.

# سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| من نگردم پاک از تسبیحِ شاں | پاک ہمی ایشاں شوندودرفشاں |

ان بندوں کے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا بلکہ وہ خوداس کی وجہ سے پاک ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مطلب کیا ہے؟ سبحان اللہ کا مطلب ہے:''میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں'' یا''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے'' جو بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو سبحان اللہ کہہ کراللہ کی پاکی اورتنزیہ بیان کرتا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھاری سبحان اللہ کہنے سے تھوڑا میں پاک ہوتا ہوں بلکہ ہماری گندی زبانیں سبحان اللہ کہنے سے پاک ہوتی ہیں، ہماری گندگیاں دور ہوتی ہیں بلکہ ہماری زبانیں تواس لائق بھی نہیں تھیں کہ اللہ کا نام لیتیں، فارسی کاایک شاعر کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب | ہنوز نامِ توگفتن کمالِ بےادبی است |

کہ میں اپنا منہ مشک وگلاب سے ہزار مرتبہ دھولوں پھربھی اے اللہ! تیرا نام لینا کمال بےادبی کی بات ہے۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اپنا نام لینے کی اجازت نہیں بلکہ حکم دیا۔

# اللہ تعالیٰ کاہمیں اپنا نام لینے کاحکم دینا بھی اس کا احسان ہے

آج دنیا کاایک معمولی حکمراں،''سورت'' کے کلیکٹر سے ملنا چاہیں تو کیا جب آپ کا جی چاہے گا، منہ اٹھا کر چل دیں گے؟ ملاقات ہوسکے گی؟نہیں، بلکہ آپ کو پہلے

باقاعدہ اپائنٹمنٹ لینا پڑے گا، یہ تو ضلع کا کلیکٹر ہے اور اگر کسی وزیر سے ملنا چاہیں، وزیرِ اعلیٰ سے ملاقات کرنا چاہیں یا ملک کے وزیرِ اعظم یا صدر سے ملنا چاہیں تو پتہ نہیں کہ موقع ملتا ہے یا نہیں، حالاں کہ وہ ہماری ہی طرح کا انسان ہے، اس کی ملاقات آسانی سے نہیں ہوسکتی، بڑی کوششوں اور سفارشوں کے بعد بس چند منٹوں کے لیے اس کا موقع دیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی شان تو بہت بڑی ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ پوری زندگی ہمیں اللہ کے دربار میں حاضری کا موقع نصیب نہ ہوتا بلکہ ایک مرتبہ بھی اس کا نام بولنے کی اجازت ملتی کہ بولو: اللہ، تو یہ بھی ہمارے لیے سعادت کی بات تھی لیکن اللہ کا کرم ہے، احسان ہے کہ اجازت نہیں بلکہ حکم دیا کہ دن رات میں پانچ مرتبہ میرے دربار میں آؤ۔

## اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ بے انتہا محبت ہے

اب اللہ کی شان تو بڑی عالی اور بے نیاز ہے، جہاں اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہیں، بے نیاز ہیں، وہیں اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ محبت بھی بہت ہے، خاص کر کے انسان کے ساتھ۔ انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اتنی محبت ہے، اتنی محبت ہے کہ ہم اور آپ تو اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

## بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک مثال

حدیث میں آتا ہے کہ کل قیامت کے دن باری تعالیٰ انسان سے کہیں گے: اے ابنِ آدم! میں بیمار رہا، تو نے میری خبر نہیں لی، عیادت نہیں کی۔ انسان جواب میں

عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، آپ کی شان تو بہت بلند ہیں، بھلا آپ کیسے بیمار ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کی خبر گیری کرتا تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ بیمار تھا، تم نے اس کی عیادت نہیں کی، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کی خبر لیتے تو مجھے وہاں پر پاتے۔

## بندوں پر طاری ہونے والے حالات اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں منسوب کیے؟

دیکھو! بندے کی بیماری کی اللہ تعالیٰ نسبت کر رہے ہیں، کس کی طرف؟ اپنی طرف، میں بیمار تھا، حالاں کہ اللہ تعالیٰ بیماری سے اور اس طرح کے حالات سے منزہ اور پاک ہے لیکن یہاں بندے کے ساتھ اللہ کا تعلق کتنا زیادہ ہے، اس کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ آگے پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے بھوکے ہو سکتے ہیں! اور میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا! تو باری تعالیٰ جواب میں ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ بھوکا تھا، اس نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو کھانا دیتے تو اس کو یہاں پاتے۔

اسی طرح باری تعالیٰ آگے پھر پوچھیں گے: اے انسان! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تو نے مجھے پانی نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: باری تعالی! آپ تو رب العالمین ہیں، بھلا آپ کیسے پیاسے ہو سکتے تھے! اور میں کیسے آپ کو پانی دیتا! تو باری

تعالیٰ جواب میں یہی ارشاد فرمائیں گے: تمھیں معلوم نہیں، میرا فلانا بندہ پیاسا تھا، تم نے اس کو پانی نہیں دیا، تمھیں معلوم نہیں، اگر تم اس کو پانی دیتے تو اس کو یہاں پاتے [۱]۔

دیکھو! یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں پر طاری ہونے والے ان حالات کی اپنی طرف نسبت کرتے ہیں، یہ نسبت کیوں کی؟ بندوں کے ساتھ اور مخلوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو محبت کا اور شفقت کا جو تعلق ہے، اللہ تعالیٰ اس تعلق کو بتلانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ خاص کر کے انسان کے ساتھ اتنی محبت ہے، اتنی محبت ہے کہ ہم اور آپ تو اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

## جانتے ہیں اہلِ دنیا جیسی پڑھتے ہیں نماز

اسی تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم نماز پڑھو اور دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کا حکم دیا اور یہ نہیں کہ گھر میں پڑھو بلکہ خاص طور پر، مستقل ایک مکان بنانے کا حکم دیا جس کو ہم اور آپ مسجد کہتے ہیں۔ مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم دیا کہ ہر ایک آدمی جانتا ہے کہ ہماری اور آپ کی عبادت کی حیثیت کیا ہے، جب نیت باندھ کر نماز کے لیے اللہ اکبر کہتے ہیں تو کھڑے تو مسجد میں ہوتے ہیں لیکن ہمارا دل ودماغ پتہ نہیں کہاں کہاں کی سیر کر رہا ہوتا ہے۔ اب ایسی نماز پڑھتے ہیں تو پتہ نہیں کہ یہ نمازیں قبول ہوتی بھی ہیں یا نہیں؟ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سب کو مل جل کر نماز پڑھنے کا حکم دیا کہ اتنا بڑا مجمع جب اللہ کے سامنے نماز کے لیے کھڑا ہوگا تو ہوسکتا ہے کہ اس مجمع میں اللہ

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ عِیَادَةِ الْمَرِیضِ.

کا ایسا کوئی بندہ موجود ہو جس کی نمازیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہوجائیں اور ان کے صدقے میں سب کی نمازیں قبول ہوجائیں۔

## مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا عظیم فائدہ

بیوپاری بہت سی اچھی چیزوں میں ملی ہوئی خراب چیزوں کو دیکھتا نہیں ہے، جیسے آپ گیہوں کی پوری بوری بیچ رہے ہیں تو اس بوری میں بہت سارے کنکر بھی ہوں گے لیکن وہ کنکر بھی گیہوں کے بھاؤ میں چلے جاتے ہیں۔ سوسو کے نوٹوں کی پوری گڈی ہے، اس میں دو پانچ نوٹ پھٹے پرانے ہیں تو وہ بھی اچھے نوٹوں کے ساتھ چل جائیں گے اور ایک نوٹ لے کر جائیں گے تو بڑے غور سے دیکھے گا اور اور خوب جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس کو لے گا۔ اسی طرح یہاں جب سب مل کر نماز ادا کرتے ہیں تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہماری ٹوٹی پھوٹی نماز دوسروں کی نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول کرلی جاتی ہے، اور بھی بہت سارے فوائد ہیں؛ اسی وجہ سے نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

## ہماری بے دینی کی انتہا

حدیث میں آتا ہے کہ تنہا نماز پڑھنے والے کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے کو ۲۵ رگنا زیادہ ثواب ملتا ہے اور ایک روایت میں ۲۷ رگنا ثواب آیا ہے۔ آپ ایک چیز یہاں مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بیچیں تو اس کی قیمت ایک روپیہ ہے اور یہاں سے ذرا دور روڈ کے پاس جا کر بیچیں تو اس کی قیمت ۲۵ ر یا

۲۷/روپیہ آتی ہے تو یہاں سو آدمی مانگیں گے تو بھی آپ نہیں دیں گے، وہاں جا کر بیچیں گے؛ کیوں کہ ''۲۵'' گنا قیمت چاہیے، دنیا کے معاملات میں ہم اس طرح فائدے اور نقصان کو مدِّ نظر رکھتے ہیں اور آخرت کے معاملے میں اس کی کوئی پرواہی نہیں! ہمارے اکابر کے یہاں نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے کا بڑا اہتمام تھا۔ آج کل تو ہمارا مزاج ایسا بگڑ گیا ہے کہ اللہ رحم کرے اور بگڑتا ہی جارہا ہے، گھر کے دروازے کے سامنے مسجد ہے، اس کے باوجود جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

## صحابۂ کرامؓ میں باجماعت نماز کا اہتمام

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بڑے سے بڑا منافق بھی جماعت چھوڑنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، سب آتے تھے، بیمار لوگ بھی دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں آتے تھے (۱)۔ اس لیے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی شریعت کی نگاہوں میں بڑی اہمیت ہے اور اس کا بہت بڑا ثواب ہے۔

## اے ابنِ سماعہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا؟

محمد بن سماعہ رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے فقیہ، بزرگ گذرے ہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں، ہمیشہ جماعت کے ساتھ نماز کی پابندی کرتے تھے، روزانہ ''۲۰۰'' رکعات نفل پڑھنے کا معمول تھا، بڑی عمر پائی۔ ایک مرتبہ کسی وجہ سے

(۱) صحيح مسلم، باب صَلاَةُ الْجَمَاعَةِ مِنْ سُنَنِ الْهُدَى.

ان کی جماعت فوت ہوگئی تو بڑا افسوس ہوا اور چوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا ثواب "۲۷" گنا ہے تو انھوں نے اس نماز کو "۲۷" مرتبہ ادا کیا، حالاں کہ فقیہ تھے، جانتے تھے کہ ایک مرتبہ پڑھنے سے فرض ادا ہو گیا، ذمہ داری پوری ہوگئی لیکن یہ خیال تھا کہ جماعت کے ساتھ پڑھتا تو "۲۷" نمازوں کا ثواب ملتا؛ اس لیے انھوں نے یہ نماز "۲۷" مرتبہ پڑھی؛ تاکہ "۲۷" گنا ثواب ملے، یہ ہمارے اسلاف کا شوق تھا۔ اب ایسے اللہ کے بندے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ انہی کے مناسبِ حال رہتا ہے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے: کیف لك بتأمین الملائکة یاابن سماعة!: اے ابنِ سماعہ! فرشتوں کی آمین کا کیا ہوگا[(۱)]!۔

## با جماعت نماز کا دوسرا عظیم فائدہ

یہ کیا ہے؟ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اور امام قرأت کرتا ہے تو امام جب سورۂ فاتحہ پڑھے گا تو وَلَا الضَّالِّیْنَ پڑھے گا تو اس وقت آمین کہنا چاہیے، إِذَا قَالَ الإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ فَقُولُوا آمِينَ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: جب امام کہے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلاَ الضَّالِّينَ تو تم آمین کہو، فَإِنَّ الْمَلاَئِكَةَ تَقُولُ: آمِينَ، وَإِنَّ الإِمَامَ يَقُولُ: آمِينَ فَمَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلاَئِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ۔ اس لیے کہ اس وقت فرشتے بھی آمین

---

(۱) تهذیب التهذیب ۹/۱۸۲.

کہتے ہیں اور جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق پڑ گئی، یعنی جس وقت انھوں نے آمین کہی، اسی وقت اس نے بھی آمین کہی اور وہ آمین کب کہتے ہیں؟ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّينَ پر آمین کہتے ہیں تو ہم بھی اس وقت آمین کہیں گے اور ہماری آمین ان کے آمین کے موافق پڑے گی تو ہمارے اگلے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے[۱]۔

وہ خواب میں کہنے والا کہہ رہا ہے کہ آپ نے ''۲۷'' مرتبہ نماز تو پڑھ لی لیکن جماعت کے ساتھ پڑھتے تو فرشتوں کے ساتھ آمین کہنے کی جو فضیلت تھی، وہ حاصل ہوتی، وہ فضیلت تو تمھارے ہاتھ سے گئی۔ جماعت کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے، اس کا خاص طور پر اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، مسجد میں نماز پڑھنے کا اہتمام کریں۔

## جو لوگ مسجد کے اندر رہتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں

یہ مسجد اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، ضرورت ہے کہ اس کی قدر ہو اور اس کو آباد کرنے کا اہتمام کیا جائے، جو لوگ مسجد کے اندر رہتے ہیں، وہ اللہ کی حفاظت میں رہتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کی غیر حاضری میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے گھر والوں کی، ان کی چیزوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔

یہ مسجد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی، یہ بڑی سعادت کی بات ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ یہ مسجد آپ حضرات کو مبارک کرے۔ یہ سلسلہ تو تھا ہی لیکن یہ نئی شکل وصورت بھی قابلِ مبارک ہے، ہمارے اسلاف کے یہاں مسجد کی تجدید کا بھی بڑا

---

(۱) سنن النسائی، عن أبي هريرة رضي الله عنه، جهر الإمام بآمين.

اہتمام رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ حضرات کو اس مسجد کی تجدید کی توفیق عطا فرمائی، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول فرمائے، اللہ کے جن بندوں نے مختلف حیثیتوں سے اس میں حصہ لیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس مسجد کے جو حقوق ہیں، ان کو ادا کرنے کی سب کو توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل

# (۲)

بمقام: اکلیرا

بوقت: ۲۲/۲/۲۰۰۹

# اقتباس

ہماری نمازوں کا جو حال ہے، وہ سب جانتے ہیں، نیت باندھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ بٹن کھول دیا ہو، نماز سے باہر جو خیالات نہیں آتے تھے، وہ سب یہاں شروع ہو گئے، ہمارے دل دنیا بھر کے خیالات کی آماج گاہ بن جاتے ہیں، ویسے نماز میں سب کچھ پڑھ رہے ہیں، ثنا بھی، تعوذ اور تسمیہ بھی، سورۂ فاتحہ بھی، سب کچھ ہو رہا ہے، چار رکعت میں جو کچھ پڑھنا ہے، سب پڑھے گا لیکن میں کہا کرتا ہوں کہ جب وہ سلام پھیرے تو فوراً جا کر اس سے پوچھو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کون سی سورت پڑھی تھی تو وہ منہ ہی تکتا رہ جائے گا۔ ابھی آپ بیٹھے ہیں نا تو اپنی ذات سے پوچھ لو کہ ابھی امام صاحب نے پہلی رکعت میں کیا پڑھا تھا؟ نماز میں غفلت کا یہ ہمارا حال ہے۔ ہم نے بچپن میں جس طرح نماز پڑھنا سیکھا تھا، بس اسی طرح چل رہی ہے، اس کی درستگی کی طرف کبھی ہمارا دھیان جاتا نہیں ہے، یہ بھی سیکھنے کی چیز ہے، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنا، ونعوذ بالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنا، ونعوذبالله من شرور انفسناو من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا ونذيرا، وداعيا إلى اللّٰه بإذنه وسراجا منيرا، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلى آله وأصحابه وبارک وسلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمۡ يَخۡشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓئِكَ اَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُهۡتَدِيۡنَ﴾ [التوبة:۱۸]

وقال تعالى: ﴿اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴾ [آل عمران:۹٦]

وقال النبی ﷺ: مَنۡ بَنَى لِلَّهِ مَسۡجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثۡلَهُ فِي الۡجَنَّةِ(۱).

وقال النبی ﷺ: إِنَّ بُيُوتَ اللَّهِ فِي الأَرۡضِ مَسَاجِدُهَا(۲)

وقال النبی ﷺ: المساجد سوق من اسواق الآخرة، من دخلها كان

**(۱) سنن ابن ماجة، عَنۡ عُثۡمَانَ بۡنِ عَفَّانَ رضي الله عنه، بَابُ وَمَنۡ بَنَى لِلّٰہِ مَسۡجِدًا.**

**(۲) المعجم الكبير للطبرانی، عَنۡ عَبۡدِ اللّٰہِ بن مَسۡعُودٍ رضي الله عنه.**

ضیفًا لله، قراہ المغفرۃ وتحفتہ الکرامۃ[۱]. أو کما قال علیہ الصلوۃ والسلام.

حضراتِ مشائخِ عظام، علماءِ کرام اور معزز مہمانانِ کرام! آج ہم اس مسجد کی افتتاحی تقریب میں حاضر ہوئے ہیں اور یہ پوری بستی کے لیے بڑی سعادت کا موقع ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لیے اپنے حسین وجمیل گھر کی تعمیر آسان فرمائی۔

## افتتاحِ مسجد کے موقع پر اظہارِ مسرت اسلاف کی سنت رہی ہے

مسجد کے افتتاح کے موقع پر خوشی کا اظہار یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو جب گرفتار کرنے کے لیے یزید نے لشکر بھیجا تھا اور مکہ مکرمہ میں جبلِ ابی قبیس پر منجنیق لگا کر کعبۃ اللہ کی طرف کچھ گولے بھی برسائے گئے تھے، کعبۃ اللہ میں آگ لگ جانے کی وجہ سے اس کا غلاف بھی جل گیا تھا اور اس کی وجہ سے کچھ دیواریں بھی نقصان پذیر ہوگئی تھیں، بعد میں یزید کی موت کی وجہ سے وہ لشکر تو واپس چلا گیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو حجاز، عراق اور دوسرے علاقوں پر اقتدار عطا فرمایا تو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیت اللہ کی ازسرِ نو تعمیر فرمائی اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو خواہش اور تمنا تھی، اس کے مطابق اس کو بنایا، انھوں نے اپنی خالہ: اُمُّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن رکھا تھا کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے موقع دیں گے تو میں بیت اللہ کو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی بنیادوں اور ان کے انداز پر دوبارہ تعمیر کروں گا اور نبیِ

---

(۱) تفسیر السمعانی ۲/ ۲۹۵، سورۃ التوبۃ، آیت: وجعلتم سقایۃ الحاج الآیۃ.

کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کعبۃ اللہ کی جو تعمیر کی تھی، اس میں دو دروازے تھے اور دونوں بالکل زمین سے لگے ہوئے تھے کہ آدمی آسانی سے ایک دروازے سے داخل ہو اور دوسرے دروازے سے نکل جائے اور اس کا طول بھی کچھ زیادہ تھا۔

## کعبۃ اللہ کی تعمیر میں کفارِ قریش کا حلال کمائی کا اہتمام

بعد میں سیلاب کی وجہ سے کعبۃ اللہ کی عمارت متاثر ہوئی تھی تو قریش نے اس کو از سرِ نو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو قریش نے اس سلسلے میں ایک مجلسِ مشاورت بلائی اور اس میں یہ طے کیا کہ ہم کعبۃ اللہ کی تعمیر کے لیے صرف حلال سرمایہ استعمال کریں گے؛ چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے یہاں حلال وحرام کی کچھ زیادہ تمیز نہیں تھی، لوٹ مار کا سلسلہ بھی تھا لیکن چوں کہ اللہ کا گھر تعمیر کرنا ہے؛ اس لیے انھوں نے اپنی خالص حلال کی کمائی لگانے کی تجویز رکھی۔ یہ تجویز پاس ہوگئی اور لوگوں میں یہ اعلان ہو گیا کہ جس شخص کے پاس حلال طریقے سے کمایا ہوا سرمایہ ہو، وہ بیت اللہ کی تعمیر میں پیش کرے، چناں چہ جمع کیا گیا۔

## مسجد خالص حلال رقم سے ہونے کی حقیقت کفار بھی سمجھتے تھے

اس موقع پر میں ایک بات عرض کیا کرتا ہوں کہ زمانۂ جاہلیت میں وہ قریش جو بت پرستی میں مبتلا تھے اور اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور تھے، وہ بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ اللہ تبارک تعالیٰ کے گھر کی تعمیر خالص حلال رقم سے کی جانی چاہیے۔ آج

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، ایک مسلمان اس سلسلے میں بہت بڑی کوتاہی میں مبتلا ہے، میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔

## بناءِ ابراہیمی میں کفار کی تبدیلی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش

بہر حال! انھوں نے جو سرمایہ جمع کیا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نے کعبۃ اللہ کی جتنی تعمیر کی تھی، اس قدر تعمیر کے لیے وہ سرمایہ کافی نہیں ہوا تو ان لوگوں نے ان بنیادوں میں سے کچھ حصہ کم کر دیا اور دیوار بنا دی، گویا بیت اللہ کی تعمیر میں کمی کرنا تو گوارا کیا لیکن اس میں حرام سرمایہ لگانا گوارا نہیں کیا۔ یہ حطیم والا حصہ وہی کعبۃ اللہ کا چھوٹا ہوا حصہ ہے۔ آپ حج کے لیے جائیں گے تو دیکھیں گے کہ بیت اللہ کے جانبِ شمال میں ایک حصہ میں نصف دائرے کی شکل میں چھوٹی سی دیوار بنی ہوئی ہے، اس میں "۹" فٹ کا حصہ کعبۃ اللہ کے اندر داخل تھا لیکن قریش نے سرمایے کی کمی کی وجہ سے اس کو نکال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتلایا کہ انھوں نے ایک طرف کا دروازہ بند کر دیا اور دوسری طرف کا دروازہ بھی اتنا اونچا کر دیا کہ کوئی آدمی آسانی سے اس میں داخل نہ ہو سکے، بس وہ اپنی مرضی سے جس کو اندر داخل کرنا چاہیں کر سکیں، انھوں نے اپنی سیاست کے پیشِ نظر یہ حرکت کی تھی لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا کہ اگر مجھے موقع ملا تو میں پورا کعبۃ اللہ تعمیر کروں گا اور دروازے بھی دو رکھوں گا اور زمین کے ساتھ بناؤں گا۔

## کعبۃ اللہ کی تعمیر کی خوشی پر

## حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی طرف سے دعوت کا انتظام

چناں چہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا موقع دیا اور انھوں نے کعبۃ اللہ کی ازسرِ نو تعمیر کی تو انھوں نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسی خواہش کے مطابق حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی بنیادوں پر اس کو تعمیر کیا اور دو دروازے بنائے جو زمین سے لگے ہوئے تھے؛ تاکہ جو آدمی اندر جانا چاہے آسانی سے جاسکے۔ میں جو عرض کرنا چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ جب کعبۃ اللہ کی تعمیر مکمل ہوئی تو اس کی خوشی میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ''۱۰۰'' اونٹ ذبح کیے اور لوگوں کی دعوت کی۔ تو مسجد کی تعمیر پر اس طرح خوشی کا اظہار یہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

## مسجد کا سنگِ بنیاد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے

جیسے مسجد کا سنگِ بنیاد خود نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو ابتدا میں چند روز قبا میں آپ کا قیام رہا تو وہاں قیام کے زمانے میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ قبا کی بنیاد رکھی، علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب جو مدینہ منورہ کی تاریخ میں ہے: وفاء الوفاء، اس میں فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلا پتھر اپنے دستِ مبارک سے رکھا، دوسرا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں سے رکھوایا، تیسرا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

ہاتھوں سے رکھوایا، اس طرح اس مسجد کی تعمیر عمل میں آئی جس کی تعریف قرآنِ پاک میں ہے: ﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ أَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ [التوبة: ۱۰۸] اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مسجد کی تعریف فرمائی ہے۔

## مدنی زندگی میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ابتدائی قیام

اس کے بعد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو انصار میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے یہاں قیام فرمائے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذریعۂ وحی بتلادیا تھا کہ آپ از خود کوئی فیصلہ نہ کریں، یہاں تمام محبین وعاشقین کا مجمع ہے، آپ کی طرف سے اگر کوئی فیصلہ ہوگا تو آپس میں تنافس کی شکل پیدا ہوسکتی ہے؛ اس لیے کہ دوسروں کو خیال ہوگا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو ترجیح دی تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری اونٹنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مامور ہے، وہ جہاں بیٹھے گی، وہیں میرا قیام ہوگا۔ چناں چہ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جا کر اونٹنی بیٹھ گئی اور سر رکھ دیا تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جلدی سے آئے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامان لے کر اپنے گھر میں پہنچادیا۔ روایتوں میں لکھا ہے کہ بہت سال پہلے یمن کے بادشاہ تُبّع نے یہ مکان نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بنوایا تھا۔ (یہ تاریخی واقعہ حضرت دامت برکاتہم کی ایک تقریر میں مفصل گذرا ہے؛ اس لیے اس کو یہاں سے حذف کیا جاتا ہے۔)

# تعمیرِ مسجد کے سلسلے میں نبوی تعلیم

بہر حال! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر رہا اور اس دوران آپ نے سب سے پہلی فکر مسجد تعمیر کرنے کے سلسلے میں فرمائی۔ فی الحال جہاں مسجدِ نبوی ہے، وہ دو یتیموں کی جگہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جیبِ خاص سے پوری رقم ادا کر کے اس جگہ کو خریدا اور پھر اس میں مسجد کی تعمیر ہوئی، اس تعمیر کے کام میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی حصہ لیا، آپ خود پتھر اٹھاتے تھے اور رجز یہ اشعار جو محنت کے کام کے موقع پر پڑھے جاتے ہیں، وہ اشعار آپ پڑھتے تھے۔ اس طرح یہ مسجد تعمیر ہوئی، اور مسجد تعمیر ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجدِ نبوی کے برابر میں اپنی ازواجِ مطہرات کے لیے حجرے تعمیر کرائے، تعمیر کیا تھی! جھونپڑے تھے، کھجور کے تنوں کے ستون تھے اور کھجور کے پتوں کی چھت تھی اور مٹی کی دیواریں تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے امت کو یہ تعلیم دی کہ میرا امتی اگر کسی جگہ پر جا کر آباد ہو تو اسے سب سے پہلے اللہ کے گھر کو بنانے کی فکر کرنی چاہیے، پھر اپنا گھر بنائے۔

# کارِ خیر میں اپنی رقم لگانے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے

بہر حال! یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ اللہ کے ان بندوں نے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا اور اس میں حلال کمائی کو لگایا بلکہ یوں سمجھئے کہ ان کا پیسہ کام آ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قبول کر لیا، ان کا مسجد والوں پر یا ''اکلیرا'' بستی والوں پر یا اراکینِ مسجدِ سبحانی پر کوئی احسان نہیں ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ان پر احسان ہے کہ اس نے مسجد

کی تعمیر میں حصہ لینے کی انھیں توفیق دی، یَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: دیہات کے بعض رہنے والے جو اسلام قبول کر چکے تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو اس انداز سے پیش آتے تھے کہ گویا انھوں نے اسلام لا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی احسان کیا ہو تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ بتلا دیا کہ اے نبی! يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا: وہ اپنے انداز سے آپ پر یہ احسان جتلانا چاہتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ: آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر مت دھریئے، بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ: بلکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

## منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی | | منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتد |
|---|---|---|

یعنی اگر کوئی آدمی بادشاہ کی خدمت کر رہا ہے، اس کو خدمت کا موقع ملا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ بادشاہ پر یہ احسان نہ دھرے کہ میں آپ کی خدمت کر رہا ہوں بلکہ بادشاہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے خدمت کا موقع دیا، وہاں تو لائن لگی ہوئی ہے، ایک اشارہ ہو جائے تو سب حاضر ہو جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کا مال قبول کر لیا، جتنے

بندے ہیں، چاہے وہ بھانا بھائی ہوں یا دوسرے احباب ہوں جنھوں نے اس میں جس نوع کی بھی محنت کی، چاہے مالی ہو، یا جسمانی ہو، اپنی جو صلاحیت بھی اس میں لگائی، ان سب سے بھی میں یہی کہوں گا کہ وہ کسی کے شکریئے کے خواہش مند نہ رہیں بلکہ اس بات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے شکر گذار رہیں کہ اس نے اس خدمت کی توفیق اور سعادت عطا فرمائی۔

## ارکانِ اسلام میں نماز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے

بہر حال! یہ مسجد تیار ہوگئی، مسجد کی اہمیت، اس کی فضیلت، اس کے مناقب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہر مسلمان مسجد کی اہمیت کو جانتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے عبادات کے اندر نماز کو بڑی بنیادی حیثیت عطا فرمائی ہے، پانچ وقت کی نماز فرض کی اور اس کی ادائگی کے لیے یہ حکم دیا کہ اس کو جماعت کے ساتھ ایک مخصوص مکان کے اندر ادا کیا جائے۔

## علماء سے ملاقات ان کے نظام کے تحت کریں

یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو کھلایا، پلایا تو اس کے بدلے میں ہم پر یہ ٹیکس لاگو کر دیا ہے۔نہیں، نہیں، نہیں۔ یہ تو اس کا احسان ہے کہ اس نے اپنی عبادت کا ہم کو حکم دیا، دنیا کے معمولی حاکموں کا حال یہ ہے کہ آپ ان سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں تو وہ آسانی سے ہو نہیں پاتی، آپ اپنے ضلع کے کلیکٹر سے، اپنے تحصیل کے معاملات دار سے ملاقات کرنا چاہیں تو یہ نہیں کہ منہ اٹھایا اور فوراً پہنچ

گئے، اس طرح جس طرح مولویوں اور مفتیوں کے پاس آتے ہیں کہ بارہ بجے پہنچ جائیں گے، آدھی رات کو آئیں گے کہ مفتی صاحب! مفتی صاحب! اس کے لیے کوئی نظام ہی نہیں، حالاں کہ قرآن تو ادب سکھلاتا ہے۔

## نبیِ کریم ﷺ کے پاس قبیلۂ بنوتمیم کی بے وقت آمد

قبیلۂ بنوتمیم کا وفد نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں عین دوپہر کے وقت حاضر ہوا، جب نبیِ کریم ﷺ آرام فرمارہے تھے اور باہر ہی سے آواز دینا شروع کیا: یامحمد! اُخرُج: اے محمد! باہر آئیے، ہم آپ سے مفاخرہ کرنا چاہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں دو قبیلے والے ملتے تھے تو ہر ایک تقریر میں اور مجمع میں اپنی فضیلتیں، اپنی خوبیاں بیان کرتا تھا، اور پھر فیصلے ہوتے تھے کہ کون جیت گیا، کون غالب رہا، اس کو مفاخرہ کہا جاتا تھا تو انھوں نے کہا کہ آپ باہر تشریف لائیے، ہم اگر کسی کی تعریف کرتے ہیں تو وہ اس کے لیے باعثِ زینت ہے اور اگر ہم کسی کی مذمت کر دیں تو اس کے لیے باعثِ عیب ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: یہ شان تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے، دنیا والوں کی تعریف سے کیا زینت حاصل ہوگی اور دنیا والوں کی مذمت سے کیا بے عزتی ہونے والی ہے[1]۔

## ملاقات کے قرآنی آداب

بہر حال! اس طرح ان لوگوں کا دوپہر کو نبیِ کریم ﷺ کے پاس آکر، آپ

(۱) دلائل النبوة، باب وفد عطارد بن حاجب في بني تميم.

کو آواز دے کر باہر بلانا اور اس کے لیے آپ کو مجبور کرنا اللہ تبارک تعالیٰ کو ناگوار گذرا تو اسی پر اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آیتیں نازل فرمائیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [الحجرات: ۴، ۵] جو لوگ آپ کو باہر سے آواز دے کر بے وقت باہر نکلنے کے لیے مجبور کر رہے ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جو عقل اور سمجھ نہیں رکھتے، اگر وہ ٹھیر جاتے یہاں تک کہ آپ اپنے وقت پر باہر تشریف لاتے تو وہ ان کے لیے بہتر تھا۔

## پگھلنا علم کی خاطر مثالِ شمع زیبا ہے

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے دوسرے ہم عمر ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں، اب براہِ راست آپ سے فیض حاصل کرنا تو ممکن نہیں رہا لیکن آپ کے بڑے بڑے صحابہ ابھی موجود ہیں اور اللہ تبارک تعالیٰ نے ہمیں موقع عطا فرمایا ہے کہ ہم ان سے فیض حاصل کریں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو اس میں لگا دیا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو سید الانصار ہیں اور جن کو بارگاہِ رسالت سے أَقْرَأُهُمْ أُبَيٌّ کا خطاب ملا ہے، جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کے پاس جاتے تھے تو روایتوں میں ہے کہ باہر دروازے کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور ان کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے تھے،

دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے، جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ باہر تشریف لاتے اور دیکھتے کہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما باہر بیٹھے ہوئے ہیں تو چوں کہ ان کی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے تو ان کو دیکھتے تو فرماتے کہ تم نے دروازہ کیوں نہیں کھٹکھٹایا؟ ہم کو آواز دے لیتے تو فرماتے ہیں کہ نہیں، ہمیں اسی طرح علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آدھا آدھا دن انتظار میں گذر جاتا تھا لیکن دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے تھے، ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے (۱)۔

## عالم کا وجود نبی کے وجود کی طرح ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ قرآنِ پاک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرٰتِ فرمایا ہے اور کسی عالم کا وجود لوگوں کے لیے ایسا ہی ہے جیسے کی نبی کا وجود تھا؛ اس لیے ان کے ساتھ اسی طرح ادب کے ساتھ پیش آنا چاہیے، جیسا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب بتایا ہے۔

## گناہ تو پھر گناہ ٹھہرا، عبادتیں بھی ہیں مجرمانہ

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ہم پر جو یہ نماز فرض کی ہے یہ کوئی ٹیکس کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جو شانِ کبریائی اور شانِ عظمت ہے، نیز اللہ تبارک تعالیٰ ہمارے خالق ہیں، مالک

(۱) روح المعاني ۹/۳۳۲.

ہیں، آقا ہیں، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جیسے دنیا کے حاکم کرتے ہیں، کم از کم ویسا معاملہ کیا جاتا لیکن اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنی مخلوق کے ساتھ محبت بھی ہے، اسی محبت کے رشتے کی وجہ سے فرمایا کہ میرے دربار میں آؤ اور میری عبادت کیا کرو۔ ہم یہاں آکر جو نمازیں پڑھتے ہیں، وہ نمازیں پڑھ کے -نعوذ باللہ- اللہ تبارک وتعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کرتے، بعض لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ مولوی صاحب! پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں، قرآنِ پاک کی تلاوت کرتا ہوں پھر بھی کاروبار میں گھاٹا ہوتا ہے، پھر بھی بیماریاں پیچھا نہیں چھوڑتیں، گویا یہ شخص یہ بتلانا چاہتا ہے کہ میں نے یہ کام کیے تو اللہ تبارک تعالیٰ کو میرے یہ کام کردینے چاہیے تھے، یہ احسان جتلانا ہے، ہم لوگوں کی سوچ اس طرح کی ہو چکی ہے، ہم اللہ تبارک تعالیٰ کے احسانوں کا حق کہاں ادا کر سکتے ہیں۔

## عجب نہیں، تیری رحمت کی حد نہ ہو کوئی

حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان کے ساتھ تین دفتر ہوں گے: ایک میں انسان کی طاعات کا تذکرہ ہوگا، دوسرے میں اس کے گناہوں کا تذکرہ ہوگا اور تیسرے میں اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ ہوگا، جب حساب کے لیے بندہ پیش ہوگا تو اللہ تبارک تعالیٰ کی نعمتوں میں سے جو سب سے چھوٹی نعمت ہے، اللہ تبارک تعالیٰ اس سے کہیں گے اس کی نیکیوں سے تم اپنا حق وصول کرلو، چناں چہ وہ نعمت آگے بڑھے گی اور ساری طاعتوں کو سمیٹ لے گی اور پھر کنارے پر کھڑے ہو کر عرض کرے گی کہ ابھی بھی میرا حق تو ادا نہیں ہوا۔ بندہ یہ منظر دیکھ کر گھبرا جائے گا کہ اب تو مارے گئے لیکن

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک جس کو نوازنا مقصود ہے تو باری تعالیٰ فرمائیں گے کہ جا! میں نے تیری نیکیوں کو دوگنا کردیا اور تیرے گناہوں کو بخش دیا اور میں نے اپنی نعمتیں تجھے یوں ہی بخش دیں، ورنہ اگر اللہ تبارک تعالیٰ اپنی نعمتوں کا حساب لینا چاہیں تو ہماری ساری زندگی کی ساری عبادتیں بھی اس کا جواب نہیں دے سکتیں (۱)۔

## ایک عابد کا واقعہ

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات میں واقعہ ہے، روایتوں میں ہے کہ ایک آدمی نے تمنا کی کہ مجھے ''۵۰۰'' سال تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کا ایسا موقع ملے کہ ایک لمحے کے لیے بھی میں غافل نہ رہوں، چناں چہ اس کی خواہش کے مطابق ایک جزیرے پر وہ پہنچا جس کے چاروں طرف سمندر تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس جزیرے میں اس کے لیے انار کا ایک درخت پیدا کردیا، اس سے انار لے کر وہ اپنی بھوک مٹاتا تھا اور اس کے لیے وہاں پانی کا ایک چشمہ انگلی کے برابر جاری کردیا جس سے وہ اپنی پیاس بجھایا کرتا تھا اور پھر اس نے یہ بھی تمنا کی کہ میری موت اس حالت میں آوے کی میں نماز میں سجدے کی حالت میں ہوں؛ تاکہ میرا یہ جسم قیامت تک اسی طرح سجدے کی حالت میں رہے، اس کی یہ ساری تمنائیں پوری کی گئیں۔

## اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر جنت میں داخلہ ممکن نہیں ہے

موت کے بعد جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور میں پیش کیا گیا تو اللہ تبارک

---

(۱) مسند البزار، عَن أَنَس رضي الله عنه، مسند أبي حمزة أنس بن مالك رضي الله عنه.

وتعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ اس کو میرے فضل سے جنت میں لے جاؤ۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ ''۵۰۰'' سال تک اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت کی اور اب بھی اس کے فضل سے جنت میں جاؤں! بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا: وَلاَ أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ: اے اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: وَلاَ أَنَا إِلاَّ أَنْ يَتَغَمَّدَنِي اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ: میں بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ تبارک تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے[1]۔

## ''میں تو غفّار رہوں'' تو نے خود ہی کہا

بہر حال! اس کے دل میں جب یہ خیال آیا تو اللہ تبارک تعالیٰ تو دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، فرشتوں سے کہا کہ ذرا اس کو جہنم کے قریب لے جاؤ، چنانچہ فرشتے جہنم کے قریب لے گئے، ابھی تو جہنم بہت دور تھی، جوں جوں قریب آتی گئی، اس کی گرمی اور اس کی تمازت کی وجہ سے اس کی بے چینی بڑھتی گئی، پیاس محسوس ہونے لگی اور یہ پیاس بڑھتے بڑھتے انتہا کو پہنچ گئی، اب اس کی زبان پر پانی، پانی، پانی کے الفاظ ہیں لیکن وہاں کہاں سے پانی آتا، اتنے میں دیکھا کہ ایک فرشتہ انسانی شکل میں پانی کا گلاس لے کر جا رہا تھا، اس سے کہا: ارے بھائی! پانی دے دو نا، مجھے بہت پیاس لگی ہے، فرشتے نے کہا کہ یہ مفت میں نہیں ملے گا، اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی، اس

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب القصد والمداومة على العمل.

نے کہا کہ اس کی قیمت کیا ہے؟ کہا کہ ''۵۰۰'' سال کی عبادت، اس نے کہا کہ میرے پاس ''۵۰۰'' سال کی عبادت ہے، لے لے اور مجھے پانی دے دے۔ فرشتے نے لے لی، اور اس نے پانی لے کر پی لیا پھر فرشتے اس کو لے کر باری تعالیٰ کے پاس آئے، باری تعالیٰ نے فرمایا: اپنی عبادت کی قیمت دیکھ لی؟ ہم نے تجویز نہیں کی، تو نے ہی تجویز کی، تو نے ہی ایک گلاس پانی کی قیمت اپنی ''۵۰۰'' سال کی عبادت طے کی ہے، اب یہ جو تو ''۵۰۰'' سال تک روزانہ اتنے گلاس پانی پیتا رہا، انار کھاتا رہا، ہماری پیدا کی ہوئی ہوا سے سانس لیتا رہا، ہمارے سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھاتا رہا، اس کا حساب لاؤ، اس نے دل میں کہا کہ اب تو مر گئے تو باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو میرے فضل سے جنت میں لے جاؤ تو وہ سیدھا سیدھا جنت میں چلا گیا۔

## نیت باندھے صف میں کھڑے ہیں سب اپنے اپنے خیال میں

تو ہماری عبادتوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ ہماری نمازوں کی حقیقت ہم جانتے ہیں، جب نماز کے لیے نیت باندھتے ہیں تو ہمارے دل و دماغ کی کیا کیفیت ہوتی ہے، ہر آدمی اپنے دل سے پوچھ لے، اس نماز پر تو گرفت اور پکڑ ہونی چاہیے، چہ جائیکہ اس پر انعام دیا جاتا، اگر اللہ تبارک تعالیٰ قبول کرلیں تو یہ اس کا احسان ہوگا بہرحال! ہماری عبادت کی وجہ سے اللہ تبارک تعالیٰ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔

## ہماری عبادت سے اللہ تعالیٰ کی کبریائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا

مسلم شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حدیثِ قدسی ہے، بہت

لمبی چوڑی روایت ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ جب اس حدیث کو روایت کرتے تھے تو اس کی عظمت اور اہمیت کے پیشِ نظر دوزانو بیٹھ جاتے تھے، اس کے اخیر میں ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، سب کے سب ایسے بن جائیں، جیسے دنیا میں سب سے زیادہ نیک آدمی ہے، اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار ہے، پوری انسانیت میں اللہ کا سب سے زیادہ مطیع اور فرماں بردار کون ہے؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! گویا سب لوگ ایسے فرماں بردار بن جائیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھارے سب کے اس طرح فرماں بردار بن جانے سے میری عظمت میں، میری کبریائی میں، میری بڑائی میں کوئی زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔

## من نگردم پاک از تسبیحِ شاں

آگے فرماتے ہیں: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنات، تم میں جو سب سے زیادہ بدکار، سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، اس کی طرح بن جائیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان کون ہے؟ شیطان! یعنی تم سب کے سب شیطان کی طرح بن جاؤ، کوئی

اللہ کا حکم ماننے والا نہ رہے تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری شان میں، میری عظمت میں، میری کبریائی میں کوئی کمی نہیں آئے گی(۱)۔ اللہ تعالیٰ کی شان تو اس سب سے بے پرواہے تو اللہ تعالیٰ ہماری عبادتوں کے محتاج نہیں ہیں، مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

| من نگردم پاک از تسبیحِ شاں | پاک ہمی ایشاں شوند و درفشاں |
|---|---|

## ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب

ان بندوں کے سبحان اللہ، سبحان اللہ کہنے سے میں پاک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود اس کی وجہ سے پاک ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ کا مطلب کیا ہے؟ سبحان اللہ کا مطلب ہے: ''میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں'' یا ''اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے'' جو بندہ سبحان اللہ کہتا ہے تو سبحان اللہ کہہ کر اللہ کی پاکی اور تنزیہ بیان کرتا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمھاری سبحان اللہ کہنے سے تھوڑا میں پاک ہوتا ہوں بلکہ ہماری گندی زبانیں سبحان اللہ کہنے سے پاک ہوتی ہیں، ہماری گندگیاں دور ہوتی ہیں بلکہ ہماری زبانیں تو اس لائق بھی نہیں تھیں کہ اللہ کا نام لیتیں، فارسی کا ایک شاعر کہتا ہے:

| ہزار بار بشویم دہن زمشک وگلاب |
|---|
| ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است |

کہ میں اپنا منہ مشک وگلاب سے ہزار مرتبہ دھولوں پھر بھی اے اللہ! تیرا نام لینا کمال بے ادبی کی بات ہے۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اپنا نام لینے کی اجازت نہیں بلکہ حکم دیا۔

## مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

میں تو یوں کہتا ہوں کہ اذان کی آواز سن کر بندوں کو اللہ کے اس احسان پر لوٹ پوٹ ہو جانا چاہیے اور سر کے بل دوڑ کر مسجد میں آنا چاہیے اور یہاں اذان کی آواز سننے کے بعد بھی ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ مسجد کی طرف قدم اٹھتے نہیں ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اَلْجَفَاءُ کُلُّ الْجَفَاءِ وَالْکُفْرُ وَالنِّفَاقُ کہ بڑی بے مروتی اور بڑی بے رخی بلکہ کفر و نفاق کی بات ہے کہ اللہ کا منادی یعنی مؤذن اَللّٰہُ أَکْبَرُ اور حَیَّ عَلَی الصَّلاَۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلاَحِ کی آواز دے کر دعوت دے رہا ہے اور بندہ مسجد کی طرف نہ جاوے [۱]۔

## مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

یہ مسجد تو بن گئی، یہ نیکی کا کام ہوا لیکن یہ ہمارے خلاف حجت بھی بن سکتی ہے، قرآن کے متعلق ہے: اَلْقُرْآنُ حُجَّۃٌ لَکَ أَوْ عَلَیْکَ کہ قرآن تمھارے حق میں حجت ہے یا تمھارے خلاف [۲]۔ اگر عمل کرو گے تو تمھارے حق میں تمھاری سفارش کرے گا اور عمل نہیں کرو گے تو تمھارے خلاف حجت بنے گا۔ یہی حال مسجد کا بھی ہے، مسجد بن تو گئی، بقول علامہ اقبال کے:

| مسجد تو بنادی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے |
| --- |
| من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا |

[۱] مسندِ احمد، عَنْ سَهْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، حديث معاذ بن أنس الجهني رضي الله عنه.

[۱] مسلم شریف، عَنْ أَبِی مَالِكٍ الأَشْعَرِیِّ رضی اللہ عنہ، باب فَضْلِ الْوُضوءِ.

## کچی مسجدیں پکے نمازی

اس لیے ضرورت ہے کہ مسجد کے حقوق کی ادائگی کا اہتمام کیا جائے، اتنی شان دار مسجد ہے تو نمازیں بھی تو شان دار ہونی چاہئیں۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں مسجد کیا تھی؟ مٹی کی کچی دیواریں اور کھجور کے تنوں کے ستون اور کھجور کے پتوں کے چھت تھی، یعنی کچی سے کچی مسجد تھی لیکن ان کی نمازیں کیسی تھیں! اور آج ہم مسجدوں کو سجانے میں ساری صلاحیتیں صرف کرتے ہیں، حالاں کہ ضرورت اس کی ہے کہ نمازوں کو بہتر بنانے کی کوشش کی جائے۔

## دل ہے مسلماں میرا، نہ تیرا

ہماری نمازوں کا جو حال ہے، وہ سب جانتے ہیں، نیت باندھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ بٹن کھول دیا ہو، نماز سے باہر جو خیالات نہیں آتے تھے، وہ سب یہاں شروع ہو گئے، ہمارے دل دنیا بھر کے خیالات کی آماج گاہ بن جاتے ہیں، ویسے نماز میں سب کچھ پڑھ رہے ہیں، ثنا بھی، تعوذ اور تسمیہ بھی، سورۂ فاتحہ بھی، سب کچھ ہو رہا ہے، چار رکعت میں جو کچھ پڑھنا ہے، سب پڑھے گا لیکن میں کہا کرتا ہوں کہ جب وہ سلام پھیرے تو فوراً جا کر اس سے پوچھو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد کون سی سورت پڑھی تھی؟ تو وہ منہ ہی تکتا رہ جائے گا۔ ابھی آپ بیٹھے ہیں نا تو اپنی ذات سے پوچھ لو کہ ابھی امام صاحب نے پہلی رکعت میں کیا پڑھا تھا؟ نماز میں غفلت کا یہ ہمارا حال ہے۔ ہم نے بچپن میں جس طرح نماز پڑھنا سیکھا تھا، بس اسی طرح چل رہی ہے،

اس کی درستگی کی طرف کبھی ہمارا دھیان جاتا نہیں ہے، یہ بھی سیکھنے کی چیز ہے، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا۔

## ثواب کے حصول کے لیے پوری مسجد بنوانا ضروری نہیں ہے

اللہ تبارک تعالیٰ نے یہ مسجد بنوادی، بستی والوں کے لیے یہ بڑی خوشی کا موقع ہے، جن حضرات نے بھی اس میں اپنی جانی، مالی اور دوسری صلاحیتوں کا استعمال کیا ہے، وہ اللہ کے بہت بابرکت بندے ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ بَنَىٰ لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ: جو آدمی اللہ کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے، اللہ تبارک تعالیٰ جنت کے اندر اسی جیسا یعنی اسی شان کا مکان تعمیر فرماتے ہیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ چاہے ''قطا'' پرندے کے گھونسلے کے برابر ہو۔ قطا ایک پرندہ ہے، زمین پر چھوٹا سا گھونسلہ بناتا ہے، اس میں پوری پیشانی بھی نہیں آسکتی، پھر بھی یہ جو کہا گیا تو اس کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ کوئی مسجد نہیں بنائی لیکن مسجد بنانے میں حصہ لیا: ایک مصلے کے پیسے دیئے، آدھے مصلے کے پیسے دیئے، اپنی استعداد کے مطابق جو کچھ بھی دیا تو اس کے مطابق اللہ تبارک تعالیٰ اس کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے۔

## تحیۃ المسجد سے ہماری غفلت یا ناواقفیت

اور مسجد کے آداب کا خیال کرنا بھی بہت ضروری ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد کے آداب بھی بیان فرمائے ہیں: إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ: کہ جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو وہاں بیٹھنے سے پہلے۔ بشرطیکہ وہ

مکروہ وقت نہ ہو- دو رکعت نماز پڑھ لے[۱]۔ اس کو تحیۃ المسجد کہا جاتا ہے، یہ نماز تو گویا ہمارے اندر سے بالکل ختم ہوتی جارہی ہے، مسجد میں آنے کے بعد کسی کو بھی یہ نماز پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی، مسجدوں میں آتے ہیں تو بالکل جماعت کے وقت پر اور اس وقت کے فرض کو پڑھ کے چلتے بنتے ہیں۔ کتابوں میں تو تحیۃ المسجد کے نام سے ایک مستقل نماز بتائی جاتی ہے، عربوں نے اس میں حد سے زیادہ مبالغہ سے کام لیا، انھوں نے اسے فرض اور واجب جیسا درجہ دے دیا، جو لوگ وہاں رہتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ وہ اس کا بہت زیادہ، بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور جو اس کو نہیں پڑھتا اس کو بہت معیوب سمجھا جاتا ہے۔ یہاں، ہمارے یہاں اس کی طرف سے اتنی بے پروائی کہ مسجد میں آنے والے سو آدمیوں میں سے شاید مشکل سے ایک دو آدمی ہوں جو اس کا اہتمام کرتے ہوں، یہ بڑی غفلت کی بات ہے۔

## تحیۃ المسجد کی مشروعیت کی حکمت

ہاں اگر نماز کا وقت ہے اور اس نے سنت کی نیت باندھ لی تو اس کا حق ادا ہو جائے گا، فرض جماعت کھڑی ہو چکی ہے اور اس میں شریک ہو گیا تو اس سے بھی حق ادا ہو جائے گا لیکن اگر نہ سنت پڑھ رہا ہے، نہ اس کا وقت ہے اور نہ فرض کی جماعت کھڑی ہو رہی ہے تو اس صورت میں کم سے کم دو رکعت پڑھنی چاہیے، نبی کریم ﷺ نے تاکید فرمائی ہے اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس میں امر کا صیغہ ہے، بعض ائمہ نے اس کو

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ رضی اللہ عنہ، باب إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ.

واجب کے لیے قرار دے کر ان دو رکعتوں کو واجب بھی کہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ مسجد ایک ایسا مکان ہے جو خاص نماز کی ادائگی کے لیے بنایا گیا ہے، اب اگر کوئی آدمی ایسے مکان میں آئے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو کیا کہیں گے؟ میں کہا کرتا ہوں کہ جیسے کوئی آدمی ہوٹل میں جاوے اور ٹیبل پر بیٹھ کر ایسے ہی چلا آئے تو اس کو معیوب سمجھیں گے نا؟ لوگ کہیں گے کہ وہاں گیا ہی کیوں تھا؟ کھانا نہ کھاوے تو اس کو کم سے کم ایک پیالی چائے تو پینی ہی چاہیے تو یہاں کم سے کم دو رکعت تو ادا کرنی ہی چاہیے؛ اس لیے اس کا بھی اہتمام ہو۔

## بدبودار چیز استعمال کر کے مسجد میں آنے سے پرہیز ضروری ہے

بدبودار چیز استعمال کر کے اس بدبو کے ساتھ مسجد میں جانے کی ممانعت آئی ہے، آج کل سگریٹ، بیڑی پینے والے بہت سے حضرات یونہی مسجد کے اندر آ جاتے ہیں، خاص کر رمضان کے مہینے میں کہ دن بھر کے صبر کے بعد افطار کے وقت شروع کر دیتے ہیں، گھر سے افطار کے بعد بیڑی پیتے پیتے چلتے ہیں اور مسجد کے دروازے پر آ کر اس کو پھینک دیتے ہیں اور جلدی سے کُلّی کر لیتے ہیں، علماء نے لکھا ہے کہ مرنے والا جب مرتا ہے تو اس کی سانس تیز ہو جاتی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اللہ تبارک تعالیٰ نے اس کی عمر کا وقت بھی مقرر کر دیا ہے اور سانسیں بھی مقرر کر دیں، اب وقت تو رہ گیا پانچ منٹ کا اور سانسیں بہت باقی ہیں؛ اس لیے سانسیں تیز ہو جاتی ہیں؛ تا کہ سانسوں کا حساب بھی پورا ہو جائے اور وقت کا حساب بھی پورا ہو جاوے، اسی طرح اس کی بیڑی

کی سانسیں بھی مقرر ہیں اور کوٹا بھی مقرر ہے، اس کو بھی گویا پورا کرنا ہے؛ اس لیے جلدی جلدی سانس لے کر اس کو پورا کرتا ہے اور اس کو ادھر ڈالی اور دوسری طرف اللہ اکبر بھی کہہ دیا، اب جو بدبودار سانس لیتا ہے تو دو چار آدمیوں کی حالت خراب کر ڈالتا ہے تو فرشتوں کا کیا حال ہوتا ہوگا! بھائی! اس سے بچنے کا اہتمام کرو۔

## مسجد کے جملہ آداب کی رعایت کیجیے

اسی طرح مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا۔ حدیث میں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُونُ حَدِيثُهُمْ فِي مَسَاجِدِهِمْ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوهُمْ فَلَيْسَ لِلَّهِ فِيهِمْ حَاجَةٌ[1]: کہ ایک وقت آئے گا کہ مسجد کے اندر لوگ بیٹھ کر کے دنیا کی باتیں کریں گے؛ اس لیے اپنے آپ کو اس طرح مسجد میں باتوں میں مشغول کرنے سے بچانا چاہیے۔ تو بہر حال مسجد کے آداب کا خیال رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے۔

مسجد تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے تیار ہوگئی، اب بستی کے ہر فرد کا فریضہ ہے کہ مسجد والے اعمال کر کے اس کو آباد کرے، اس موقع پر اصل مقصد خوشی اور مسرت کا اظہار اور محسنین کے شکر کی ادائگی اور یہ سب کچھ الحمد للہ ہو چکا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس عمل کو قبول فرماوے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، كتاب الرقاق.

# بندوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی بارش

# اور

# ان نعمتوں کے بارے بندوں کا حال

بمقام: سورتی مسجد، رنگون

بوقت: ۳۰/۱/ ۲۰۱۳ بعد الفجر

# اقتباس

کسی کے دل کا کیا حال ہے؟ ہم اور آپ نہیں جانتے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہر ایک کا مقام تقوے پر ہے، اللہ کا ڈر، اس کی اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ، اللہ نے اس کے اندر کتنا رکھا ہے، اس کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مقبولیت ہے، ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [الحجرات: ١٣]: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور یہ خاندان اور قبیلے تو محض پہچان کے لیے بنائے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، ان خاندانوں کی بنیاد پر کوئی آدمی اپنے آپ کو ہرگز بڑا نہ سمجھے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ: تم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور باعزت وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، اس کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدُلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله وأصحابه أجمعين، أمّا بعد:

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الحشر: ۱۰]

وقال النبی ﷺ لخادمه أنس رضی اللہ عنہ: يَا بُنَيَّ، إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ لَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ لِي: يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي، وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الْجَنَّةِ.

[سنن الترمذی، أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِی الأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدَعِ.]

## اللہ تعالیٰ کی مختلف اور متنوع نعمتیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے ہمیں ڈھانپ رکھا ہے، ہر لمحہ، ہر گھڑی ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت سی نعمتیں تو وہ ہیں جو کائنات کی ہر مخلوق کو شاملِ حال ہیں: سورج کی روشنی، چاند کی روشنی، ہوا، زمین، پانی یہ ساری چیزیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات میں پیدا فرمائیں، ان نعمتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہر مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے۔

## انسان کے ساتھ مخصوص نعمتیں

کچھ نعمتیں وہ ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائیں: ایک مخصوص

قسم کا جسم اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا پھر اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مختلف قسم کی صلاحیتیں عطا فرمائیں: دیکھنے کے لیے آنکھیں، سننے کے لیے کان، بولنے کے لیے زبان، سوچنے، سمجھنے اور یاد رکھنے کے لیے دل ودماغ عطا فرمایا، ہاتھ، پاؤں دئے، مختلف قُویٰ اور صلاحیتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائیں۔

## انسان کو کم زیادہ ملنے والی نعمتیں

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بعض نعمتیں وہ ہیں جو بعض انسانوں کو زیادہ اور بعض کو کم دی گئی ہیں، بعض کو دیں اور بعض کو نہیں دی ہیں: دولت وثروت ہے جو بعض کے پاس زیادہ ہے، بعض کے پاس کم ہے۔ علم وعمل ہے، بعض کے پاس زیادہ ہے، بعض کے پاس کم ہے۔ عہدہ اور منصب ہے، بعض کے پاس ہے، بعض کے پاس نہیں ہے۔ حسن وجمال ہے جو بعض کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے زیادہ مقدار میں عطا فرمایا اور بعض کو کم مقدار میں عطا فرمایا۔

## مانگے بنا ملی ہیں زمانہ بھر کی نعمتیں

کچھ نعمتیں وہ ہیں جو مخصوص طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ جو مخصوص قسم کی نعمتیں ہیں، ان نعمتوں میں بھی بعض نعمتیں تو وہ ہیں جن کے متعلق ہر صاحبِ نعمت یہ سمجھتا ہے کہ اس نعمت کے حاصل ہونے میں میری کسی کوشش اور سعی کا دخل نہیں، مثال کے طور پر حسن اور جمال ہے، کوئی آدمی حسین وجمیل ہے، اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو یہ نعمت عطا فرمائی تو وہ آدمی خود بھی

سمجھتا ہے کہ یہ حسن و جمال والی نعمت جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے نعمت عطا فرمائی ہے، اس میں میری کسی کوشش اور سعی کا دخل نہیں، محض اللہ کا فضل ہے۔ اسی طریقے سے حسنِ صوت ہے، اچھی آواز ہے، اس کے متعلق خود آپ بھی سوچیں گے کہ اس کے لیے آپ نے کوئی محنت نہیں کی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی۔

## دولت وثروت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے

اور بعض نعمتیں وہ ہیں جن کے متعلق بعض لوگوں کو یہ خیال اور گمان ہوتا ہے کہ اس میں میری محنت اور سعی کو دخل ہے، جیسے دولت اور ثروت ہے: ایک تاجر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے دولت وثروت عطا فرمائی ہے، اب اس کو پوچھیں گے تو وہ کہے گا کہ میں نے محنت کی اور بہت خون پسینہ ایک کرنے کے بعد مجھے یہ دولت ملی ہے، حالاں کہ اگر اس میں دیکھا جائے تو یہ بھی محض اللہ کا فضل ہے، اس کو کہا جائے کہ تو جتنی محنت کر رہا ہے تو ذرا اپنے ارد گرد نظر دوڑا، تو دیکھے گا کہ اس دولت کو حاصل کرنے کے لیے تو جتنی محنت کرتا ہے اتنی بلکہ اس سے زیادہ محنت کرنے والے تیرے درمیان میں موجود ہیں لیکن ان کے پاس اتنی دولت نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ دولت وثروت کی کثرت بھی محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے۔

## علم وفضل بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے

ایک آدمی کے پاس علم وعمل ہے، وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں نے بڑی محنتوں سے راتوں کو جاگ کر، اساتذہ کی خدمت کر کے بڑے مجاہدے سے یہ علم حاصل کیا ہے،

عمل کے لیے میں نے مجاہدہ کیا لیکن وہاں پر بھی یہی بات ہے: ایک کے پاس اعلیٰ قسم کی ڈگری ہے، اس سے کہا جائے کہ تیرے پاس جو یہ ڈگری ہے، تو نے اس کو حاصل کرنے کے لیے جتنی محنت کی تو تو جس جماعت میں پڑھتا تھا، تیرے ساتھیوں میں بہت سے ایسے تھے جو اتنی بلکہ اس سے زیادہ محنت کرتے تھے لیکن ان کو یہ علم حاصل نہیں ہوا جو تجھے ملا، معلوم ہوا کہ یہ بھی محض اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل ہے۔

## صلاح وتقویٰ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے

صلاح وتقویٰ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمایا، نماز پڑھنے کی توفیق دی، اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی توفیق دی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہی گناہوں سے بچنے کی توفیق دی، اس میں بھی آدمی کی اپنی محنت کو دخل نہیں ہے، یہ بھی محض اللہ کا فضل ہے، کوئی یہ سمجھتا ہو کہ میں نے محنت ومجاہدہ کیا، ریاضتیں کیں، اس کے نتیجے میں یہ چیز مجھے حاصل ہوئی تو ایسی بات نہیں ہے، ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰي مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾: اہلِ علم اس مجلس میں موجود ہیں، اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی نیک نہیں بن سکتا تھا، وہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ جسے چاہتے ہیں نیک بناتے ہیں، نیک کام کی توفیق دے دیتے ہیں۔ ہم نے اور آپ نے جماعت کے ساتھ فجر کی دو رکعت ادا کرلیں، یہ بھی محض اللہ کی توفیق ہے، وہ اگر ہمیں توفیق نہ عطا فرماتا تو ہماری طاقت نہیں تھی، ﴿فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى﴾ [النجم: ۳۲]

اپنی پاکی بیان مت کرو، یوں مت سمجھو کہ میرا گناہوں سے دور رہنا یہ میرا کمال ہے، نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ چیز عطا فرمائی ہے، دنیوی اور اخروی کوئی ایسی نعمت نہیں ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کے فضل کا دخل نہ ہو، مال و دولت کا بھی یہی حال ہے۔

## ایک احمق مال دار اور فقیر عالم

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ایک دیہاتی سفر کر رہا تھا، ساتھ میں اونٹ تھا جس پر بوجھ لاد رکھا تھا، اس کی دونوں طرف دو بوریاں رکھی تھیں اور وہ خود پیدل چلا جا رہا تھا، ایک دوسرا آدمی جو پڑھا لکھا تھا، اس سفر میں اس کے ساتھ ہو گیا، اس نے پوچھا کہ ان بوریوں میں کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ایک بوری میں گیہوں اور دوسری میں ریت بھری ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کی اس ریت کی کیا ضرورت ہے؟ پورا صحرا پڑا ہے، جتنی چاہے لے لو تو اس نے کہا کہ یہ توازن اور بیلنس (balance) باقی رکھنے کے لیے ایسا کیا ہے، اس نے کہا کہ اللہ کے بندے! توازن باقی رکھنے کے لیے تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ اس بوری کے گیہوں کو آدھا آدھا کر کے دو بوریوں میں بھر دیتا تو توازن بھی برقرار رہتا اور اونٹ کا بوجھ بھی کم ہو جاتا۔ اس کی سمجھ میں بات آ گئی کہ واقعی ایسا کرنا بہتر تھا، اس نے اس بوری میں سے گیہوں نکالے اور دو حصوں میں تقسیم کر کے بیلنس برابر کر دیا۔

## رزق کا مدار علم وعقل پر نہیں ہے

اب وہ دیہاتی اپنے دل میں سوچنے لگا کہ اس نے اتنا اچھا مشورہ مجھے دیا،

اتنی اچھی بات بتائی تو یہ بڑا عقل والا ہے، اس کے پاس تو مجھ سے زیادہ مال و دولت ہوگی۔ اس نے پڑھے لکھے آدمی سے پوچھا کہ تمھارے پاس اونٹ کتنے ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ پوچھا: گائیں کتنی ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں، پوچھا: بکریاں کتنی ہیں؟ جواب دیا: کچھ بھی نہیں۔ یہ جس مال کے متعلق بھی پوچھتا ہے، وہ انکار کرتا ہے تو وہ دیہاتی اس سے کہتا ہے: تو بڑا منحوس آدمی ہے، تیرے مشورے پر میں عمل نہیں کروں گا۔ چنانچہ اس نے دوبارہ وہ گیہوں ایک بوری میں کر کے ریت والی بوری دوسری طرف رکھ دی۔ کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ دولت وثروت علم وعقل کے ذریعہ نہیں آتی، شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر دولت عقل سے آتی تو دنیا میں جتنے کم عقل لوگ ہیں، سب بھوکے مرتے، حالاں کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ ہمارے پاس جو بھی نعمتیں ہیں، وہ محض اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ہمیں ملی ہیں، چاہے وہ دینی نعمت ہو یا دنیوی نعمت ہو۔

## نعمتوں کے اعتبار سے بندوں کی دو حالتیں

اب ان نعمتوں کی وجہ سے بندوں کے جو حالات ہیں، وہ دو طرح کے ہیں: بعض بندے وہ ہیں جن کے پاس ایک نعمت ہے اور بعض وہ ہیں جن کے پاس وہ نعمت نہیں ہے۔ مثلاً دولت وثروت، بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس نہیں ہے، عہدہ اور منصب بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس نہیں ہے، حسن وجمال بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس نہیں ہے، علم وکمال بعضوں کے پاس ہے اور بعضوں کے پاس

نہیں ہے۔اب جن کے پاس ہےتو ان کا حال یہ ہے کہ جن کے پاس وہ نعمت نہیں ہے ان کے متعلق ان کے دلوں میں حقارت کا جذبہ ہوتا ہے، جیسے جس آدمی کے پاس دولت ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میرے پاس دولت ہے؛اس لیے میں بڑا ہوں اوراس کے پاس دولت نہیں ہے؛اس لیے یہ مجھ سے چھوٹا اور حقیر ہے۔جس کے پاس علم وکمال ہے، وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں علم والا ہوں؛اس لیے میں بڑا ہوں اور یہ جاہل ہے؛اس لیے مجھ سے کمتر ہے۔جس کے پاس حسن وجمال ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں بڑا حسین وجمیل اور صاحبِ کمال ہوں، اس کے پاس حسن نہیں ہے؛اس لیے یہ مجھ سے گھٹیا ہےتو جن کے پاس نعمتیں ہیں وہ ان لوگوں کے بارے میں تحقیر کا جذبہ رکھتے ہیں جن کے پاس وہ نعمتیں نہیں ہیں۔

## حسد کی حقیقت

دوسری طرف جن کے پاس یہ نعمتیں نہیں ہیں، ان کے دلوں کا حال یہ ہے کہ جن کو یہ نعمتیں ملی ہیں، ان کے متعلق حسد کا جذبہ رکھتے ہیں کہ ان سے یہ نعمتیں چھن جائیں تو اچھا ہے۔جس کے پاس مال ودولت نہیں ہے، وہ دل میں یہ سوچتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو کیوں مال ودولت دیا، اس کے پاس سے چھن جائے تو بہتر ہے، یہی حسد ہے۔ بدصورت آدمی حسین وجمیل کے بارے میں سوچتا ہے کہ اس کو حسن وجمال کیوں ملا ہے، اس کے پاس سے چھن جانا چاہیے۔

## کُبڑے کی خواہش

جیسا کہ کتابوں میں ہے کہ ایک کُبڑا تھا، اس سے کسی نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا

ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ سب کُبڑے بن جائیں، حالاں کہ وہ یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ میرا کُبڑ اپن دور ہو جائے اور سب کی طرح اچھا ہو جاؤں لیکن وہ ساری دنیا کو کُبڑا بنانے کا جذبہ رکھتا ہے۔

## کِبر وحسد دونوں ہی مذموم جذبے ہیں

تو جس کے پاس نعمتیں نہیں ہوتیں، وہ اصحابِ نعمت کے بارے میں حسد کا جذبہ رکھتا ہے، کینہ اور بغض رکھتا ہے، شریعت ان دونوں قسم کے جذبات میں سے کسی کی اجازت نہیں دیتی۔ شریعت نعمت والوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ تم اپنے دل میں ان لوگوں کو جن کے پاس نعمت نہیں ہے حقیر سمجھو، اللہ کے بندوں میں سے کسی کو بھی حقیر سمجھنے کی اجازت نہیں ہے، نعمتیں چاہے دنیوی ہو تو بھی اجازت نہیں اور اخروی نعمتیں ہو تو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

## دورِ رسالت کا ایک واقعہ

چناں چہ بخاری شریف میں ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا، اس نے شراب پی رکھی تھی اور شراب پینے کی شریعت نے جو سزا مقرر کی ہے، وہ اس پر جاری ہوئی تھی۔

شراب پہلے حلال تھی، اس کے بعد اس کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا، بڑی تعداد تو ان حضرات کی تھی جنھوں نے حکم نازل ہوتے ہی اس کو پینے سے خود کو بچالیا لیکن اللہ کے بعض بندوں سے چوک ہو جاتی تھی۔

## دلوں کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے

اب اس آدمی سے دوبارہ یہ حرکت صادر ہوئی، سہ بارہ صادر ہوئی، تیسری بار جب ایسا ہوا اور ان پر سزا جاری کی گئی تو مجلس میں سے ایک آدمی نے کہا: اللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ: اس پر اللہ کی لعنت ہو، اس کو کتنی مرتبہ شراب پینے کے جرم میں لایا جاتا ہے۔ یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَلْعَنُوهُ فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ أَنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَه (۱): لعنت مت بھیجو؛ کیوں کہ میں جہاں تک جانتا ہوں، یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

## عند اللہ مقبولیت کا مدار تقویٰ پر ہے

کسی کے دل کا کیا حال ہے؟ ہم اور آپ نہیں جانتے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ہر ایک کا مقام تقوے پر ہے، اللہ کا ڈر، اس کی اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ، اللہ نے اس کے اندر کتنا رکھا ہے، اس کی بنیاد پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں مقبولیت ہے، ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ [الحجرات: ۱۳]: باری تعالیٰ فرماتے ہیں: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور یہ خاندان اور قبیلے تو محض پہچان کے لیے بنائے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، ان

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ، باب مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الْخَمْرِ وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ الْمِلَّةِ.

خاندانوں کی بنیاد پر کوئی آدمی اپنے آپ کو ہرگز بڑا نہ سمجھے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ: تم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور باعزت وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے والا ہو، اس کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والا ہو۔

## کسی کے ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہُ وَلَا یَخْذُلُہُ وَلَا یَحْقِرُہُ التَّقْوٰی ھَاھُنَا وَیُشِیرُ إِلٰی صَدْرِہِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ یَحْقِرَ أَخَاہُ الْمُسْلِمَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہُ وَمَالُہُ وَعِرْضُہُ[1]: ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، اس کی حق تلفی نہیں کرتا، وَلَا یَخْذُلُہُ: اور اس کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا، کوئی دوسرا اس پر ظلم کرتا ہے تو یہ اس کو ظلم کرنے سے روکتا ہے، اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے، وَلَا یَحْقِرُہُ: اور اس کو حقیر بھی نہیں سمجھتا۔ یہ ارشاد فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا: اَلتَّقْوٰی ھَاھُنَا: سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقوی یہاں دل میں ہے۔ کس کے دل میں کتنا تقوی ہے، اس کو ناپنے کا کوئی تھرمامیٹر دنیا میں نہیں ہے، اس کو تو اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کے دل کی کیا کیفیت ہے اور جیسی کیفیت ہوگی، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ویسا معاملہ کیا

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِی ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ، باب تَحْرِیمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِہِ وَاحْتِقَارِہِ وَدَمِہِ وَعِرْضِہِ وَمَالِہِ.

جائے گا۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ[1]: ایک آدمی کی برائی کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ کوئی کیسا ہی کیوں نہ ہو، پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس ہو، بالکل خستہ حال ہو، مال و دولت کچھ نہیں ہے، اس کی اس خستہ حالی کی وجہ سے شریعت اس کو حقیر سمجھنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتی۔

## آہ کہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: رُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ تَنْبُو عَنْهُ أَعْيُنُ النَّاسِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ[2] بہت سے ایسے لوگ ہیں جو پراگندہ بال، بکھرے ہوئے بال، میلے کچیلے کپڑے والے، دو معمولی چادریں پہنے ہوئے، جن پر لوگوں کی نگاہ ٹکتی نہیں ہے۔ معمولی کپڑا ہوتا ہے نا تو آدمی نگاہ ہٹا لیتا ہے، عمدہ کپڑا ہوتا ہے تو ذرا دیکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ لوگوں کی نگاہیں وہاں معمولی لباس کی وجہ سے ٹکتی نہیں ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا مقام یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم کھالے تو اس کو اس قسم میں بری کر دیں،

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، باب تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ وَخَذْلِهِ وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ وَعِرْضِهِ وَمَالِهِ.

(۲) ترمذی میں یہ حدیث الفاظ کی کچھ کمی بیشی کے ساتھ موجود ہے: كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ مِنْهُمُ الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ (عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، باب مَنَاقِبِ الْبَرَاءِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ۔) دلائل النبوۃ اور مسند ابی یعلی وغیرہ میں بھی یہ حدیث کسی قدر تغیر کے ساتھ مذکور ہے۔

انہی میں سے حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں، ان کے یہ بھائی ہیں، بہت سادہ، چھریرے بدن والے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ان کے متعلق فرمایا۔

## فقر کے ہیں معجزات تاج وسریر وسپاہ

روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی لشکر کئی دنوں سے تستر کا قلعہ فتح کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی، اس لشکر میں حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، لوگوں نے ان کو پکڑ لیا اور کہا کہ آپ کو دعا کرنی پڑے گی؛ کیوں کہ تمھارے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ: اگر وہ اللہ کے اوپر قسم کھالے یعنی اللہ کی قسم کھالے تو اللہ بری کر دے؛ اس لیے آپ کو دعا کرنی پڑے گی، چناں چہ انھوں نے دعا کی: اے اللہ! ان دشمنوں پر ہمیں فتح عطا فرما اور قلعہ کو فتح کرنے کی ہماری کوششوں کو کامیابی سے ہم کنار فرما اور مجھے تیرے حبیب سے ملا دے۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، جنگ ہوئی، یہ تو شہید ہو گئے لیکن قلعہ فتح ہو گیا(۱)۔

## جو فقر سے ہے میسر، تونگری سے نہیں

تو اللہ کے بہت سے بندے ہمیں معمولی معلوم ہوتے ہیں، ان کی حیثیت ہم لوگ سمجھتے نہیں ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کی حیثیت اور مقام بہت اونچا ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بصرے میں جھونپڑوں

میں آگ لگی اور بہت سارے جھونپڑے جل گئے، ایک جھونپڑا جو درمیان میں تھا، سلامت رہا، لوگوں نے اس کے مالک سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ تیرے آس پاس والے جھونپڑے جل گئے لیکن تیرا جھونپڑا بچ گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو قسم دی تھی کہ اے اللہ! میرا جھونپڑا جلنے نہ پائے۔ (فیض القدیر ۱۵/۴)

## کسی مخلوق کی تحقیر خالق کی تحقیر ہے

علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے لکھا ہے کہ بعض عارفین یہ نصیحت فرماتے تھے کہ اللہ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی حقیر مت سمجھو، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس کو پیدا کیا تو اس کی طرف توجہ فرمائی، تبھی تو وہ وجود میں آیا، اس سے پہلے تو وجود میں آ نہیں سکتا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی توجہ جس کی طرف مبذول فرمائیں، اس کا اندازہ آپ لگا سکتے ہیں۔ اب تم کون ہوتے ہو اس کو حقیر سمجھنے والے، اس کی تحقیر درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی تحقیر ہے۔ (فیض القدیر ۱۶/۴) جیسے کسی درزی نے ایک کپڑا بنایا، اس کے بنائے ہوئے کپڑے کو کوئی یوں کہے کہ بہت خراب سیا ہے تو کیا ہوگا؟ کس کی تحقیر ہوگی؟ کس کی توہین ہے؟ بنانے والے کی تحقیر ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کسی مخلوق کو حقیر سمجھنا– نعوذ باللہ– اللہ تبارک وتعالیٰ کی تحقیر ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی۔

## زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم ان کا شہر ہیں

شمائل میں واقعہ ہے، ایک صحابی تھے حضرت زاہر رضی اللہ عنہ، دیہات کے رہنے

---

(۱) البداية والنهاية ۹۹/۷، ذكر فتح تستر ثانية وأسر الهرمزان وبعثه إلى عمر بن الخطاب.

والے تھے، وہ بدصورت تھے، حسین وجمیل نہیں تھے، دیہات سے مدینہ منورہ آتے تھے تو جب آتے تھے تو دیہات کی جو چیزیں ہوتی ہیں: دودھ چھاچھ، گھی، سبزی، ترکاری وغیرہ وہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہدیے کے طور پر لے آتے تھے اور جب واپس جاتے تھے تو شہر کی چیزیں جن کی دیہات والوں کو ضرورت ہوتی ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو خرید کر دیا کرتے تھے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم ان کا شہر ہیں یعنی دیہات کے رہنے والے کو شہر کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ہم وہ پوری کرتے ہیں اور ایک شہر کے رہنے والے کو دیہات کی جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اس کو یہ زاہر پوری کرتے ہیں۔

## اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تم کم قیمت نہیں ہو

ایک مرتبہ دیہات سے کچھ چیزیں بیچنے کے لیے لائے تھے، وہ بیچ رہے تھے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیچھے سے آکر ان کی ''کولی'' بھرلی - آپ پیچھے سے جاکر جس طرح پکڑتے ہیں نا - اور ان کی آنکھیں بند کردیں۔ اب یہ ''کون ہیں؟ چھوڑو! کون ہیں، چھوڑو!'' کہہ رہے ہیں۔ یہ منظر سب لوگ دیکھ رہے ہیں۔ اتنے میں انھوں نے محسوس کیا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، پھر تو انھوں نے اپنی پیٹھ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینۂ مبارک کے ساتھ اور بھی زیادہ چپکانے کی کوشش کی، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مَنْ يَشْتَرِي منِي هَذَاالْعَبْدَ؟: کون ہے جو اس غلام کو مجھ سے خریدے؟ انھوں نے کہا: يَارَسُولَ اللّٰهِ إِذًاوَاللّٰهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ بحیثیت غلام کے

مجھ کو بیچیں گے تو چوں کہ میں تو بڑا بدصورت آدمی ہوں؛ اس لیے بہت کم قیمت آئے گی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں تم کم قیمت نہیں ہو(۱)۔

## خود کو کسی مخلوق سے بہتر سمجھنا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے

تو کسی کی ظاہری حالت کی وجہ سے شریعت اس کو کم سمجھنے کی اجازت نہیں دیتی، آج کل معاشرے میں ان گناہوں میں مبتلا ہو کر اللہ کے عذاب کو دعوت دی جا رہی ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں سے کسی ایک سے بھی بہتر سمجھا تو اپنی حماقت سے اس نے اپنے اعمال کو ضائع کیا(۲)۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر مسلمان سے فی الحال اور ہر کافر سے فی المآل اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہوں یعنی مسلمانوں سے تو فی الحال کمتر ہوں اور کافر سے مستقبل میں کمتر ہوں؛ اس لیے کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اسلام کی توفیق دے دے اور اس کا مقام مجھ سے بڑھ جائے؛ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے دل میں کسی کی تحقیر نہ لائی جائے۔

## حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لگاؤ

طبقات ابن سعد میں واقعہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جب

(۱) الشمائل للترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

(۲) احیاء العلوم ۲/ ۱۸۸

سورج غروب ہوا اور وہاں سے مزدلفہ کی طرف چلنے کا وقت آیا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اونٹ پر سوار روانگی کے لیے تیار ہیں لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کسی کا انتظار فرما رہے ہیں، اس وقت نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس یمن کے اونچے گھرانے، شاہی گھرانے کے کچھ لوگ تھے، وہ سوچنے لگے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس کا انتظار کر رہے ہیں؟ اتنے میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بہت لاڈلے تھے، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے تو ان کے صاحب زادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے لاڈلے تھے، "حِبُّ الرسول" ان کا لقب تھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لاڈلے، چہیتے اور عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی سواری پر انہی کو اپنے پیچھے بٹھاتے تھے، تو حجۃ الوداع کے موقع پر جب عرفات سے مزدلفہ کی طرف چلنے کا وقت آیا تو لوگوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انتظار کر رہے ہیں۔ اس وقت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ قضائے حاجت کے لیے گئے تھے، وہ فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے، یہ یمن کے شاہی گھرانے کے لوگ ان کو پہچانتے نہیں تھے، بہر حال! جب وہ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اپنے پیچھے بٹھایا اور روانہ ہو گئے۔

## اہلِ یمن کے فتنۂ ارتداد میں مبتلا ہونے کی وجہ

یہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بالکل چھریرے بدن کے تھے، ناک چپٹی، سیاہ فام یعنی سانولے رنگ کے تھے، دیکھنے میں کچھ زیادہ حسین نہیں تھے، ان کو دیکھ کر یمن کے

شاہی گھرانے کے لوگ کہنے لگے کہ ارے! ان کی وجہ سے ہم کو رکنا پڑا۔ اس واقعے کو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے صاحبِ طبقات نے نقل کیا ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد صاحبِ طبقات نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا جملہ نقل کیا ہے: وَلِذَا کَفَرَ اھلُ الیمنِ من أجل ذلک۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد پھیلا، بہت سے لوگ مرتد ہو گئے، تو فرماتے ہیں کہ یمن کے یہ قبیلے جو ارتداد میں مبتلا ہوئے، ان کے اس جملے کی وجہ سے مبتلا ہوئے۔ (یعنی انھوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر جب کہا تھا: ''ارے! ان کی وجہ سے ہم کو رکنا پڑا'' اس جملے کی نحوست کی وجہ سے ان کو ارتداد کے فتنے میں مبتلا ہونے کی نوبت آئی۔) صاحبِ طبقات کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ اپنے استاذ یزید بن ہارون – جو بہت بڑے محدث ہیں – کے سامنے بیان کیا تو انھوں نے اس کا یہی مطلب مجھ سے بیان فرمایا، معلوم ہوا کہ کسی کو حقیر سمجھنے کی وجہ سے انسان کو ایسے فتنوں میں بھی مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

## دین دار کسی بے دین کو حقیر نہ سمجھے

آج کل ایسا ہو رہا ہے کہ جو لوگ دین سے دور ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے وہ دین پر آتے ہیں لیکن دین پر آنے کے بعد وہ دوسرے لوگوں کو جو دین پر نہیں ہیں، ان کو حقیر سمجھتے ہیں، ان کے متعلق اپنے دلوں میں حقارت کا جذبہ رکھتے ہیں، اس سے اپنے آپ کو بہت زیادہ بچانے کی ضرورت ہے، اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں

گناہوں سے بچنے کی توفیق دی ہے تو یہ اس کا احسان ہے، اس کا کرم ہے، ہمارے کسی کمال کو اس میں دخل نہیں ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے کسی بھی بندے کو حقیر نہ سمجھا جائے، دل میں کسی بھی مسلمان کے متعلق غلّ وغش نہ ہو، میل نہ ہو۔

## متقدمین کے لیے متاخرین پر واجب حق

میں نے ایک تو آیت پیش کی تھی "وَالَّذِيْنَ جَاءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ" سورۂ حشر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہاجرین اور اس کے بعد انصار کا تذکرہ کر کے تیسرے نمبر پر فرمایا کہ جو ان کے بعد آئے، ان کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ یہ دعا کرتے ہیں: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ: اے اللہ! تو ہماری مغفرت فرما اور جو لوگ ہم سے پہلے ایمان لائے، ان کی بھی مغفرت فرما، وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا: اے اللہ! ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے متعلق کوئی میل مت رکھ۔ اس دعا کا مطلب سمجھتے ہوئے اس کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے۔

## دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی: يَا بُنَيَّ إِنْ قَدَرْتَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَلَيْسَ فِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ فَافْعَلْ: اے میرے پیارے بیٹے! اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ تم صبح وشام ایسی حالت میں کرو کہ تمھارے دل میں کسی کے متعلق میل نہیں ہے، کسی کا کینہ نہیں ہے، حسد نہیں ہے تو ایسا ضرور کرو، ثُمَّ قَالَ لِي: اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: يَا بُنَيَّ وَذٰلِكَ مِنْ سُنَّتِي: اے میرے پیارے

بیٹے! یہ میری سنت ہے، وَمَنْ أَحْيَا سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي: اور جس نے میری سنت کو زندہ کیا، اس نے مجھ سے محبت کی، وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِي فِي الجَنَّةِ: اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا(۱)۔

## دورِ رسالت کا ایک واقعہ

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ نے معارف القرآن میں مسندِ احمد کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ نبوی میں تشریف فرما ہیں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابھی ایک جنتی آدمی آرہا ہے۔ صحابہؓ چوکنے ہو گئے کہ دیکھو! کون آرہا ہے؟ ایک صحابی داخل ہوئے، تازہ وضو کیا ہوا تھا، پانی ٹپک رہا تھا، بائیں ہاتھ میں جوتے پکڑے مسجد میں آئے اور ایک کونے میں دو رکعت تحیۃ المسجد کی نیت باندھی اور نماز سے فارغ ہو کر مجلس میں شریک ہو گئے، ان کو پتہ نہیں کہ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ بات آئی گئی ہو گئی۔ دوسرے دن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح تشریف فرما ہیں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور آپ نے فرمایا: ابھی ایک جنتی آدمی آرہا ہے۔ وہی صحابی رضی اللہ عنہ، کل والی حالت میں، وضو کیا ہوا تھا، پانی ٹپک رہا تھا، بائیں ہاتھ میں جوتے پکڑے مسجد میں آئے اور کل ہی کی طرح دو رکعت تحیۃ المسجد کی ادا کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں آ کر

(۱) سنن الترمذی، باب مَا جَاءَ فِی الأَخْذِ بِالسُّنَّةِ وَاجْتِنَابِ الْبِدَعِ.

شریک ہوگئے۔ ان کو پتہ نہیں کہ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات فرمایا ہے۔ تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔

## دل کا کینے سے خالی ہونا جنت میں داخلے کا باعث ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، انھوں نے سوچا کہ آخر ان میں ایسا کون سا کمال ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن سے ان کے متعلق جنتی ہونے کی بشارت دے رہے ہیں، اس کی تحقیق ہونی چاہیے، انھوں نے باہر آ کر ان سے کہا کہ آج میرا گھر والوں کے ساتھ کچھ ناگواری کا معاملہ ہوگیا ہے، میں نے سوچا ہے کہ میں تین دن تک گھر نہیں جاؤں گا، کیا آپ مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دیتے ہیں؟ انھوں نے اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں تین دن ان کے ساتھ رہا اور ان کے اعمال کو بغور دیکھتا رہا کہ ان کا کون سا عمل ایسا ہے جو ان کو جنتی ٹھہرا رہا ہے، کہتے ہیں کہ تین دن رات ان کے ساتھ رہ کر میں نے خوب نگرانی کی لیکن کوئی ایسا عمل مجھے نظر نہیں آیا جس کے متعلق میرا دل یوں کہے اور گواہی دے کہ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق یہ بشارت دی ہے، بالآخر انھوں نے کہا کہ بھائی! دیکھو، میرا گھر والوں کے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں تھا لیکن تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جملہ ارشاد فرماتے رہے کہ ''ابھی ایک جنتی آدمی آرہا ہے'' اور تینوں دن تم ہی آتے رہے تو میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آخر تمھارا وہ کون سا عمل ہے جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں یہ بشارت سنائی، میں تین دن رات

تمھارے ساتھ رہا لیکن مجھے تمھارا ایسا کوئی عمل نظر نہیں آیا۔ ایک عام مسلمان جس طرح پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے، ویسا ہی تم کرتے ہو، کوئی خاص عمل تو مجھے نظر نہیں آیا جس کے متعلق میرا دل یوں گواہی دے کہ اس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمھیں یہ بشارت دی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے۔ انھوں نے کہا کہ تم نے دیکھ تو لیا کہ میرے اندر ایسا کوئی عمل نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں مایوس ہو کر لوٹ رہا تھا کہ انھوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ ایک بات ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے متعلق میل نہیں رکھتا ہوں۔ تو انھوں نے کہا کہ بس یہی وہ عمل ہے کہ جس کی وجہ سے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بشارت سنائی ہے[1]۔

## وہ دل کہ جس میں سوزِ محبت نہیں ہے ذوق

کتنا سستا سودا ہے جنت میں جانے کا! نہ رات بھر عبادت کرنے کی ضرورت ہے، نہ دن بھر روزہ رکھنے کی ضرورت ہے، بس اپنے دل کو ہر مسلمان کی طرف سے پاک صاف رکھو۔ یہ دل اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی محبت کے لیے عطا فرمایا ہے، اس طرح کا کوڑا کباڑ رکھنے کے لیے یہ دل نہیں بنایا ہے، یہ تو پاکیزہ چیز ہے، اس میں بس اللہ کی محبت آنی چاہیے۔

## دل بدست آور کہ حجِّ اکبر است

حضرت ابودُجانہ رضی اللہ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں، غزوۂ احد کے موقع پر بڑے

(۱) شعب الإيمان، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابٌ فِي الْحَثِّ عَلَى تَرْكِ الْغِلِّ وَالْحَسَدِ.

کارنامے انجام دیئے تھے، ایک مرتبہ بیمار ہوئے تو لوگ ان کی خبر لینے کے لیے آئے، دیکھا کہ ان کا چہرہ بہت چمک رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ کا چہرہ بہت چمک رہا ہے، کون سا ایسا عمل ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس ایسا تو کوئی عمل ہے نہیں کہ جس پر میں اعتماد کروں، البتہ میں اپنی زبان سے کوئی فضول بات نہیں نکالتا اور میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے متعلق کوئی میل نہیں رکھتا، یہ دو چیزیں ہیں (۱)۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں آج اپنے قلوب کو ہر مسلمان کی طرف سے پاک صاف رکھنے کی ضرورت ہے، کوئی غلّ وغش اور میل کچیل اس کے متعلق نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ رحمہ اللہ، ۱/ ۲۰۵.

# دنیوی مال ومتاع اور اس کے حقوق

بمقام: کوسمبا، جامع مسجد

بوقت: ۱۹/ ۴/ ۲۰۱۳

# اقتباس

اور ڈر ایک تو درندے وغیرہ موذی چیزوں کا ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہے بلکہ ایسا ڈر مراد ہے جو ایک چھوٹے کو بڑے سے ہوتا ہے: بیٹے کو اپنے باپ کا ڈر ہوتا ہے، شاگرد کو اپنے استاذ کا ڈر ہوتا ہے، مرید کو اپنے شیخ کا ڈر ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس تصور سے اس کو ڈر لگتا ہے، کوئی چھوٹا بچہ کوئی نامناسب کام کرنے جارہا ہو اور اس کو یہ خیال آجائے کہ اگر میرے ابّا مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ کوئی شاگرد کوئی نامناسب کام کرنے جارہا ہو اور اس کو یہ خیال آجائے کہ اگر میرے استاذ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس خیال سے وہ اپنے آپ کو اس حرکت سے باز رکھتا ہے۔ اس طرح کا خیال اور ڈر یہاں مراد ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا ایسا استحضار اور ڈر ہو کہ جب بھی گناہ اور نافرمانی کا کام کرنے جائے تو اللہ کے دیکھنے کے ڈر سے اپنے آپ کو اس گناہ سے بچالے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، و من يضلله فلا هادي له، و نشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له و نشهد أن سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله، أرسله إلى كافّة الناس بشيرا و نذيرا، و داعيا إلى الله بإذنه و سراجا منيرا، صلى الله تعالىٰ عليه و على آله و أصحابه و بارك و سلّم تسليما كثيرا كثيرا، أما بعد:

فَعَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُبَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَمِّهِ، قَالَ: كُنَّا فِي مَجْلِسٍ، فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ وَعَلَى رَأْسِهِ أَثَرُ مَاءٍ، فَقَالَ لَهُ بَعْضُنَا: نَرَاكَ الْيَوْمَ طَيِّبَ النَّفْسِ، فَقَالَ: أَجَلْ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى، فَقَالَ: لَا بَأْسَ بِالْغِنَى لِمَنِ اتَّقَى، وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقَى خَيْرٌ مِنَ الْغِنَى، وَطِيبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيمِ(۱). أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

## حدیث شریف کی تشریح

یہ مشکوۃ شریف کی ایک روایت ہے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھی گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور نبی کریم

---

(۱) سنن ابن ماجه، بَابُ الْحَثِّ عَلَى الْمَكَاسِبِ.

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور آپ کے سرِ مبارک کے اوپر پانی کا اثر تھا، گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تازہ غسل کر کے تشریف لائے تھے، وہ صحابی کہتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: نَرَاكَ الْيَوْمَ طَيِّبَ النَّفْسِ: ہم آپ کو خوش وخرم اور ہشاش بشاش دیکھ رہے ہیں، آپ کے مزاجِ مبارک میں غم وحزن کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: أَجَلْ: جی ہاں! روایت کرنے والے صحابی فرماتے ہیں: ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو آ کر صحابۂ کرام کے درمیان بیٹھ گئے، اس کے بعد صحابہ آپس میں مال داری کا چرچا کرنے لگے۔

## صحابۂ کرام کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہوتے تھے تو اپنی غایتِ تواضع کی وجہ سے آپ صحابہ کے درمیان کھلے ملے رہتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت شمائل کے اندر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوتے تھے تو ہمارے ساتھ کھلے ملے رہتے تھے، ہمارے درمیان تشریف فرما ہونے کی حالت میں کوئی ایسا انداز اختیار نہیں فرماتے تھے جس کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا ممتاز ہونا ثابت کریں۔ بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ دو آدمیوں کے درمیان ہوں تو وہ ایسی کوئی نہ کوئی شکل اختیار کرتے ہیں جس سے ان کا بڑا ہونا ثابت ہو کہ یہ کوئی وی آئی پی (v.i.p) شخصیت ہے۔

## نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ساری کائنات کا سردار اور سید الرسل بنایا تھا، اس کے باوجود حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاج میں اس قدر تواضع پائی جاتی تھی کہ صحابہ کے درمیان تشریف فرما ہونے کی حالت میں بھی کبھی ایسا کوئی انداز اختیار نہیں فرماتے تھے کہ جس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان سے الگ سا اور ممتاز سا ہونا معلوم ہو بلکہ سفر کے اندر بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی انداز رہتا تھا کہ سفر کے اندر اگر کوئی کام ہوتا اور اس کو صحابہ کے درمیان تقسیم فرماتے تو اس میں سے کوئی کام نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے بھی تجویز فرماتے، حالاں کہ حضراتِ صحابہ کو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو عشق ومحبت تھی، اس کے پیشِ نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راحت پہنچانے کے لیے وہ حضرات ہر وقت تیار رہتے تھے لیکن نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو ان حضرات کے درمیان گھلا ملا رکھتے تھے۔

## چرچا تیرے اخلاق کا ہے روئے زمین پر

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت شمائل کے اندر ہے: جَالَسْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ: کہ میں سو سے زیادہ مجلسوں میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اشعار کی لے دے کرتے تھے اور زمانۂ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ کیا کرتے تھے اور اور اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے تھے، بلکہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش تشریف

فرما ہوتے۔آگے فرماتے ہیں: وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ: اورصحابہ کی اس آپسی گفتگو کے درمیان ان کی کوئی بات سن کر نبیِ کریم ﷺ کبھی مسکرا بھی دیتے تھے[1]۔گویا آپ ﷺ کی یہ خاموشی ناگواری کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی، بعض مرتبہ لوگوں کی خاموشی ناگواری کے اظہار کے طور پر بھی ہوتی ہے لیکن یہ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ کا لفظ بتلا رہا ہے کہ آپ ﷺ کی یہ خاموشی ناگواری کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی؛ چوں کہ آپ ﷺ اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے؛اس لیے آپ اس گفتگو میں حصہ نہیں لیتے تھے لیکن صحابہ کی اس گفتگو پر آپ ﷺ کو ناگواری بھی نہیں ہوتی تھی۔

## حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی زبان سے
## نبیِ کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا بیان

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ آئے،انھوں نے ان سے نبیِ کریم ﷺ کے متعلق سوال کیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبیِ کریم ﷺ کا پڑوسی تھا اور جب آپ ﷺ پر کوئی وحی آتی تھی تو آپ اس کو لکھنے کے لیے مجھ کو یاد فرمایا کرتے تھے اور ہم لوگ نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر اگر دنیا کا تذکرہ کرتے تھے تو نبیِ کریم ﷺ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا تذکرہ کرتے تھے اور اگر ہم لوگ نبیِ کریم ﷺ کے پاس بیٹھ کر آخرت کا تذکرہ تو نبیِ کریم ﷺ بھی آخرت کا تذکرہ فرماتے اور ہم لوگ نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر کبھی کھانے پینے کا تذکرہ

(۱)شمائلِ ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّعْرِ.

کر دیتے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ساتھ اس میں بھی شریک ہوجاتے تھے (۱)۔

## آج مال کو جملہ اقدار کا ضامن بنا دیا گیا ہے

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں اس طرح کی باتیں بھی ہوتی تھیں، چنانچہ اس روایت کو نقل کرنے والے صحابی فرماتے ہیں کہ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آکر ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے تو خَاضَ الْقَوْمُ فِي ذِكْرِ الْغِنَى: صحابہ کے درمیان مال داری کا چرچا شروع ہوگیا۔ یہ مال داری ہر زمانے میں موضوعِ بحث رہی ہے، ہم آج کل جس دور سے گذر رہے ہیں، اس میں ثروت اور دولت کو وہ مقام دے دیا گیا ہے کہ اسی پر عزت احترام کا مدار ہے، ساری قدریں اسی سے متعلق ہوکر رہ گئی ہیں، ایک زمانہ تھا، جب آدمی کی قدر وقیمت اس کے اخلاقِ عالیہ اور عاداتِ حسنہ کے اعتبار سے لگائی جاتی تھی کہ اس کا علم کیسا ہے، عمل کیسا ہے، تقوی اور طہارت کیسی ہے، امانت ودیانت میں کیسا ہے، ان چیزوں کو دیکھا جاتا تھا۔ خاندانوں میں بھی جب بچیوں کے رشتے کی بات آتی تھی تو کوئی بڑے سے بڑا مال دار ہو لیکن اس کے خاندان میں وہ خوبیاں نہیں ہوتیں جو ماں باپ کو مطلوب ہوتیں تو اس کو لڑکی نہیں دی جاتی تھی۔

## گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی

آج معاملہ الٹ گیا، قدریں الٹ گئیں، آج جن چیزوں سے آدمی کی قدر وقیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے، اس کو بڑا سمجھا جاتا ہے، وہ مال ہے، مال ہی سب کچھ ہوکر

(۱) شمائلِ ترمذی، بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

کے رہ گیا ہے،﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾[الأعلی:۱۶، ۱۷] کہ تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالاں کہ آخرت کی زندگی بہتر اور زیادہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ آج مال کو ایسا مقام حاصل ہوگیا ہے کہ کسی کے پاس دو پیسے ہیں تو لوگ اس کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں اور اگر اس کے پاس پیسے نہیں تو وہ بے چارہ اگر سلام کرے گا تو کوئی اس کے سلام کا جواب دینے کے لیے بھی تیار نہیں، اس کو اس قابل بھی نہیں سمجھا جاتا کہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے، یہ سب وہ شکلیں ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو معاشرہ دنیا کو دیا تھا، اس کے ساتھ اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔

## تقویٰ کے ساتھ مال داری بری نہیں ہے

تو راوی کہتے ہیں کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں صحابہ کے درمیان مال داری کا تذکرہ ہوا، جب مال داری کا تذکرہ ہوا تو ضروری تھا کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی اس سلسلے میں رہنمائی کرتے، چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ: نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لاَ بَأْسَ بِالْغِنَی لِمَنِ اتَّقَی: جو آدمی اللہ عزوجل سے ڈرے، اس کے حق میں مال داری میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دیکھو! مال داری کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی بہت اونچا مقام نہیں دیا بلکہ لاَ بَأْسَ فرمایا یعنی کوئی حرج نہیں ہے، ایسا نہیں کہ معاشرے اور سماج میں مال داری کی وجہ سے اس کا مقام دوسروں کے مقابلے میں بڑھ جائے، جیسے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ جمیلہ کی وجہ سے ایک آدمی قابلِ تعریف بن جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے ایسا نہیں فرمایا، بس اس کے اوپر جو پابندی تھی، اس کو ذرا ہٹالیا، بس اتنا کہہ دیا گیا:
لاَ بَأْسَ بِالْغِنَی لِمَنِ اتَّقَی کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے، تقویٰ اختیار کرے، تقویٰ کے ساتھ اگر مال داری اور غنا ہے تو پھر کوئی حرج کی بات نہیں ہے، **معلوم ہوا** کہ اگر تقویٰ کے بغیر ہے تو وہ تو آدمی کے لیے ہلاکت کا ذریعہ ہے۔

## تقویٰ کا مفہوم

اب مال داری کے باب میں تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ تقویٰ کی تعریف وتشریح مختلف موقعوں پر مختلف الفاظ سے کی جاتی ہے، خلاصہ اس کا اتنا ہے کہ آدمی کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایسا ڈر ہو جو اس کو ہر معاملے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی سے باز رکھے۔ تقوے کا ترجمہ ڈر سے بھی کرتے ہیں، پرہیز سے بھی کرتے ہیں۔ پرہیز کا مطلب ہے گناہوں سے پرہیز۔

## اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب

اور ڈر ایک تو درندے وغیرہ موذی چیزوں کا ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہے بلکہ ایسا ڈر مراد ہے جو ایک چھوٹے کو بڑے سے ہوتا ہے: بیٹے کو اپنے باپ کا ڈر ہوتا ہے، شاگرد کو اپنے استاذ کا ڈر ہوتا ہے، مرید کو اپنے شیخ کا ڈر ہوتا ہے کہ اگر وہ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس تصور سے اس کو ڈر لگتا ہے، کوئی چھوٹا بچہ کوئی نامناسب کام کرنے جا رہا ہو اور اس کو یہ خیال آجائے کہ اگر میرے ابّا مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ کوئی شاگرد کوئی نامناسب کام کرنے جا رہا ہو اور اس کو یہ خیال آجائے کہ

اگر میرے استاذ مجھے اس حالت میں دیکھ لیں گے تو کیا ہوگا؟ اس خیال سے وہ اپنے آپ کو اس حرکت سے باز رکھتا ہے۔ اس طرح کا خیال اور ڈر یہاں مراد ہے کہ بندے کو ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا ایسا استحضار اور ڈر ہو کہ جب بھی گناہ اور نافرمانی کا کام کرنے جائے تو اللہ کے دیکھنے کے ڈر سے اپنے آپ کو اس گناہ سے بچالے۔

## مال داری کے باب میں تقویٰ کا مطلب

تو مال داری کے باب میں تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ مال داری کے باب میں تقویٰ کے اندر چار چیزیں داخل ہیں: (۱) مال کو حلال طریقے سے حاصل کرے۔ شریعتِ مطہرہ میں مال کو حاصل کرنے کے لیے جو جائز طریقے بتلائے ہیں، ان طریقوں سے اگر مال حاصل کرتا ہے، تب تو ٹھیک ہے اور اگر شریعت کے منع کیے ہوئے طریقے اپناتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، کسی کے ساتھ غدر اور مکاری سے کام لیتا ہے، خرید وفروخت کے اندر عیب کو چھپا رہا ہے، ایسی کوئی بھی شکل اور تدبیر جو اس کے مال کو حلال سے نکال کر حرام میں لے جانے کا ذریعہ بن سکتی ہو، شریعت اس کو تقویٰ کے خلاف قرار دیتی ہے۔

## اسلام میں کسبِ حلال کی اہمیت

حلال کی بڑی اہمیت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: طَلَبُ الْحَلالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ[۱]: کہ اسلام کے بنیادی

(۱) المعجم الكبير للطبراني.

فرائض: نماز، روزہ وغیرہ کے بعد ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ آدمی حلال روزی حاصل کرے، آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، اس میں یہ چیزیں دھیرے دھیرے ختم ہوتی جارہی ہے اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی بخاری شریف کے اندر ہے: يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلاَلِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ(۱) ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ آدمی جہاں سے مال حاصل کرے گا، اس کے متعلق اس بات کی پروا نہیں کرے گا کہ کہاں سے آیا ''بس مجھے تو مال چاہیے، پیسے چاہیے'' یہی اصول ہوگا۔

## کمائی کے باب میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

ایک وقت وہ تھا کہ حلال کا اتنا اہتمام کیا جاتا تھا کہ اس کے خاطر لوگ بڑی بڑی قربانیاں دے دیتے تھے ہمارے اکابر کے قصے اس سلسلے میں ملتے ہیں۔ امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی کپڑوں کی تجارت تھی، آپ کے ایک شریک تھے، ان کا نام حفص بن عبدالرحمٰن تھا، ایک مرتبہ کپڑوں کے چند تھان ان کے پاس بھیجے اور ساتھ میں کہلوایا کہ فلانے تھان کے اندر یہ عیب ہے، جس کو بھی بیچو، بوقتِ فروخت اس کو یہ عیب بتلا دینا۔ اتفاق کی بات کہ وہ بیچتے وقت بتلانا بھول گئے، قصداً انھوں نے چھپایا نہیں تھا، اس پورے تھان کی قیمت بیس ہزار درہم تھی۔ وہ لے کر آئے تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ وہ عیب تم نے بتایا تھا، انھوں نے جواب دیا کہ وہ تو میں بتانا بھول گیا، آپ نے خریدار کو تلاش کیا لیکن وہ ملا نہیں تو پورے بیس ہزار درہم صدقہ کر دئے، اس میں

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب من لم يبال من حيث كسب المال.

سے ایک پائی بھی خرچ کرنا گوارا نہیں کیا، ''۶۳'' یا ''۶۵'' کیلو کے قریب چاندی ہوتی ہے تو یہ پہلی شرط ہوئی کہ مال داری میں تقوی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے پہلا کام یہ ہے کہ حلال طریقوں سے کمائی کا اہتمام ہو۔

## قیامت کے دن پانچ چیزوں کے متعلق سوال ہوگا

شریعت اس کی تاکید کرتی ہے کہ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهِ فِيمَا أَبْلَاهُ وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ وَمَاذَا عَمِلَ فِيمَا عَلِمَ [1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن انسان کے قدم اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا: (۱) زندگی کے متعلق کہ کہاں گنوائی (۲) جوانی کے متعلق کے جوانی کے قیمتی سرمایے کو کہاں استعمال کیا۔ اور مال کے متعلق دو سوال ہوں گے: مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ (۳) کہاں سے کمایا (۴) کہاں خرچ کیا۔

## مال کے باب میں دوسری شرط

چناں چہ مال کے باب میں تقوے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دوسری شرط یہی ہے کہ آدمی اسراف سے کام نہ لے، مال کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی میں

---

(۱) سنن الترمذی، باب فِی الْقِيَامَةِ.

استعمال نہ کرے، جتنی ضرورت ہے، اس کے مطابق استعمال کرے، ضرورت سے زیادہ استعمال نہ کرے۔ یہاں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے اور یوں کہتے ہیں کہ ہم نے حلال طریقے سے کمایا ہے، ہم مالک ہیں، ہم جس طرح چاہیں، استعمال کر سکتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے، شریعت ہمیں بتلاتی ہے کہ ہم اس مال کے مالک نہیں ہیں بلکہ یہ مال ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک امانت ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جس طرح خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طریقے کے مطابق ہمیں خرچ کرنا ہے، اگر ضرورت سے زیادہ اس کو استعمال کریں گے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نافرمانی ہوگی۔

## اچھے کاموں میں بھی ضرورت سے زیادہ کا استعمال اسراف ہے

اسلام نے اسراف سے بچنے کے سلسلے میں بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ تشریف لے جارہے تھے، حضرت سعد رضی اللہ عنہ وضو کر رہے تھے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ پانی کا استعمال کچھ زیادہ ہی ہو رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: مَا هٰذَا السَّرَفُ يَا سَعْدُ: اے سعد! یہ پانی کا زیادہ استعمال اور فضول خرچی کیسی! تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ جواب میں عرض کرتے ہیں: أَفِي الْوُضُوءِ سَرَفٌ؟ اے اللہ کے رسول! کیا وضو میں بھی سرف ہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: نَعَمْ وَإِنْ كُنْتَ عَلَى نَهْرٍ جَارٍ [1] جی ہاں! تم بہنے والی نہر پر بیٹھ

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِي رضی اللہ عنهما، بَابُ مَا جَاءَ فِي الْقَصْدِ فِي الْوُضُوءِ وَكَرَاهِيَةِ التَّعَدِّي فِيهِ.

کر وضو کرو گے تو بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرو گے تو وہ فضول خرچی کہلائے گی، حالاں کہ وضو تو ایک عبادت ہے اور ایک بہت بڑی عبادت کا ذریعہ ہے، اس میں پانی تک کے معاملے میں شریعت زیادہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو دوسری ضرورتوں میں اس کی اجازت کہاں سے ہو سکتی ہے؟

## شادیوں میں ہونے والی فضول خرچیاں

آج شادیوں میں لوگ بے دریغ خرچ کرتے ہیں، شادیوں کے جو دعوت نامے تیار کیے جاتے ہیں، یہ معاملہ ہی عجیب ہے۔ چلیے! ٹھیک ہے، آپ مصروفیت کی وجہ سے بالمشافہہ دعوت نہیں پہنچا سکتے تو سادہ کاغذ پر لکھ کر بھی دعوت پہنچا سکتے ہیں لیکن نہیں، ہم غیروں کے دیکھا دیکھی یہ ساری حرکتیں کرتے ہیں۔ باقاعدہ لفافہ ہوتا ہے، اس کے اندر ایک دوسرا لفافہ ہے اور اس میں وہ کاغذ ہے پھر لفافے کے اوپر بھی پتہ نہیں کیا کیا موتی وغیرہ جڑے جاتے ہیں اور ایک ایک دعوت نامہ سو، دو سو روپیے میں تیار ہوتا ہے، ہزار آدمیوں کو دعوت دیں گے اور ایک دعوت نامہ سو روپیہ کا ہو گا تو بتلائیے، اس پر ہی کتنا خرچہ آ جائے گا! کیا شریعت اس کی اجازت دے سکتی ہے؟ اور پھر کھانے کے معاملے اور دوسرے معاملات میں بے انتہا فضول خرچیاں ہوتی ہیں۔ یہ مال اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک امانت ہے، اگر ہم اس کو اس طرح بے جا خرچ کریں گے تو کل اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کا جواب دینا پڑے گا۔

## حضراتِ صحابہؓ اور فضول خرچیوں سے اجتناب کا اہتمام

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اپنے آپ کو فضولی خرچی سے بچانے کا بڑا اہتمام تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک آدمی اپنی ضرورت لے کر آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی آدمی آپ کے پاس اپنی ضرورت لے کر آتا تو اگر آپ کے پاس اس کی ضرورت پوری کرنے کا سامان ہوتا تو پورا فرماتے، اگر نہ ہوتا تو یوں فرما دیتے کہ تم قرض لے لو، بعد میں ہم تمھارا قرض ادا کر دیں گے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کا جذبۂ جود وسخا

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بہت زیادہ مال آیا اور آپ نے وہ سارا مال صبح سے لے کر شام تک تقسیم فرما دیا، تقسیم ہو چکنے کے بعد ایک آدمی آیا اور اپنی حاجت پیش کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ بچا نہیں تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم قرض لے لو، بعد میں ہم تمھارا قرض ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس کے اندر موجود تھے، انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! جب تک آپ کے پاس مال تھا، آپ نے کسی کو منع نہیں کیا، اب جب آپ کے پاس مال نہیں رہا تو آپ یہ تکلیف اپنے سر پر کیوں لیتے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناگوار معلوم ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور سے اس کا اندازہ ہوا، یہ منظر دیکھ کر ایک انصاری صحابی یہ کہنے لگے: يَا رَسُولَ اللهِ بِأَبِي وَأُمِّي أَنْتَ، فَأَعْطِ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، خرچ کیجیے اور عرش والے کی

طرف سے کسی کمی کا اندیشہ نہ کیجیے۔ جب ان انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ کہا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور خوشی سے کِھل اٹھا اور فرمایا: بِهَذَا أُمِرْتُ: مجھے اللہ تعالیٰ نے اسی کا حکم دیا ہے(۱)۔

## دوسروں کی حاجت روائی کا نبوی طریق

دوسروں کی حاجت روائی کا ایک تیسرا طریقہ بھی تھا کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھار اپنے خوش حال صحابہ میں سے کسی کے پاس بھیج دیتے، چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا: ایک آدمی اپنی ضرورت لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کچھ تھا نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاؤ، چناں چہ وہ آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اب اتفاق کی بات کہ مغرب کا وقت تھا، جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس پہنچا تو اس نے کچھ اونچی آواز سنی، گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ناراضگی کے ساتھ اپنے گھر والوں کو کسی بات پر ٹوک رہے تھے، اس نے سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ تم نے چراغ کی بتّی اتنی اونچی کیوں رکھی؟ جس کی وجہ سے تیل زیادہ جلتا ہے۔ یہ جملہ اس کے کان میں پڑا تو وہ ایک دم وہیں ٹھٹھک کر رک گیا اور سوچنے لگا کہ جو آدمی چراغ کی بتی ذرا اونچی رکھنے پر اپنی بیوی کو اس قدر ناراضگی کے ساتھ ٹوکتا ہو اور بیوی بھی کون؟ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی! وہ مجھے کیا دے گا! یہ کچھ کہے بغیر واپس آ گیا۔

---

(۱) مسند البزار، عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ عَنْ أَبِيهِ.

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے پر جان لٹانے والے

دوسرے دن جب یہ شخص نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو بڑوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی ضرورت کے لیے کسی کو کسی کے پاس بھیجتے ہیں تو بعد میں اس کی رپورٹ بھی طلب کرتے ہیں تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تمھاری حاجت کا کیا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا ہی نہیں، پوچھا کہ کیوں نہیں کہا؟ تو انھوں نے وجہ بتلائی۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ تاکید کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، چوں کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکید تھی؛ اس لیے وہ گیا اور جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کی تو انھوں نے اس کی حاجت اور امید سے بھی زیادہ دیا، جب وہ دے چکے تو اس نے سارا قصہ بیان کیا کہ کل ایسا ہوا تھا؛ اس لیے میں تو واپس چلا گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم نے سمجھا ہی نہیں، ہم تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشا پر چلنے والے ہیں، جہاں آپ نے منع کیا، وہاں ایک پائی بھی خرچ نہیں کریں گے، اور جہاں آپ نے خرچ کرنے کا حکم دیا وہاں ہم اپنی سارا مال ومتاع لٹا دیں گے۔

## تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

آج ہمارا معاملہ بالکل الٹ گیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، ہم وہاں ایک پائی بھی خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور جہاں خرچ کرنے سے منع کیا، وہاں مال لٹا رہے ہیں۔ پیرانِ پیر شاہ عبد القادر

جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کسی کا مال خرچ ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اس سے اندازہ لگالیتا ہوں کہ کہاں سے آیا ہے یعنی غلط طریقے سے خرچ ہورہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غلط طریقے سے آیا ہے۔

## فضول خرچی عقل کے اعتبار سے بھی بری ہے

تو مال داری میں تقویٰ کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دوسری شرط یہ ہے کہ آدمی اسراف اور فضول خرچی نہ کرے۔ یہ آج کل بہت عام ہوگیا ہے۔ اس سلسلے میں دو لفظ قرآن وحدیث میں آتے ہیں: (۱) اسراف (۲) تبذیر، اسراف کا مطلب یہ ہے کہ جائز ضرورت میں ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے اور تبذیر کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کے کام میں خرچ کیا جائے، یہ دونوں ہی ممنوع ہیں، مثلاً کوئی شخص ایک کے بجائے دو دو کرتے پہن کر آئے تو آپ کیا کہیں گے؟ کہ یہ پاگل معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت ایک سے پوری ہورہی تھی تو ضرورت سے زیادہ کپڑے پہننے پر آپ اس کی عقل پر سوالیہ نشان لگا رہے ہیں، اس کے علاوہ تو اس نے کوئی قصور نہیں کیا ہے کہ اس کو پاگل کہا جائے تو یہ فضول خرچی عقل کے اعتبار سے بھی بری ہے، شریعت نے ہر طرح کی فضول خرچی سے منع کردیا ہے تو یہ دوسری شرط ہے۔

## مال داری کی تیسری شرط

تیسری شرط یہ ہے کہ مال بذاتِ خود مقصود نہ ہو بلکہ اپنے ماتحتوں اور متعلقین کے حقوق کی ادائیگی کی نیت سے کمائے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیوی بچوں کا، ماں باپ

کا، رشتہ داروں کا، محتاجوں کا بندے پر حق لاگو کیا ہے، ان کے بہت سارے حقوق ہیں تو جب کمائے تو دل میں یہ نیت ہو کہ میں اس لیے کمارہا ہوں کہ ان سارے حقوق کو ادا کرسکوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں نقل کی ہے کہ جو شخص اپنے اہل وعیال کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کماتا ہے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے (۱)۔ اس لیے اس نیت سے کمانا چاہیے، مال جمع کرنا مقصود نہ ہو۔

## احسان جتلانے سے احتراز بھی ضروری ہے

نیز جن لوگوں کی ضرورتیں پوری کررہا ہے، جن کے حقوق ادا کررہا ہے، ان کے ساتھ احسان جتانے کا معاملہ نہ ہو۔ آج یہ احسان جتانا بہت عام ہوگیا ہے، اچھے اچھے دین دار لوگ ذرا سی اونچ نیچ ہوجانے پر زندگی بھر کا عمل ضائع کردیتے ہیں، بھائی کے ساتھ کوئی ناراضگی ہوگئی تو سب کے سامنے کہتا پھرے گا کہ ''میں نے اس کا مکان بنا دیا، دوکان بنوادی، فلاں کام کرادیا اور آج میرے ساتھ یہ سلوک کررہا ہے'' یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی نیکی کو برباد کررہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾ [البقرة:٢٦٤]

پھر یہ احسان جتلانا تو کبیرہ گناہ ہے، شبِ قدر اور شبِ برات جیسی راتیں جن میں بڑے بڑے گناہ گاروں کو بخشا جاتا ہے، ان راتوں میں جن گناہ گاروں کا بخشش

(۱) أخرجه الطبراني في الأوسط من حديث أبي هريرة. (إحياء علوم الدين ٢/ ٨٩)

سے استثنا کیا گیا ہے، ان میں یہ بھی ہے لیکن ہمیں اس کی کوئی پروانہیں ہے؛ اس لیے اپنی نیکیوں کو بچانے کا اہتمام کرو، نفس میں تو ابال اور اشتعال آتا ہے لیکن سمجھ داری سے کام لینے کی ضرورت ہے، بہر حال! یہ ہرگز نہ سمجھے کہ میں اس کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہوں، یہ بیٹھا بیٹھا کھاتا ہے، آج کل یہ ہوتا ہے کہ بڑا بھائی کمار ہا ہے اور چھوٹے بھائی ابھی کمائی کی عمر کو پہنچے نہیں ہیں، اسکول، مدرسے جارہے ہیں، گھومنے پھیرنے کے لیے بائیک بھی لے رکھی ہے تو بڑے بھائی کی بیوی ان کو طعنے دیتی ہوئے کہتی ہے کہ دن بھر آوارہ گھومتے رہتے ہو، کچھ کام دھندا نہیں کرتے تو ایسی شکلوں کو شریعت میں پسند نہیں کیا گیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کمزوروں کی برکت سے روزی دیتے ہیں

ترمذی شریف کے اندر روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں دو بھائی تھے، ایک کاروبار کرتا تھا اور دوسرا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری دیتا تھا تو پہلا بھائی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور دوسرے بھائی کی شکایت کی کہ یہ کچھ کرتا نہیں بیٹھا بیٹھا کھاتا ہے، کاروبار میں حصہ نہیں لیتا تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ: ممکن ہے کہ تم کو اس کی وجہ سے روزی ملتی ہے[1]۔ دوسری حدیث میں ہے: إِنَّمَا تُرْزَقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضُعَفَائِكُمْ: کہ تم کو تمھارے کمزوروں کی وجہ سے روزی ملتی ہے اور تمھاری مدد کی جاتی ہے[2]۔ ایک تو وہ چیز ہے جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور دوسری وہ چیز ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زبانِ مبارک سے ہمیں

---

(۱) سنن الترمذي، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب فِي التَّوَكُّلِ عَلَى اللهِ.
(۲) سنن ابی داود، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، باب فِي الِانْتِصَارِ بِرَذْلِ الْخَيْلِ وَالضَّعَفَةِ.

بتلا رہے ہیں، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں کو جھٹلا دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو فرما رہے ہیں، اس پر ایمان لاویں۔ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ یہ روزی دے رہا ہے، اس کے ذریعہ سے روزی ملتی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما رہے ہیں کہ روزی اس کے ذریعہ سے مل رہی ہے، ہمیں اس پر ایمان لانے کی ضرورت ہے۔

## بھروسہ تھا تو ایک سادی سی کالی کملی والے پر

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا جب انتقال ہوا تو ان کو دودھ پلانے والی عورت کی چھاتی میں دودھ جوش مارنے لگا- جب دودھ پلانے والی عورت کا بچہ نہیں رہتا تو چھاتی سے دودھ نہ نکلنے کی وجہ سے اس میں تکلیف کی سی ایک کیفیت ہوتی ہے-اس نے آ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی اور کہا کہ ابراہیم کی بہت یاد آ رہی ہے اور دودھ جوش مار رہا ہے، طبیعت میں بے چینی کی سی کیفیت ہے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم کو دودھ پلانے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت میں ایک عورت کو مقرر کر دیا ہے، دیکھنا چاہو تو دیکھ لو، اس نے کہا کہ میں نہیں دیکھتی، آپ نے فرما دیا، اتنا کافی ہے، میں اپنی آنکھوں کو تو جھٹلا سکتی ہوں لیکن آپ کے قول کو جھٹلا نہیں سکتی، یہ ہے ایک عورت کا ایمان! ہمیں ایسا ایمان پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر یقینِ کامل اور عمل کا جذبہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو!

بمقام: جنوبی افریقہ

سنہ ۲۰۱۱ء

# اقتباس

توحقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے، ہم اس موقع کا فائدہ اٹھائیں، جو بھی وقت بھی ہمیں مل رہا ہے، وہ فارغ نہیں ہونا چاہیے۔ آدمی اللہ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہے، اللہ والوں کا یہ حال رہا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہا کرتے تھے۔ حضرت معروف کرخیؒ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، حضرت جنید بغدادیؒ کے دادا پیر، ان کے شیخ کے شیخ تھے تو وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ حجامت بنوا رہے تھے، نائی نے کہا کہ آپ ہونٹ جو ہلا رہے ہیں، اس کی وجہ سے مجھے بال لینے میں دشواری ہو رہی ہے، ان کو ذرا تھوڑی دیر کے لیے بند رکھئے؛ تاکہ میں آپ کی مونچھیں لے لوں تو جواب میں فرمانے لگے کہ واہ بھائی! تم تو اپنا کام کرو اور میں اپنا کام نہ کروں، یہ کیسے ہو سکتا ہے!

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قال النبی ﷺ: اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ (۱).

## جوانی کر فدا اس پر کہ جس نے دی جوانی کو

یہ ایک نصیحت ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، پہلی بات ارشاد فرمائی: شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ: اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے غنیمت سمجھو۔ جوانی یہ زندگی کا وہ بہترین زمانہ ہے، جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دی گئی ساری صلاحیتیں پورے عروج پر ہوتی ہیں یعنی اس میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انسان کو عطا فرمایا ہے، وہ اعلیٰ درجے پر ہوتا ہے اور اگر آدمی اپنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری میں استعمال کرلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بہت راضی اور خوش ہوتے ہیں، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ (۲): سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے سایے میں اس دن جگہ عطا فرمائیں گے، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے سایے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس میں: شَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ: بھی ہے یعنی وہ نوجوان جس کی نشو نما، جس کی اٹھان اللہ کی عبادت واطاعت میں ہوئی۔

---

(۱) شعب الإيمان، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، بَابٌ فِي الزُّهْدِ وَقِصَرِ الْأَمَلِ.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب فضل من ترك الفواحش.

چوں کہ اس زمانے میں آدمی کی خواہشات بھی عروج پر ہوتی ہیں اور وہ اس کو اس بات پر ابھارتی ہیں کہ میں اپنی خواہشات کو پوری کروں، یہ موقع ہے، اس کے بعد یہ موقع ملنے والا نہیں ہے؛ اس لیے جوانی کے زمانے کو غنیمت سمجھنے کی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔

## ایک تندرستی ہزار نعمت

آگے دوسری بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ: اپنی تن درستی کو بیماری سے پہلے غنیمت سمجھو۔ تن درستی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو آدمی کے ہاتھ سے جب چھن جاتی ہے تو دوبارہ لانا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا، وہ کب چھن جائے، اس کے متعلق کوئی دعوی بھی نہیں کر سکتے، جیسے موت کا حال ہے کہ کب آجائے، اسی طرح بیماری بھی کسی بھی وقت آسکتی ہے؛ اس لیے اللہ کی دی ہوئی اس تندرستی کو آدمی غنیمت سمجھ کر اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھالے، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے۔

## فقیری سے پہلے مال داری کو غنیمت جانو

وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ: اللہ تعالیٰ نے جو مال داری دی ہے تو فقیری سے پہلے اس کو بھی غنیمت سمجھو، اس مال کو اللہ کی اطاعت وفرماں برداری میں استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی خوش نودی حاصل کرے اور فضول خرچی سے بچے، یہ اس کے لیے بڑی سعادت اور نیک بختی کی بات ہے۔

## غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی

وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ: اور اپنی فرصت کو مشغولی سے پہلے غنیمت سمجھو، آدمی کو جو وقت ملتا ہے، وہ بھی بڑا غنیمت ہے کہ جب آدمی مشغول ہو جاتا ہے اور اس کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش مجھے وقت ملتا تو میں فلاں کام کر لیتا اور فرصت کا زمانہ جو گذرا، اس سے فائدہ نہیں اٹھایا، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو غنیمت سمجھو۔

## زندگی کو موت سے پہلے غنیمت جانو!

وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ: اور زندگی جیسی بھی ہے، اس کو موت سے پہلے غنیمت جانو۔ ایک آدمی ہے، کسی کام کا نہیں: اس کے ہاتھ بھی کام نہیں کرتے، پاؤں بھی جواب دے گیا ہے، حرکت بھی نہیں کر سکتا، بستر پر پڑا ہوا ہے، زبان تو ہے اس کی؟ اس زبان سے اللہ کا نام تو لے سکتا ہے؟ موت کے بعد اس کا بھی موقع نہیں ملے گا۔

## ایک اللہ والے کی موت کے بعد قبر میں تلاوت

ایک اللہ والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو کشفِ قبور عطا فرمایا تھا۔ اللہ کے بعض بندے ایسے ہوتے ہیں کہ قبر میں مردوں پر کیا حالات گذر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اوپر کھول دیتے ہیں۔ (اس کو کشفِ قبور کہتے ہیں) ایک قبر کے پاس سے ان کا گذر ہوا اور ان کو محسوس ہوا کہ یہ صاحبِ قبر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا ہے، اسی مکاشفے کی حالت میں انھوں نے قبر والے سے پوچھا کہ ہم نے تو سنا ہے کہ آدمی کا جب

انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے اور ہم تو دیکھ رہے ہیں کہ آپ قبر کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہے ہیں! تو ان کے جواب میں صاحبِ قبر نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہوا اور مجھے دفن کیا گیا، جیسا کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ آدمی کو دفن کر کے لوگ جب چلے جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو فرشتے آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں: مَنْ رَبُّكَ، مَادِيْنُكَ، مَاتَقُوْلُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ: کہ تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ تم کیا کہتے ہو؟ جب اس نے ان کے سارے جوابات دے دئے تو گویا امتحان میں کامیاب ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ کو بتلایا گیا کہ تم کامیاب ہو لیکن چوں کہ یہ ایک برزخ کا دور ہے جو تمھیں یہیں گذارنا ہے جب تک کہ قیامت قائم نہ ہو، اب یہاں تمھارے اس قیام کے دوران اپنے لیے اگر کوئی مشغولی تجویز کرنا چاہو تو میری طرف سے اس کی اجازت ہے۔

## زندگی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

تو میں نے کہا کہ مجھے دنیا کے اندر قرآنِ پاک کی تلاوت سے بڑا شغف تھا اور ہمیشہ اسی کو پسند کرتا تھا تو یہاں پر بھی مجھے قرآنِ پاک پڑھنے کی اجازت دے دی جائے، چنانچہ مجھے اس کی اجازت دے دی گئی اور جب سے دفن ہوا ہوں، اس وقت تک ''۷۰'' ہزار قرآن ختم کر چکا ہوں، پھر آگے ایک بات کہی کہ اگر آپ اپنا ایک

سبحان اللہ مجھے دے دیں تو میں یہ ”۷۰“ ہزار قرآن آپ کو دینے کے لیے تیار ہوں۔ انھوں نے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ۷۰ ر ہزار قرآن پڑھے ہیں نا، وہ سب ٹائم پاس ہے، اس کے اوپر مجھے کوئی ثواب نہیں ملتا، یہ ثواب تو اس وقت تک ہے جب تک ہم اس زمین کے اوپر چل رہے ہیں اور موت نہیں آئی ہے، اس وقت تک جو اعمال کریں گے، ان ہی کا ثواب ملے گا، یہ جو قبر میں میں نے اتنے قرآن ختم کیے، اس پر میرے نامۂ اعمال میں ایک بھی نیکی بڑھی نہیں ہے، وہ تو وہیں ہے جہاں میری موت کے وقت تھا اور تمھارا ہر سبحان اللہ تمھاری نیکیوں میں اضافے کا باعث ہے۔

## کرلے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو موقع عطا فرمایا، یہ بڑا قیمتی موقع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے جلیل القدر صحابی ہیں، ایک مرتبہ جارہے تھے کہ ایک قبر کے اوپر نظر پڑ گئی تو اپنی سواری سے اترے اور دو رکعت نماز کی نیت باندھ لی، نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ سمجھے کہ شاید یہ قبر والا آپ کا کوئی دوست ہوگا، عزیز ہوگا جس کے ایصالِ ثواب کے لیے یہ نماز پڑھی ہوگی، پوچھا: کیا بات ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ جب میری نظر اس قبر پر پڑی تو مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا جب انتقال ہوجائے گا، قبر میں چلا جائے گا تو وہاں جاکر تمنا کرے گا کہ کاش مجھے دو رکعت پڑھنے کا موقع ملتا تو مجھے یہ قبر

دیکھ کر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا تو میں نے سوچا کہ ابھی تو میں زندہ ہوں، میرے پاس موقع ہے تو میں نے اتر کر کے دو رکعت نماز پڑھ لی۔

## لب پہ ہر دم ذکر اللہ کی تکرار ہو

تو حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے، ہم اس موقع کا فائدہ اٹھائیں، جو وقت بھی ہمیں مل رہا ہے، وہ فارغ نہیں ہونا چاہیے۔ آدمی اللہ کی یاد میں ہمیشہ مشغول رہے، اللہ والوں کا یہ حال رہا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہا کرتے تھے۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں، حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر، ان کے شیخ کے شیخ تھے تو وہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ حجامت بنوا رہے تھے، نائی نے کہا کہ آپ ہونٹ جو ہلا رہے ہیں، اس کی وجہ سے مجھے بال لینے میں دشواری ہو رہی ہے، ان کو ذرا تھوڑی دیر کے لیے بند رکھئے؛ تاکہ میں آپ کی مونچھیں لے لوں تو جواب میں فرمانے لگے کہ واہ بھائی! تم تو اپنا کام کر و اور میں اپنا کام نہ کروں، یہ کیسے ہو سکتا ہے!

## جنت میں حسرت وافسوس کی چیز

تو حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو موقع دیا ہے تو ہم اپنے اوقات سے فائدہ اٹھائیں اور ہماری کوئی گھڑی اللہ کے ذکر سے خالی نہیں گذرنی چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ لوگ جب جنت میں چلے جائیں گے تو جنت میں چلے جانے کے بعد ان کو دنیا میں جو وقت اللہ کی یاد کے بغیر گذرا تھا۔ اس پر افسوس ہوگا کہ کاش اس میں اللہ

کی یاد کر لیتے، جنت میں پہنچ جانے کے بعد کوئی چیز باقی نہیں رہی، سب کچھ مل چکا ہے لیکن زندگی کے وہ اوقات، وہ گھڑیاں جو غفلت میں گذریں، ان کے متعلق ندامت اور پچھتاوا ہوگا کہ کاش ان کو ہم نے اللہ کی یاد میں استعمال کیا ہوتا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے، دعا کر لیجیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

# ذکر کے فضائل وفوائد

بمقام: ڈربن (جنوبی افریقہ)

سنہ ۲۰۱۱ء

# اقتباس

آدمی جو گناہ کرتا ہے تو گناہ کی وجہ دراصل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں غفلت پیدا ہوجاتی ہے، اس غفلت کے نتیجے میں گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ زنا کرنے والا جس وقت زنا کررہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی ایمان اگر اس کے دل میں مستحضر ہوتا، ''اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں'' یہ کیفیت اس کے دل کی ہوتی تو وہ کبھی زنا کا ارتکاب نہ کرتا، وہ غفلت کی وجہ سے یہ کرتا ہے، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ: اور چور جس وقت چوری کررہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اگر اس وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہوتا، وہ یہ سمجھ رہا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں تو کبھی چوری نہ کرتا، وَلَا يَشْرَبُ الشَّارِبُ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اس وقت اس کے دل میں اللہ کا استحضار اور یہ کیفیت کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں موجود نہیں ہوتی، اگر ہوتی تو کبھی یہ گناہ نہیں کرتا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدُلله رب العالمين والصلوۃ والسلام على سيد الأنبياءِ والمرسلين، سيدنا ونبينا وحبيبنا وشفيعنا محمد واٰله وأصحابه أجمعين أما بعد:

فَاَعُوۡذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا﴾ [الأحزاب: ۴۱، ۴۲]

وقال تعالى: ﴿فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِيۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ﴾ [البقرة:۱۵۲]

وقال تعالى: ﴿اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ﴾ [الرعد:۲۸]

وقال تعالى: ﴿وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِيۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّنَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَعۡمٰى﴾ [طه: ۱۲٤]

## سب چھوڑ خیالات، بس اک یادِ خدا کر

**اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں زیادہ سے زیادہ اپنا ذکر کرنے کا حکم دیا، باری تعالیٰ فرماتے ہیں:** يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوا اللّٰهَ ذِكۡرًا كَثِيۡرًا: **اے ایمان والو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرو،** وَّسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا: **اور صبح وشام اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو اور ایک اور جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:** فَاذۡكُرُوۡنِيۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ: **تم مجھے یاد کرو، میں تمھیں یاد کروں گا، ایک اور جگہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں:** اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ: **کہ اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو سکون اور طمانینت حاصل ہوتی ہے، اور فرماتے ہیں:** وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِيۡ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا: **جو**

میری یاد سے منہ موڑے گا، اعراض کرے گا، اس کی زندگی تنگ کردی جائے گی۔

## بندوں کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذکر کا ہمیں حکم دیا ہے اور اس کے بے شمار فوائد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بتلائے ہیں، یہ جو ہمیں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی وجہ سے اس میں -نعوذ باللہ- اللہ تعالیٰ کا اپنا کوئی فائدہ ہے؟ یا ہمارے فائدے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے؟ ظاہر ہے کہ بندوں کے ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی شان میں، اس کی عظمت میں، اس کی کبریائی میں، اس کی بڑائی میں کوئی زیادتی اور اضافہ نہیں ہوتا، بندوں کے ذکر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان پر کوئی فرق نہیں آتا۔

## ہماری اطاعت یا معصیت سے اللہ کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا

ایک روایت ہے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اور وہ حدیثِ قدسی ہے یعنی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد نقل کرتے ہیں، وہ تو لمبی روایت ہے، اس کا ایک حصہ ہے: يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا[1]. اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، جنات اور انسان، تم میں جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے ایسے بن جائیں تو میری شان میں، میری عظمت میں، میری کبریائی اور میری

---

[۱] صحیح مسلم، باب تَحْرِيمِ الظُّلْمِ.

بڑائی میں ذرّہ برابر زیادتی ہونے والی نہیں ہے۔ یَا عِبَادِی لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مَا نَقَصَ ذَلِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا: اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، جنات اور انسان، تم میں جو سب سے زیادہ اللہ کا نافرمان ہے، ایسے بن جائیں تو اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی کمی آنے والی نہیں ہے۔

## اللہ کا ذکر اس کی اطاعت پر آمادہ کرنے والی چیز ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ ہماری عبادتوں سے، ہمارا اللہ کا ذکر کرنے سے، ہمارے اللہ کی پاکی بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ہمارا فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کو زیادہ سے زیادہ یاد کرنے کے نتیجے میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا استحضار اور "اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے سامنے ہیں" یہ کیفیت ہمارے قلوب کو حاصل ہوگی اور یہی چیز آدمی کو ہر لمحہ اور ہر گھڑی اللہ تبارک وتعالیٰ کی اطاعت اور فرماں برداری کے لیے آمادہ کرتی ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی طرف سے غفلت صدورِ معاصی کا سبب ہے

آدمی جو گناہ کرتا ہے تو گناہ کی وجہ دراصل یہ ہوتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں غفلت پیدا ہو جاتی ہے، اس غفلت کے نتیجے میں گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ زنا کرنے والا جس وقت زنا کر رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی ایمان اگر اس کے دل میں مستحضر ہوتا، اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، یہ کیفیت اس کے دل کی ہوتی تو وہ کبھی

زنا کا ارتکاب نہ کرتا، وہ غفلت کی وجہ سے یہ کرتا ہے، وَلاَ یَسْرِقُ السَّارِقُ حِینَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ: اور چور جس وقت چوری کررہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اگر اس وقت اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا استحضار ہوتا، وہ یہ سمجھ رہا ہوتا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں تو کبھی چوری نہ کرتا، وَلاَ یَشْرَبُ الشارِبُ حِینَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ (۱). شراب پینے والا جس وقت شراب پی رہا ہوتا ہے، وہ مؤمن نہیں ہوتا یعنی اس وقت اس کے دل میں اللہ کا استحضار اور یہ کیفیت کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں موجود نہیں ہوتی، اگر ہوتی تو کبھی یہ گناہ نہیں کرتا، یہ گناہ جتنے بھی ہوتے ہیں، غفلت کے نتیجے میں ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آدمی بے خبر ہوجاتا ہے اور اس کے نتیجے میں گناہوں کا صدور ہوتا ہے، آدمی جتنا اللہ تعالیٰ کو یاد کرے گا، اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کا استحضار اور دل میں یہ کیفیت کہ ہر وقت بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پارہا ہے، پیدا ہوگی تو اس کے نتیجے میں وہ کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔

## ایک چرواہے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی خشیت

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے اور توشہ ختم ہوگیا، بھوک لگی تو دیکھا کہ ایک چرواہا بکریاں چرا رہا ہے تو اس سے آپ نے کہا کہ یہ بکریاں جو چر رہی ہیں، ان سے دودھ دوہ کر مجھے دے دو، مجھے بھوک لگی ہے تو اس نے جواب میں کہا کہ یہ بکریاں میری نہیں ہیں، میں تو غلام ہوں اور میرے آقا کی یہ بکریاں ہیں، مجھے چرانے

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، باب النُّهْبَى بِغَيْرِ إِذْنِ صَاحِبِهِ.

کے لیے حکم دیا ہے اور مجھے یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ میں ان کا دودھ دوہ کر کسی کو دے سکوں؛ اس لیے نہیں دے سکتا، وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔

بہر حال! حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے اس کا یہ جواب سن لینے کے بعد سوچا کہ اس کا امتحان لینا چاہیے، چنانچہ آپ نے اس سے کہا کہ دیکھو! میں تجھے ایک بات کہتا ہوں، جس میں تیرا بھی فائدہ ہے اور میرا بھی اور وہ یہ کہ تو دس درہم میں مجھے ان میں سے ایک بکری بیچ دے، اس میں میرا فائدہ تو یہ ہے کہ میں اس کا دودھ دوہ کر اپنی ضرورت پوری کروں گا اور تیرا فائدہ یہ ہے کہ تجھے دس درہم مل جائیں گے، رہا آقا تو اگر وہ پوچھے کہ بکری کا کیا ہوا؟ تو بتا دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔

## خدا ایسے احساس کا نام ہے، رہے سامنے اور دکھائی نہ دے

اس زمانے میں ایسا ہوتا تھا کہ بھیڑیئے آتے تھے اور بکریوں کے غلے میں سے کسی بکری کو اٹھا کر لے جاتے تھے اور پھاڑ کھاتے تھے، یہ سن کر کے وہ چرواہا کہتا ہے: یَاهٰذا! فَأَیْنَ اللهُ؟: اے اللہ کے بندے! پھر اللہ کہاں گیا؟ یعنی اللہ تو دیکھ رہے ہیں۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اس کا یہ جواب سن کر اتنے مسرور ہوئے، اتنے خوش ہوئے کہ آپ کہا کرتے تھے کہ ایک چرواہا جنگل کی تنہائیوں کے اندر یہ کہہ رہا ہے: یَاهٰذا! فَأَیْنَ اللهُ؟(۱)۔ یہ کیفیت اگر ہم مسلمانوں کو حاصل ہو جائے تو کبھی اللہ کی نافرمانی اس سے صادر نہیں ہو سکتی۔

---

(۱) شعب الإیمان، بَابٌ فِي الْأَمَانَاتِ وَمَا یَجِبُ مِنْ أَدَائِهَا إِلَى أَهْلِهَا، عَنْ نَافِعٍ

## بندے کے لیے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرنا ممکن ہے

تو اس کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے بزرگوں نے یہ بتلایا ہے کہ آدمی کثرت سے اللہ کو یاد کرے، اب یہ اللہ کا ذکر جو کثرت سے ہوتا ہے، ہم اپنے کام کاج میں مشغول ہوتے ہیں، ابھی یہاں مسجد سے جائیں گے، کاروبار پر چلے جائیں گے، کام میں مشغول ہوجائیں گے، اپنی طبعی ضروریات میں مشغول ہوجائیں گے، قضائے حاجت میں، پیشاب، پاخانہ، کھانا، پینا، سونا وغیرہ ضرورتوں میں مشغول ہوتے ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ آدمی ہمیشہ برابر اللہ کو یاد کرتا رہے؟ تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان! کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایسے طریقے بتلادئے کہ ان کو اپنا کر کے ہم ہر گھڑی اپنے آپ کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھ سکتے ہیں۔

## مختلف اوقات کی دعائیں اور سنتیں بھی ذکر اللہ ہی ہیں

یہ ہماری طبعی ضرورتیں جو ہیں، ہمیں کھانا کھانے کی ضرورت ہے تو ہمیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا دیا کہ کھانا شروع کرنے سے پہلے یہ پڑھ لو، کھانے کے درمیان یہ پڑھو، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ پڑھو۔ سونے کی ہماری ضرورت ہے تو سونے سے پہلے یہ پڑھو، سونے کے درمیان آنکھ کھل جائے تو اس طرح اللہ کو یاد کرلو، جب سو کر اٹھو تو یہ پڑھ لو۔ جب قضائے حاجت کے لیے جاؤ تو یہ دعا پڑھ لو، اس طرح جاؤ پھر فارغ ہونے کے بعد جب باہر نکلو تو یہ دعا پڑھ لو۔ ہر موقع کی دعائیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بتلائیں۔

## ذکر اللہ کے مختلف کلمات

اور اس کے علاوہ بھی اللہ کے ذکر کو مختلف طریقوں سے انجام دینے کا ہمیں حکم دیا، صبح اور شام اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا ارشاد، تیسرا کلمہ ہے: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ، وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلاَّ بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، پہلا کلمہ ہے: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، اسی طریقے سے چوتھا کلمہ کلمۂ توحید ہے: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَحْدَهُ لاَ شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِي وَيُمِيتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، یہ کلمات ذکر کے ہیں، ہر ایک کی بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں، صبح وشام پڑھنا ہے۔ اسی طریقے سے درود شریف، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت عطا فرمائی اور آپ کے صدقے اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت کچھ نوازا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پر بڑا احسان ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم آپ پر درود بھیجیں، چہ جائیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو حکم دے رہے ہیں کہ مجھ پر درود بھیجو اور پھر یہ بھی ہے کہ جب کوئی بندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں[۱]۔

## اس دل پہ خدا کی رحمت ہو، جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے

اسی طریقے سے استغفار ہے، چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے چھوٹے بڑے گناہ ہم

---

(۱) مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلاَةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا (صحیح مسلم، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی اللہ عنہ، باب اسْتِحْبَابِ الْقَوْلِ مِثْلَ قَوْلِ الْمُؤَذِّنِ لِمَنْ سَمِعَهُ ثُمَّ يُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- ثُمَّ يَسْأَلُ اللهَ لَهُ الْوَسِيلَةَ.)

سے ہو ہی جاتے ہیں، ان گناہوں کو معاف کرانے کے لیے ہمیں چاہیے کہ اللہ کے حضور معافی کے الفاظ دہراتے رہیں: أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ: یا اللہ! میں اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں، خود نبیِ کریم ﷺ حالاں کہ آپ تو معصوم ہیں، آپ سے گناہوں کا صدور نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ میں دن میں ''۷۰'' مرتبہ استغفار کرتا ہوں(۱)، یہ امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

## ہادی نہ ملے گا کوئی قرآن سے بہتر

تو بہر حال! یہ استغفار ہے، درود شریف ہے اور تیسرا کلمہ ہے اور قرآنِ پاک کی تلاوت یہ بھی اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کرنے کے لیے ایسی عجیب چیز ہے، ایسا ذکر ہے اللہ کا کہ کوئی دوسرا ذکر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو ہر مسلمان کو چاہیے کہ قرآن پاک کے ایک حصے کی روزانہ تلاوت کا اہتمام کرے۔

## دعا بھی اللہ تعالیٰ کا بہترین ذکر ہے

اسی طرح دعا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے، وہ جو اذکار ہیں مختلف کاموں کے دوران، وہ تو ہیں ہی، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعا کے ذریعہ سے متوجہ ہونا، یہ بھی عبادت کی روح ہے، حدیث شریف میں آتا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: الدُّعَاءُ مُخُّ العِبَادَةِ(۲) کہ دعا عبادت کا مغز ہے، عبادت کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اپنے

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، باب اسْتِغْفَارِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ.
(۲) سنن الترمذی، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الدُّعَاءِ.

دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، دعا کے درمیان بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ہم اپنی حاجتیں بھی مانگتے ہیں اور عبادت میں بھی مشغول ہیں۔

تو بہرحال! ذکر کی یہ مختلف شکلیں ہیں، ان شکلوں کو اختیار کر کے ہمیں چاہیے کہ ہم دین رات کے ان اوقات کو اللہ کی یاد سے معمور کریں اور اللہ کے اس حکم کو پورا کریں، خاص کر کے یہ صبح وشام کے جو اوقات ہیں، صبح کو رات گذرتی ہے، دن آتا ہے۔ شام کو دن گذرتا ہے رات آتی ہے، یہ دونوں اوقات کے آنے جانے کا جو موقع ہے، اس میں خاص طور پر ہم کو ذکر کی تلقین کی گئی ہے، اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

# مکتبہ محمودیہ ڈابھیل
# کی
# دیگر مطبوعات

| ۱ | حدیث کے اصلاحی مضامین (اول تا پانزدہم) |
|---|---|
| ۲ | محمود الرسائل |
| ۳ | محمود الفتاویٰ (گجراتی) ۴/جلدیں |
| ۴ | محمود الفتاویٰ (اردو) ٦/جلدیں |
| ۵ | محمود المواعظ جلد اول |
| ٦ | محمود المواعظ جلد دوم |
| ۷ | محمود المواعظ جلد سوم |
| ۸ | مکاتب دینیہ کے اساتذہ سے خطاب |
| ۹ | نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت |
| ۱۰ | فتح اللہ الاحد شرح الادب المفرد (قسط اول) |
| ۱۱ | راہ اعتدال |